

ہم سے دوستی کا دار و مدار ہمارے مقاصد کی پیروی پر ہے۔  
(حضرت علی علیہ السلام)

## زندگانی

سید الشہداء  
علیہ السلام

تالیف

سید علی اکبر قریشی

ترجمہ

سیدہ گلشن نبول نقوی ایم ایے گولڈ میڈلسٹ

ریسرچ سکا لرنر (پنجاب یونیورسٹی)

ناشر

شیخ غلام علی ایسٹرن پبلسٹرز

لاہور — حیدرآباد — کراچی



۲  
مجلہ حقوق بچی پبلسٹر محفوظ ہیں

۲۹۷۶۹۹۲۱

ج ۵۱ ق

۲۰۰۳۸

DATA ENTERED

مطالع : شیخ نسیا ز احمد  
مطبع : علمی پرنٹنگ پریس لاہور  
قیمت : بیس روپے  
خطاطی : گلستان کتابت بلاک ۱۳ سرگودھا

مقام اشاعت

شیخ عنایام علمی اینڈ سنز پبلسٹرز  
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی لاہور



## انتساب

اس اولین سعی ناچیز کو اپنے والد مکرم السید ظفر حسین نقوی <sup>مدظلہ</sup>  
 اور اُستاد عالی قدر پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر <sup>مدظلہ</sup> کے نام ہاتے نامی سے  
 منسوب کرنے کا شرف حاصل کرتی ہوں۔

گلشن بریل

۲۱ اکتوبر ۱۹۶۴ء



# مؤلف

علامہ الحاج سید علی اکبر قرشی حوزہ علمیہ "قم" کے مدرسہ عالیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور آج کل مغربی آذربائیجان کے قصبے رضائیہ میں مقیم ہیں اور نہایت گرانقدر دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی علمی زندگی تحریر و تقریر کے محور پر گھوم رہی ہے۔

آپ صاحبِ علم دانشور اور شعلہ بیان و سحر انگیز مقرر ہیں۔ میں جب بھی ان سے ملاقات کے لیے گیا انھیں برسرِ منبر علمی و اجتماعی موضوعات پر محوِ خطابت پایا، یا پھر مطالعہ کی میز پر مطالعہ میں مصروف۔ یا اپنی تحریروں کو مرتب کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ وہ مجاہد ہیں جو ہمیشہ ہی حرم اور حدودِ الہی کے دفاع پر کمر بستہ رہتے ہیں۔

اب تک آپ کی دو تصانیف "شخصیت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام" اور "سیری در اسلام" زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی آپ کی ایک عمدہ تالیف ہے۔ جس میں تاریخی اور اجتماعی مطالب کا تجزیہ اور جائزہ عمدگی سے لیا گیا ہے۔

موصوف نے اپنے افکار عالیہ کو سوزِ دروں کے ساتھ ملا کر جناب سید الشہداء امام حسینؑ کی بے مثال شخصیت اور میدانِ کارزار میں آپ کی بے نظیر حرّات و شہامت اور دیگر شہداء کی جان نثاری اور جان فشانی کی ایک ایسی تصویر پیش کی ہے جو قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے۔ علامہ محترم کے ساتھ اپنی ارادت و مودت کے تحت ہی میں نے قم سے اس کی اشاعت و طباعت کا ذمہ لیا۔ میں نے اس کے مطالعے سے جو روحانی لذت حاصل کی ہے اگر قارئین کرام نے بھی ویسا ہی حظ اٹھایا تو پھر اس کی قدر و قیمت ان پر واضح ہو جائے گی۔

ہم خداوندِ قدوس سے موصوف کی کامیابیوں اور توفیقات میں زیادتی کے لیے دعا گو ہیں۔

عقیقی نجشالیسی

قم، دار التبلیغ اسلامی

یہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن "قم" سے اور دوسرا ایڈیشن "مشہد مقدس" سے چھپا ہے۔ (مترجم)



# فہرست مطالب کتاب

- ۱- فہرست مطالب ۵
- ۲- پیش گفتار از ڈاکٹر محمد باقر مدظلہ ۷
- ۳- حرفِ اول (مترجم) ۹
- ۴- منابع و ماخذ کتاب ۱۱
- ۵- مقدمہ ۱۳
- ۶- ماضی پر ایک نظر ۲۳
- ۷- خلیفہ دوم کا نرم رویہ ۳۲
- ۸- عبدالرحمن اور حق تنسیخ ۳۷
- ۹- طبقاتی کشمکش میں اور اضافہ ۴۰
- ۱۰- آواز حق بلند کرنے والوں کے خلات
- ۱۱- کارروائیاں ۴۴
- ۱۲- امید کی کرن ۵۰
- ۱۳- حضرت علی علیہ السلام اور جناب عائشہ
- ۱۴- رضی اللہ عنہا ۵۴
- ۱۵- جنگ صفین
- ۱۳- صلح امام حسن مجتبیٰ ۶۱
- ۱۵- مطلق الغنائت ۶۴
- ۱۶- اہل بیت اطہار کی گوشہ نشینی ۶۵
- ۱۷- بقائے اسلام کے لیے دوسرا خطرہ ۷۰
- ۱۸- یزید کی بالجبر بیعت ۷۳
- ۱۹- انسان نما حیوان ۷۸
- ۲۰- دور معاویہ میں امام حسین کا موقف ۸۲
- ۲۱- امام حسین اور صلح امام حسن علیہم السلام ۸۷
- ۲۲- انجمن مکہ ۹۱
- ۲۳- امام حسین علیہ السلام کے نام معاویہ کا خط اور اس کا جواب ۹۷
- ۲۴- واقعہ کربلا ایک مقدس مشن تھا یا محض دفاع ۱۰۲
- ۲۵- بنی ہاشم کے نام امام عالی مقام کا خط ۱۰۷
- ۲۶- امام حسین کا خط اہل بصرہ کے نام ۱۱۲



- ۳۵- مسجد دمشق میں امام زین العابدین کا خطبہ  
 ۳۶- اسیرانِ کربلا کی وطن واپسی ۲۳۵  
 ۳۷- کیا زید قبل امام سے بے خبر و ناخوش تھا؟  
 ۳۸- اس دور کے لوگوں پر حسینی مشن کے اثرات  
 ۳۹- آتشِ انتقام ۲۶۵  
 ۴۰- مختار کے بارے میں تحقیق ۲۶۶  
 ۴۱- معرکہ کربلا سے اخذ نتائج میں ائمہ  
 ۴۲- علیم السلام کا کردار ۲۶۹  
 ۴۳- عزت کی موت یا دولت کی زندگی  
 ۴۴- حق ہر حال میں غالب و پایدار ہے  
 ۴۵- عظمت مصائب کی پیداوار ہے  
 ۴۶- عزاداری سید الشہداء ۲۸۶  
 ۴۷- امام حسین کے چند ارشادات عالیہ  
 ۴۸- خطبات و مکتوبات ۲۹۷  
 ۴۹- مکہ معظمہ میں امام عالی مقام کا  
 خطبہ ۲۹۷  
 ۵۰- معاویہ کے نام امام حسین کا خطبہ  
 ۵۱- منزل ذی حرم میں امام حسین کا خطبہ  
 ۵۲- روز عاشورہ سید الشہداء کا خطبہ  
 ۵۳- امام زین العابدین کا خطبہ کوفہ

- ۶۷- حسینی مشن کی ابتداء ۱۱۳  
 ۶۸- جنگِ تضاد ۱۲۵  
 ۶۹- کیا امام حسین اپنی شہادت سے  
 آگاہ تھے؟ ۱۳۳  
 ۷۰- تفسیر اور حسینی مشن ۱۳۲  
 ۷۱- روایاتِ تفسیر کا جائزہ ۱۳۸  
 ۷۲- احادیث نبوی سے وضع اصول ۱۵۶  
 ۷۳- حسینی مشن کی نوعیت ۱۵۹  
 ۷۴- امام حسین علیہ السلام کی بے مثال شخصیت  
 ۷۵- بیہات منا الذلہ ۱۷۵  
 ۷۶- صاحبانِ فضیلت ۱۸۰  
 ۷۷- حضرت عباس اور ان کے بھائیوں کے لیے  
 امان نامہ ۱۸۳  
 ۷۸- امام حسین کے اصحابِ باوفا  
 ۷۹- اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کا کردار  
 ۸۰- کوفہ غیر معمولی حالات میں  
 ۸۱- کوفہ میں جناب زینب کا خطبہ  
 ۸۲- مجلس ابن زیاد پر ایک نظر  
 ۸۳- دربارِ زید کا جائزہ  
 ۸۴- اہل بیت شام میں



## پہلی گفتار

ابی الحسن بن عثمان بن ابی علی الجلابی الجوری معروف بہ داتا گنج بخش اپنی مشہور تصنیف

کشف المحجوب میں فرماتے ہیں :

”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں پیغمبر۔

علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضرتؐ نے حسینؑ کو اپنی پیٹھ

پر بٹھایا ہوا ہے اور ایک رتی اپنے دامن مبارک میں ہے اور اس کا دوسرا سرا

حسینؑ کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح حسینؑ چلاتے تھے حضرت ان کی ہڈیت پر زانو

پر چلتے تھے۔

کتاب مردانہ فوق انسان ”تذکرہ ہے اس فقید المثال بچے کے کامل سوانح مبارک کا

جسے سید علی اکبر قرشی نے فارسی میں بدلانل و شواہد ترتیب دیا ہے۔ اس ناخلاق تالیف

کا اردو ترجمہ عزیز محترم گمشدہ سید الشہداء علیہ السلام کے عنوان سے پیش

کر رہی ہیں۔ فقیر نے اس ترجمہ کو دیکھا ہے اور بسا اوقات اصل سے بھی مقابلہ کیا ہے۔ یقین

ہے کہ یہ ترجمہ نہایت عمدہ اور مناسب ہے۔

ابن آدم کی تاریخ میں حق و باطل کی آویزش کی سینکڑوں مثالیں ملیں گی۔ جس میں انسان

نے حق پرستی پر اصرار کرتے ہوئے عظیم الشان ایثار کیا اور بے مثال قربانیاں دیں، لیکن ان



سب رزم آرائیوں میں ایک انسانی عنصر ہر جگہ مشترک نظر آئے گا۔ کہ حق پر ثابت قدم رہنے والے انسانوں نے اپنے نفسانی عقاید اور بعض دفعہ ذاتی منافع کو بھی پیش نظر رکھا۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے متعلق ہر اسلامی مکتب فکر کا فیصلہ ہے کہ اس کا باعث سید الشہداء کی کسی ذاتی یا نفسانی خواہش کی بار آوری نہ تھا۔ بلکہ اس عظیم المرتبت ایثار کا محرک صرف ترویج دین و امر بمعروف و نہی از منکر کا جذبہ تھا۔ یہ جذبہ کتنا مقدس، ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کا صحیح اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو کبھی کبھی اپنی دنیا سے بزم و رزم میں حق پرستی اور حق گوئی کرتے ہوئے اپنی ذات کو آمادہ ایثار کرنا پڑتا ہے اور پھر انہیں جانچنا پڑتا ہے کہ سچ کہیں یا نہ کہیں، حق کا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ انسان ازل سے اس کشمکش میں مبتلا چلا آتا ہے اور قربانی کی بے شمار مثالیں بھی سامنے آتی ہیں لیکن جن انسانوں نے صرف تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر کی عملی تصویر اس دنیا میں پیش کی ہے ان میں سرفہرست ابدال آباد تک سید الشہداء کا نام سر بلند رہے گا۔

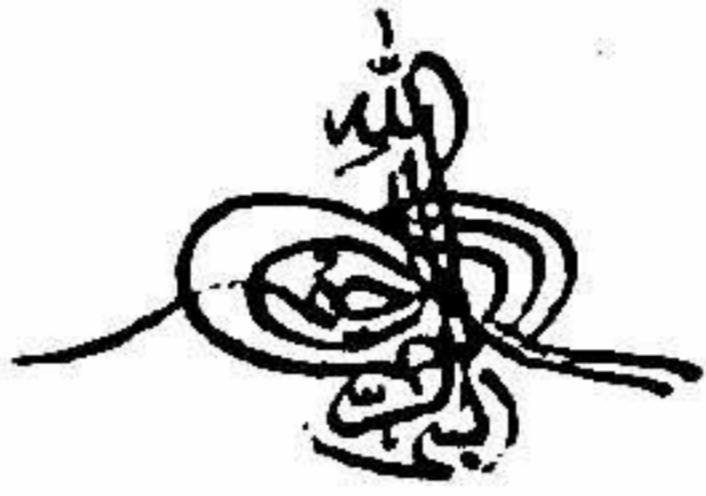
تاریخ کو عبرت کا مرقع کہا گیا ہے لیکن مسلمانوں کی اپنی تاریخ اس اعتبار سے بڑی عبرت انگیز ہے کہ ان کے ہاں واقعہ کربلا جیسا عظیم النظیر واقعہ بھی رونما ہوا ہے۔ جس کے تفصیلی مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ملت اسلامیہ میں خود مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں اس طرح ابواب فتنہ و پراگندگی واہونے کہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت، اتفاق و اتحاد کو زیر و زبر کر گئے۔ سیدنا اکبر قرشی مؤلف کتاب نے ان تمام حوادث، اسباب و علل اور نتائج کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اور اس جائزے کا مطالعہ جہاں مسلمانوں کی تاریخ کو صحیح پس منظر میں ملاحظہ کرنے کا موقع ہم پہنچاتا ہے وہاں ہر مسلمان کو انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسا لائحہ عمل مرتب کرنے میں مدد دیتا ہے جس سے دنیوی اور اخروی نجات کی راہیں کھلتی ہیں۔

فقیر اس تاریخ کی اس اہمیت کے پیش نظر ہر مسلمان سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہے۔

محمد باقر

لاہور  
اول سوال المکرم ۱۳۹۳ھ  
۱۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء





## حرفِ اوّل

کسی زبان کی دوسری زبان میں منتقلی یعنی ترجمہ نگاری اور پھر اس میں محاورے کا التزام ایک دشوار کام ہے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس سنگلاخ وادی میں گامزن ہوں۔ مجھے بھی اس کی سنگینی کا احساس سعید علی اکبر قرشی کی فارسی کتاب مردِ مافوقِ انسان کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے شدت سے ہوا۔

اس کام میں دو باتیں ہر وقت میرے پیش نظر رہی ہیں۔ اوّل یہ کہ متن کو من و عن اردو میں منتقل کیا جائے اور مولف کے افکار و خیالات کو پوری دیانتداری کے ساتھ اپنی زبان کا جامہ پہنا کر قارئین تک پہنچایا جائے۔ جب بعض مقامات پر وضاحت ضروری معلوم ہوتی تو اس کو حاشیے میں جگہ دی گئی اور متن میں کمی و بیشی سے مکمل احتراز کیا گیا۔ دوم یہ کہ ترجمہ با محاورہ اور سلیس زبان میں کیا جائے۔ اس کے لیے حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ یہ کوشش کس حد تک بار آور ہوئی اس کا فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑتی ہوں۔

یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ ترجمہ بہت معیاری اور اچھا ہے۔ انسان سے غلطیوں کا سرزد ہونا بعید نہیں اور پھر نا چیز کی یہ ادائیں کوشش ہے۔ لہذا قارئین سے چشم پوشی کی



غلام ہمت آن عارفانِ باکر مم !!!

کہ یک صواب بہ بلیند و صد خطا پوشند

اس کا رخیز کی تکمیل میں جن بزرگوں کی راہنمائی اور اعانت میرے شامل حال رہی ان میں سرفہرست والد گرامی قدر السید ظفر حسین نقوی اور استاد عالی مرتبت پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر مدظلہم العالی کے اسمائے گرامی ہیں۔

والد محترم کی حوصلہ افزائی اور مکمل تعاون ہر لمحہ اس کام کی تکمیل کا جذبہ پیدا کرتا رہا۔ میرے شفیق استاد اس لیے تشکر بے پایاں کے سزاوار ہیں کہ وہ اس کی جلد تکمیل کی ہدایت فرماتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس راہ دشوار میں میرے لیے منارۂ نور بن گئے۔ اور پھر آپ کے نور علم کی ضیاء میں راہ کی تمام رکاوٹیں عبور کرنا میرے لیے بہت سہل ہو گیا۔ آپ اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود بھی ہر وقت درپیش مشکلات کے حل کے لیے آمادہ رہے۔ سچی تو یہ ہے کہ اگر آپ کی راہنمائی میسر نہ ہوتی تو یہ کام ہرگز مکمل نہ ہو سکتا۔ مزید برآں یہ کہ ایک گرانقدر دیباچے سے آپ نے اس کتاب کے مزین فرما دیا ہے۔ خداوند عالم مجھے ان بزرگوں کے سایہ عاطفت میں ابد الابد تک رکھے۔ آمین۔ علامہ سید عباس حیدر عابدی کی بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے پہلی بار اس کام کی طرف توجہ دلائی اور راہنمائی کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی فرماتے رہے۔ پھر نہایت فراخ دلی سے اپنی یہ کتاب میری تحویل میں دیے رکھی تاکہ یہ کام مکمل ہو سکے۔

والدہ محترمہ اور خواہران و برادران عزیز بھی اپنے تعاون کے لیے شکریے کے سزاوار ہیں۔ خداوند بزرگ و برتر کے حضور عالی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ناچیز کی اس ادنی خدمت کو شرف قبولیت بخشے اور ان تمام بزرگوں اور معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

بندۂ ناچیز

گلشن بتول

لاہور  
۳۴ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ  
۲۱ اکتوبر ۱۹۷۴ء



## منابع و ماخذ کتاب

نام کتاب	نام مؤلف	محل طبع	تاریخ طبع
اثبات الوصیہ	علی بن حسین مسعودی	تہران	۱۳۲۰ قمری
الارشاد	شیخ مفید	"	" ۱۳۶۶
اسباب النزول	علی بن احمد واحدی	قاہرہ	" ۱۳۶۹
الاصابہ	ابن حجر عسقلانی	مصر	" ۱۳۲۵
الامامۃ والیاسۃ	ابن قتیبہ دینوری	"	" ۱۳۶۶
تاریخ تمدن اسلام ترجمہ	جرجی زیدیان	تہران	" ۱۳۳۳
تاریخ الخلفاء	سیوطی	مصر	" ۱۳۸۳
تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری	قاہرہ	" ۱۳۵۸
تاریخ کامل	عزالدین ابن الاثیر	"	" ۱۳۳۸
تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب	بیروت	" ۱۳۵۷
تحف العقول	حسن بن علی بن شعبہ	تہران	" ۱۳۷۹
تذکرہ	سبط ابن جوزی	تہران	-
تفسیر ابن کبیر	اسماعیل بن کثیر دمشقی	مصر	-



-	ابونصر محمد بن مسعود بن عیاش، قم	تفسیر عیاشی
۱۳۳۷ قمری	فضل بن حسن طبری تهران	تفسیر مجمع البیان
۱۳۷۸	کمال الدین ومیری مصر	حیاء الجیوان
-	محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشتی، کربلا	رجال کشتی
-	محمدتقی شیخ عباس نجف اشرف	سفینتہ البحار
۱۳۳۶	عبدالملک بن ہشام مصر	سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
-	علی بن برہان الدین حلبی	سیرۃ حلبی
۱۳۱۳	محمد بن اسماعیل بخاری	صحیح بخاری
-	احمد بن حجر مکی	صواعق محرقة ابن حجر
۱۳۱۶	ابن عبدالربہ اندلسی	عقد الفرید
۱۳۳۲ ش	(طہ حسین ترجمہ) تهران	علی و دو فرزندش علیہم السلام
۱۳۶۸ ق	ابن طاووس نجف اشرف	فرحة القرطبی
۱۳۷۵	محمد بن یعقوب کلینی تهران	کافی (اصول)
-	سید بن طاووس قم	لہوف
۱۳۳۶	علی بن حسین مسعودی مصر	مروج الذهب
۱۳۶۸	ابوالفرج اصفہانی	مقاتل الطالبین
۱۳۷۸	ابن شہر آشوب قم	مناقب آل ابی طالب
-	مالک ابن انس کراچی	موطاء

اور حواشی میں مذکور دوسری کتابیں۔



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطّٰهَرِیْنَ ؕ

صدیوں سے مسلم و غیر مسلم ادیبوں اور نثر نگاروں کے شعور و فکر اور غور و خوض کا مرکز امام حسین علیہ السلام کا مقدس مشن رہا ہے۔ اس کی تحقیق و تدقیق میں بہت سی کتب و رسائل تصنیف و تالیف کیے گئے۔ ہر مفکر نے اپنی فکر کی گہرائی کے مطابق اس پر اظہار خیال کیا اور ہر لکھنے والے نے اپنے علم کی وسعت سے کام لے کر بیش بہا فن پارے پیش کیے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس عظیم الشان اور عالم انسانیت کو درطہ حیرت میں ڈالنے والے معرکے کے دامن میں ایسے ہزاروں اسرار و رموز پنہاں ہیں۔ جن کے ادراک کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اور جن کو منظر عام پر لانے کے لیے بہت کچھ کہا اور لکھا جا سکتا ہے۔

یہ امر ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ گزشتہ صدیوں کے انقلابات نے اس عظیم مقدس مشن کے حقیقی اسباب کو انسان کی نظروں سے محو کر دیا ہے۔ چنانچہ آج کل اس سلسلے میں جن خیالات و افکار کا اظہار کیا جاتا ہے ان کا اس معرکے سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اس صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار حکومت میں تشیع و اہل تشیع مستقل طور پر خلفاء و امرا کی معاندانہ روش کا شکار رہے۔ حاکمان وقت



نے کبھی ان کو ذلیل و کمزور کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ان کی یہ خصوصاً نہ روش اس سبب سے تھی کہ مذہب جعفریہ کی نشر و اشاعت ان کے مفادات سے متصادم تھی کیونکہ ظلم و استبداد سے ٹکرانا، اس مذہب کے ارکان میں شامل تھا۔ اس کے مطابق ایمان کامل، علم مکمل اور شجاعت کاملہ قیادت کی شرائط تھیں۔ ظالم اور ہوس کار حکام کو رعایا کے جان و مال اور عزت و آبرو پر جو من مانتا تصرف حاصل تھا، یہ اس کے خلاف ایک پرزور صدائے احتجاج تھی۔ بہ الفاظ دیگر یہ خلفا اور امرا اس مذہب کی حمایت و اعانت کرتے تھے جو انہیں اولوالامر منکم کا مصداق قرار دے کر لوگوں کے لیے ان کی اطاعت کو لازمی ضروری بتاتا تھا۔ اور ان کے احکام کی بے حیل و حجت بجا آوری کو مذہبی فریضہ سمجھتا تھا اس کا قدرتی نتیجہ مذہب حقہ سے ان کی خصومت تھی جو حاکم و راہنما کے لیے امیر المؤمنین جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اتباع میں انصاف پسندی اور اسلامی عدل کی ترویج کو امر لازم شمار کرتا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسی بنا پر اموی و عباسی خلفا و امرا اپنے گھناؤنے عزائم کو پورا کرنے کے لیے مذہب حقہ اور اس کے پیروکاروں کا استیصال ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ القادر عباسی کے دور حکومت میں مذہب چہارگانہ مالکی، حنفی، جنہلی اور شافعی کی ترویج و اشاعت تو ہوتی مگر شیعیت کو پھلنے پھولنے کا کوئی موقع نہ دیا گیا۔

۱۔ احمد بن اسحاق ملقب بہ القادر بچسواں عباسی خلیفہ ہے۔ محدث قمی تتمۃ المنتہی (ج ۲ ص ۲۷۷) میں رقمطراز ہے۔ القادر عباسی کے زمانے میں مذہب چہارگانہ یعنی حنفی، جنہلی، مالکی اور شافعی حکومت کو ایک خاص رقم دیا کرنے کے بعد مروج ہوئے۔ سید مرتضیٰ علم الہدی جو اکابرین شیعہ میں سے تھے وہ خلیفہ کو اس بات پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ شیعہ بھی حکومت کو ایک لاکھ دینار فراہم کرنے کے بعد ترویج مذہب میں آزاد ہوں گے۔ چنانچہ خود انہوں نے اپنے طور پر اسی ہزار دینار دیا کیے اور بقیہ بیس ہزار کے لیے اہل تشیع سے مدد چاہی لیکن انہوں نے اس طرہ توجہ نہیں کی۔ مصنف کے خیال میں اگر سید مرتضیٰ یہ رقم دیا کرنے میں کامیاب (باقی حاشیہ ۵۵ پر)



بنو امیہ اور بنو عباس کے زوال کے بعد کچھ مدت امید و بیم میں گزر گئی۔ آخر کار صدیوں تک بہت سی کشمکشوں اور تشیبات و فراز و کچھنے کے بعد دسویں صدی ہجری کے شروع میں اہل تشیع کو پائیدار حکومت حاصل ہوئی اور مذہب شیعہ جو دست برد زمانہ سے محفوظ رہا تھا اور کسی قسم کے تغیر و تبدل سے پاک تھا، کسی مخالفت کے بغیر ان کا سرکاری مذہب قرار پایا۔

اب اس مذہب اور اس کے پیروں کو حکمرانوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا، بلکہ صاحبان اقتدار خود اس کی حمایت کرنیوالے اور اس کی توسیع میں مدد و معاون تھے۔ اور یوں اہل تشیع کو صدیوں کی کشمکش اور گونا گوں مصائب سے نجات ملی۔ اور انہیں اطمینان قلب نصیب ہوا۔ حاکم و محکوم کے درمیان حمایت دین کی بنیاد پر محبت و نیگانگت کے روابط قائم ہوئے۔ حکام نے سرپرستانہ رویہ اختیار کیا۔

قومی استحکام اور قلبی و ذہنی آسودگی کے حصول کے بعد قدرتی طور پر ہر مضبوط و مستحکم قوم کی طرح اہل تشیع کے ہاں بھی آہستہ آہستہ حصول عدل کی روح اور ظلم و جور کے مقابلے کا جوہر معدوم ہوتا چلا گیا۔ معاشرتی مظالم اور حاکموں کی بڑھتی ہوئی نا انصافیاں بڑی خاموشی سے ان کے ہاں جگہ پاتی گئیں۔ اجتماعی عدل کے قیام کو انہوں نے یکسر فراموش کر دیا۔ جس کے لیے وہ صدیوں تک سر و جنگ کر چکے تھے۔ معاشرتی مسائل سے لاپرواہی اور چشم پوشی نے اجتماعی عدل و انصاف کے قیام کی زبردست خواہش کی جگہ لے لی۔

اس طرح سے گرمی عمل سے بھرپور اور اصلاح احوال کا مطالبہ کرنے والا یہ مذہب

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲) بھی ہو جاتے تو بھی خلیفہ کا مذہب شیعہ کو رائج کرنا خارج از امکان تھا جیسا کہ متن کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۷ اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ عباسیوں کے دور حکومت میں چند شیعہ حکومتیں مستحکم ہوئیں ان میں شمال مغربی افریقہ میں اور لیبیوں، ایران میں علویوں اور آل بوریہ، ہمدانیوں کی حکومت شام میں اور مصر میں فاطمیوں کی حکومت شامل ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "شیعہ کیست و تشیع چیست" بتاویف محمد جواد مغنیہ مترجمہ علی اکبر کسائی۔



جو ہمیشہ معاشرتی اور اجتماعی انصاف کی حمایت کرتا تھا اور جس نے انویوں اور عباسیوں کی آنکھوں کو خوابِ راحت سے محروم کر دیا تھا، راکھ کا ڈیسر بن گیا اور اس آتش نشان پہاڑ کی طرح جس کا وہاں نہ بندھ ہو گیا ہو، سکوت و خاموشی کا پیکر بن گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی ترویج و اشاعت کا موقع اللہ کی ایک عنایت تھی۔ جو ان تمام مذکورہ مشکلات و مصائب سے دوچار ہونے کے بعد حاصل ہو سکی اور شیعیت کی شہرت و سبب پانے کا سبب بنی۔ لوگ اس مکتب فکر کی حقیقت سے واقف ہوئے۔ مگر "جائیکہ گل است خار ہم باشد" مذہب کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ پیروانِ مذہب میں ظلم و ستم کے مقابلے میں خاموشی اور اسلام کے اجتماعی عدل و انصاف سے چشم پوشی بھی راہ پاتی گئی۔ حالانکہ اسلامی مساوات کا اجرا حکمرانوں کی ذمہ داری تھی جو دیدہ و دانستہ طور پر پوری نہ کی گئی۔

اسلام کے اجتماعی مسائل سے آہن لاپرواہی اور دانستہ چشم پوشی سے یہ نتائج سامنے آئے:

(۱) لوگوں کے خیالات اور مزاج بتدریج بدلتے گئے اور اعلائے کلمہ حق، جہاد اور تقیہ سے متعلق قرآنی آیات و ارشاداتِ معصومین علیہم السلام کا مفہوم اکثر لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق اور ہی سمجھا۔

(۲) وہ سہل پسند لوگ جو راہِ خدا اور معاشرے کی اصلاح کے لیے مشکلات برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ حتیٰ کہ مخالفین کا کوئی سخت لفظ سننے کی تاب نہ رکھتے تھے انہوں نے تقیہ کے دامن میں اس کی حقیقت جانے بغیر ہی پناہ لے لی۔ اور "ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکة" (پٹ۔ بقرہ) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو کے قرآنی ارشاد کا سہارا لے کر دین کی حمایت اور معاشرے کی اصلاح کا بار اپنے کندھے سے اتار پھینکا اور یوں ظلم کی اعانت کو تقیہ کا نام دے دیا گیا۔

۱۷۔ علما نے دین میں سے جس کسی نے بھی اصلاح کا ارادہ کیا اس کو سیاسی مولوی کا نام دیدیا گیا (باقی حاشیہ دیکھیں)



(۳) اسلام کے معاشرتی عدل کا اجراء جو حسینی مشن کا اصل محرک تھا۔ ابہام کے پردوں میں اوجھل ہو گیا۔ اور اکثر لوگوں نے یہ سوچا کہ یزید کے ساتھ امام علیہ السلام کی مخالفت صرف نماز روزہ جیسے فروع دینی کے لیے تھی اور امام عالی مقام نے حاکم وقت سے فقط اس لیے ٹکر لی تھی کہ لوگ جھوٹ اور بددیانتی سے باز رہیں۔

(۴) اس قسم کے مسائل درمیان میں پیدا ہوتے اور مستقل بحث کا موضوع بن گئے کہ امام کا یہ اقدام تقیہ کے ساتھ کس طرح مطابقت رکھتا ہے؟ کیا تقیہ اجازت نہ دیتا تھا کہ امام دورہ یزیدی کے مظالم کے سامنے خاموشی اختیار کر لیں۔ حاکم وقت کے خلاف امام کی ساری جدوجہد "ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکة" کے قرآنی ارشاد سے کیونکر مطابق ہو سکتی ہے۔

(۵) بہت سے لوگوں نے عیسائیوں کی طرح جو شہادت عیسیٰ کو اپنے اور اہل دنیا کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ شہادت امام حسین علیہ السلام کو امت مسلمہ کے گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ ہر گناہ اور ہر حرم جس کے وہ مرتکب ہوتے ہیں۔ شہادت امام علیہ السلام کے طفیل بخشا جائے گا۔

مسلمان محققین کا یہ فرض ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے اس شاندار اقدام کی تفصیل

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷) اور وہ لوگوں کی نظروں میں قابل نفیرن ہوا۔

۱۷ مؤلف کو پورا یقین ہے کہ اگر حسین علیہ السلام امام معصوم نہ ہوتے تو ہم ان گمراہ کن خیالات و افکار کے زیر اثر جن کی تبلیغ طرح طرح سے کی گئی اب تک آپ کے عظیم مشن کو نعوذ باللہ خاطر اور غیر شرعی سمجھا کرتے۔

۱۸ المیزان ج ۳ ص ۳۲۱۔ قرآن مجید میں بیان شدہ تفصیلات کے مطابق یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید نہ کیا تھا۔ ان کی شہادت اور اس کو امت مسیح کے گناہوں کا کفارہ سمجھنا عیسائیوں کے فضول قسم کے عقائد میں سے ہے۔

۱۹ مصائب امام عالی مقام پر گریہ باعث ثواب عظیم ہے۔ یہ کار مستحب، وسیلہ نجات اور حب اہل بیت علیہم السلام کی نشانی ہے۔ اس سے انسان میں عدل و انصاف کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن امام کا یہ مشن اور شہادت اس لیے نہیں کہ لوگ جان بوجہ گنہ گنہوں کے مرتکب ہوں اور پھر مصائب پر گریہ کو ان کا کفارہ سمجھ لیں۔



لکھتے ہوئے ان مسائل کو خصوصی تحقیق کا مرکز بنائیں اور امام عالی مقام کے اصل مقصد شہادت کو جو اسلام کے اجتماعی عدل کو مروج کرنا تھا وہ سب پر واضح اور روشن کریں۔ اس کے علاوہ تقیہ کا حقیقی مفہوم، ہلاکت میں حفظ جان اور اس قسم کے دوسرے معاملات کو پیش کیا جائے۔ تاکہ یہ شاندار اور حیرت انگیز معرکہ تمام شکوک و شبہات سے پاک ہو کر لوگوں کو آزادی اور حریت سے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھائے۔

اس کتاب میں مذکورہ مسائل پر جہاں تک ممکن ہو سکا مصنف نے اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق تحقیق و تدقیق کی ہے۔ ظلم و جور کے مقابلے میں اعلیٰ کلمہ حق ہلاکت میں حفظ نفس، تقیہ اور اس سے مشابہ دوسرے امور اس طرح سے پیش کیے گئے ہیں کہ اشتباہ پیدا نہ ہو اور باہم گڈ ٹڈ نہ ہو جائیں۔ امید ہے کہ معرکہ کربلا کے محرکات کی نشاندہی اور متعلقہ مسائل کی وضاحت قارئین کے لیے باعث استفادہ ہوگی۔

## ایسی کتابوں کا سبب تالیف

انسان کو اپنی زندگی میں شخصی آزادی، آزادانہ زندگی گزارنے اور چند حقیقتوں پر ایمان رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر زندگی کو حیات حقیقی نہیں کہا جاسکتا۔ ان حقائق کے ادراک اور ان صفات سے متصف ہونے کے لیے اس مرد جبری کی شخصیت اور مقام بلند سے آگاہی، جس نے شہادت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔ انسان کو حصول آزادی اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کا دلولہ بخشی ہے۔ انسان اس دنیا میں زندگی گزار رہا ہے جس نے صدیوں کی مدت مدید کے بعد بھی رنج و محن، عذاب و مصائب اور افراد و اقوام میں بقا کے لیے کشمکش کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ بے پناہ حرص و لالچ کی بنا پر انسان چاہتا ہے کہ دنیا میں موجود ہر چیز اس کی ملکیت ہو اور تمام انسان اس کے ماتحت ہوں۔ اس دنیا میں وہ گروہ بھی



موجود ہے جو ہوس اقدار و نفسانی خواہشات کا شکار ہے وہ لوگوں کے دستور زندگی پر اپنی مرضی کے مطابق حکم چلاتے ہیں۔ یہاں وہ خادم و کمتر لوگ بھی ہیں جو انسانی شرافت سے بیخبر اپنے آپ کو ذلت و خواری کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں۔ دارالمعن دنیا میں ان مظلوموں کی آپس بھی ہیں جن کی ہڈیوں تک خنجرِ ستم پیوست ہو چکا ہے۔ اور جو زندگی سے بیزار ہو چکے ہیں۔ اپنی عظمت و فضیلت میں فرشتوں سے آگے نکل جانے والا انسان جب دین کی معین کردہ حدود و قیود توڑتا ہوا بد عملی و بد کرداری کو اپنالیتا ہے تو پھر وہ ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔ عالم بشریت کو ایسی ذلت اور دوسری ہزاروں قسم کی بدبختیوں نے غم و الم اور مصائب و مشکلات سے دوچار کر کے دکھتا ہوا جہنم بنا دیا ہے۔

درحقیقت اگر اس تمام تاریکی و تیرگی جو ان فرعونوں، یزیدوں، چنگیزوں اور تیموروں کے ہاتھوں دنیا پر چھا گئی ہے اور جس نے چہرہٴ انسانیت کو سیاہ کر دیا ہے، کے مقابلے میں جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی و حسین و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام جیسے مردانِ حق نہ ہوتے اور اپنے کردار کی خیرہ کرنے والی روشنی سے اس دنیا کو روشن نہ کرتے تو کیا ہمیں حق نہ تھا کہ ہم بھی ملائکہ کے ساتھ مل کر اپنے خدا سے کہتے کہ کیا تو اس کو خلیفہ بناتے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

مردانِ حق کی جاں نثاری، انسان دوستی اور عظمت و جلال ہی انسان کے قلب و نظر کو روشنی اور اس کی انسرہ و بایوس رُوح کو مسرت و انبساط بخشنے والی ہے۔ انہوں نے اپنی مبارک کوششوں سے انسانیت کی آبرو محفوظ کر دی ہے اور انسان کو اس کی ذات کے اصلی جوہر سے جو تمام فضائل کا سرچشمہ ہے آگاہ کیا۔ حقیقت میں عالم انسانیت ان ہی ہستیوں کے وجودِ بابرکت سے خداوندِ عالم کے حضور سرخرو ہے۔

ذرا اس مردِ جبری کا تصور کیجیے جو انگوٹھی میں جڑے ہوئے نگینے کی طرح ہر طرف سے گھیرے میں ہو۔ موت ایک خوفناک اثر ہے کی طرح اُسے اور اس کے ساتھیوں کو نکلنے



کے لیے مُنہ کھولے ہوتے ہو۔ اس کے اہل حرم اور معصوم بچے دنیا کے ظالم و ذلیل ترین انسانوں کی قید میں جانے والے ہوں۔ اس کے خیموں میں پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہ ہو۔ اس کے بے خطا اور معصوم بچوں کے مُنہ سے صدائے العطش اور طلبِ آب کے سوا اور کوئی آواز نہ نکلتی ہو اور وہ ان تمام اذیت ناک اور دل ہلا دینے والے لمحات میں بھی فولادی پہاڑ کی سی استقامت کے ساتھ سورج کی جھلسا دینے والی دُھوپ میں کھڑا ہوا کہہ رہا ہو: خدا کی قسم! میں اپنے ہاتھ کو تم جیسے ذلیل انسان کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔ اے بنی اُمیہ کے منہ بولے بیٹے (ابن زیاد) تو نے مجھے دورا ہے پر کھڑا کر رکھا ہے۔ لیکن میں ہرگز اپنے آپ کو ذلیل نہ ہونے دوں گا۔ وائے ہو اگر میں ذلت و خواری اختیار کروں کیونکہ میری ذلت میں خدا راضی ہے اور نہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ مومنین اور نہ وہ پاک و امن ہستیاں جنہوں نے میری تربیت کی ہے اور نہ ہی صاحبانِ عزت و ضمیر۔

ذلیل لوگوں کی اطاعت پر مردانِ حق شہادت گاہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہی مردانِ حق جنبۂ انسانیت کو آزادی و حریت کا درس دیتے ہیں اور جو کچھ آج تک انسان نے بصورتِ حریتِ پیامِ حق، حقِ حاکمیت میں سے حاصل کیا ہے۔ یہ سب کچھ ان ہی مردانِ حق پرست کی زبردست کوششوں کا ثمرہ ہے۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے کربلا میں صبر و رضا کے جو جوہر دکھائے وہ دنیا کے تمام مردانِ حق کی جاں نثاریوں میں ایک علیحدہ شان رکھتے ہیں اور اپنی آب و تاب سے نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں۔ دنیا کی اس عظیم ترین ہستی امام معصوم علیہ السلام نے اپنے اور اپنے ستر سے زائد صاحبانِ ایمان اور پاک طینت ساتھیوں کے خون سے آزادی حریت، انسانیت کی دستاویز

۱۔ ارشاد مفید ص ۲۱۸۔

۲۔ لہوف ص ۵۷، روز عاشورا امام حسین علیہ السلام نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ”انوف حمیہ“ جو اس خطبہ امام میں استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ ”صاحبانِ عزت“ کیا ہے جس طرح لغتوں میں ”حمی انفا می عزز غم انفا می دل“ (المنجد) ہے۔ ظاہر ہے اس سے مراد خود بینی نہیں۔



برہر تصدیق مثبت کی ہے۔ اور معرکہ کربلا کو عالم انسانیت کے سامنے ایک ہمیشہ باقی رہنے والے درس کی صورت میں پیش کیا ہے۔

اس پاکیزہ و مقدس خون کی سُرخِ شام کو پھیلی ہوئی شفق کی سُرخِ کی طرح دُنیا میں ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس عظیم الشان معرکہ نے ہمیشہ دُنیا کے مردانِ حُرّ اور قلبِ منور رکھنے والوں کو کامیابی کا راستہ دکھایا ہے۔ یہ انسانوں کو ایتھار و قربانی اور جاں نثاری کا درس دیتا رہے گا اور یوں آسمان کے گبنڈ نیگیوں کے نیچے اپنی جاودانی شوکت و عظمت کا تحفظ کرے گا۔

رضانیہ  
سید علی اکبر قرشی



۲۰۰۴



## ماضی پر ایک نظر

امام حسین علیہ السلام کا یہ تاریخی مشن اور اس وقت کے اقتصادی و سیاسی نظاموں کی مخالفت ایسا امر نہ تھا جو فوری طور پر وقوع پذیر ہوا ہو اور جس کے اسباب کو ماضی میں تلاش نہ کیا جاسکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ماضی میں ایسے واقعات کافی عرصہ پہلے رونما ہو چکے تھے۔ جو اس معرکہ عظیم کے لیے زمین ہموار کر چکے تھے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ روز عاشورہ حق و باطل کے درمیان ہونے والے اس معرکے سے چالیس سال پیشتر بلکہ اس سے بھی قبل کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے۔ اس کے بعد ہی ہم دور نیرید کی نا انصافیوں کو سمجھ سکیں گے۔ اور اس طرح ہی اس مقدس مشن کی اصل حقیقت واضح ہو سکے گی۔ ذیل میں ماضی کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

## طبقاتی کشمکش کا آغاز

جرجی زیدان لکھتا ہے: حضور نبی اکرم کے زمانے میں مسلمانوں کے لیے وظائف مقرر ہوتے تھے۔ بلکہ ہر شخص کو اس مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا، جو مسلمانوں کو فتوحات سے حاصل ہوتا تھا۔ اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے رکھ لیتے۔

۱۔ معرکہ کربلا کے اسباب واقعہ سقیفہ اور خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برسراقتدار آنے میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔



بقیہ تمام کا نام صحابہ میں بلا لحاظ نسب و خدمات دینی مساوی طور پر تقسیم فرمادیتے تھے خلیفہ  
 اول کے زمانے میں بھی یہی طریق کار جاری رہا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور  
 حکومت میں اس مقصد کے لیے ایک علیحدہ حکمہ تشکیل دیا اور سابقہ مراعات اور حضور اکرم  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت کو وجہ امتیاز بنا کر ہر مسلمان کے لیے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔  
 حضرت عمر کے زمانے میں سپاہیوں، ملازموں اور دوسرے وظیفہ خواروں کے لیے جو رقم بطور  
 وظیفہ مقرر کی گئی اس کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱۲۰۰۰ درہم سالانہ

(۱) رسول اکرم کے چچا عباس رضی بن عبدالمطلب

(۲) ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ بنت

حضرت ابوبکر، حضرت حفصہ بنت حضرت عمر اور

حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان

۱۲۰۰۰ درہم فی کس سالانہ

(۳) دیگر ازواج مطہرات

۶۰۰۰ درہم فی کس سالانہ

(۴) معاویہ، ابوسفیان اور اہل مکہ میں سے معروف لوگ

(۵) ہاجرین میں سے جنگ بدر میں شرکت کرنیوالے

(۶) انصاریں میں سے جنگ بدر میں شرکت کرنیوالے

(۷) حکام میں سے ہر ایک چھ سو درہم ماہانہ اور سالانہ

(۸) قاضی اور ان کی جائیدادوں پر متعین اہل کار

(۹) اہالیان مکہ میں سے ہجرت نہ کرنیوالوں کو

(۱۰) اہل یمن میں سے

۱۔ تکریم اسلام از جرجی زیدان، ج ۱، ص ۱۶۰ ترجمہ جواہر کلام ۲۔ کامل ابن اثیر - ج ۲، ص ۵۱

۳۔ تاریخ یعقوبی - ج ۱۲، ص ۱۰۶ طبع بیروت ۴۔ تاریخ جرجی زیدان - ج ۲، ص ۱۶۸

۵۔ تاریخ جرجی زیدان - ج ۱، ص ۶







امیہ قابل ذکر ہیں۔

خلیفہ کے دولت سیٹھنے پر لوگوں کا اعتراض اور خلیفہ کا اپنی دولت جمع کرنے پر اصرار ایسی چیزیں تھیں جن سے نہ صرف معاشرے سے عدل و مساوات کا تصور ختم ہوا۔ بلکہ نتیجتاً معاشرے میں طبقاتی کشمکش کو بھی فروغ ہوا۔

اس زمانے میں مسلمان اپنی جمع شدہ پونجی اور وظائف میں ملنے والی بھاری رقم سے غلام خرید لیتے تھے۔ ان میں سے دو چار کو اپنی خدمت کے لیے رکھ لیتے تھے اور باقی غلاموں کو مختلف کاموں پر لگا دیتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک سے معین رقم روزانہ یا ماہوار وصول کرتے تھے۔ اس حالت میں یہ محنت کش غلام مجبور تھے کہ سخت محنت سے اپنے لیے بھی قوت لایوت ہیا کریں اور ان حکام کو مقررہ رقم بھی بہم پہنچائیں۔ حسب ذیل مکالمہ جو فیروز ایرانی اور خلیفہ ثانی کے درمیان ہوا۔ اس صورت حال کا مظہر ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر بازار سے گزر رہے تھے۔ فیروز ایرانی جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔

حاضر ہوا اور کہا:

”اے امیر المومنین! مغیرہ بن شعبہ کی زیادتی و ظلم کے خلاف انصاف چاہتا ہوں۔ وہ

مجھ سے روزانہ ایک بڑی رقم وصول کرتا ہے۔“

”تم کتنی رقم ادا کرنے کے پابند ہو؟“

”روزانہ دو درہم۔“

”تم کن فنون سے واقف ہو؟“

”لقاشی، لوسہ اور کبڑی کا کام۔“

جو فنون تم جانتے ہو ان کے مقابلے میں تو تم سے دو درہم کی رقم وصول کرنا زیادتی نہیں

۱۔ تاریخ یعقوبی، جلد دوم، صفحہ ۱۱۱۔ مذکورہ بالا اصحاب کوفہ، مصر، بحرین، عیسان، مکہ اور یمن کے حاکم تھے۔ حضرت عمر نے ان میں سے ہر ایک نصف جائیداد ضبط کر لی تھی۔

۲۔ تاریخ جرجی زیدان۔ ج ۲، ص ۱۱



میں نے سنا ہے کہ تم نے ایسی چکی بنانے کا دعویٰ کیا ہے جو ہوا سے چل سکتی ہے۔“

”جی ہاں، میں بنا سکتا ہوں۔“

”میرے لیے ایسی چکی بنا دو۔“

”اگر زندہ رہا تو ضرور آپ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا جو مشرق و مغرب میں زبان زدِ خدا

حاکم ہو۔“

واپسی پر حضرت عمرؓ نے اپنے ہمراہی سے کہا کہ اس غلام نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔

حضرت عمرؓ جیسے سخت گیر و تند مزاج حاکم کو وہی گئی بیکھم کھلا دھمکی ظاہر کرتی ہے کہ محنت

کش طبقے کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنے مصائب کا ذمہ دار خلیفہ کو قرار دے کر

اس پر غضب ناک تھے۔

صاحب جنایات تاریخ رقم طراز ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب اس اقتصادی نظام کو

استوار کیا اس وقت غالباً یہ حقیقت ان کے پیش نظر نہیں رہی کہ وہ محنت کش طبقے پر عیش

کوش اور آرام طلب طبقے کو مسلط کر رہے ہیں۔

وہ غالباً نہیں جانتے تھے کہ ان کے اس اقتصادی ڈھانچے کے نتیجے میں معاشرے

میں موجودہ معاشی مساوات ختم ہو کر رہ جائے گی۔ ان کا قول تھا کہ جن لوگوں نے زمانہ کفر

میں حضورؐ سے جنگ کی اور ان کے مقابل آئے وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو

حضورؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہو کر کفر سے معرکہ آرا ہوئے۔ یہ نکتہ ان کی نگاہ سے

پوشیدہ رہا کہ اگر وہ ابتدا میں اسلام لانے والوں کو نو مسلموں پر ترجیح اور امر و حکام کو

عوام کے مقابلے میں زیادہ مراعات دیں گے تو حاکم و محکوم اور مالک و مزدور کے درمیان

۱۔ کامل ابن اثیر ج ۲، ص ۲۶۔ مروج الذهب ج ۱، ص ۲۲۶۔ حیاة الجوان ج ۱، ص ۵۱۔ حیاة الجوان میں فیروز سے وصول کرنے کی متعینہ رقم چار درہم درج ہے۔ تاریخ الخلفاء

سیوطی، صفحہ ۱۳۲۔ مصنف نے کامل ابن اثیر سے عبارت کا ترجمہ کیا ہے۔



نفرت و عداوت کی وسیع خلیج حائل ہو جائے گی۔ مسعودی نے "مروج الذهب" میں دور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مسلمانانِ اول کے مال و دولت کی حیرت انگیز تفصیل لکھی ہے۔ جبکہ نو مسلم اور محنت کش اپنی روزانہ ضروریات بھی بہ مشکل پوری کرتے تھے۔

کیا خلافت کے لیے یہ بہتر نہ تھا کہ قرآن حکیم کی روشنی میں برتری کا معیار تقوا ہی اور کوشش و جدوجہد کو قرار دیا جاتا اور خود مراتب متعین کرنے کی بجائے سب کو قانون کی نگاہ میں یکساں قرار دیتی۔

بالآخر طبقاتی اختلافات کے بدترین نتائج ناقابلِ یقین حد تک تکلیف دہ صورت میں ظاہر ہوئے چنانچہ یہ واقعہ اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے موسم سرما کی سرد ترین رات میں ایک عورت کو دیکھا جس کے بچے اس کے گرد جھوک سے رو رہے تھے اور اس نے چولہے پر پتیلی میں پانی ڈال کر رکھا ہوا تھا تاکہ بچوں کو یہ تسلی رہے کہ کھانا پک رہا ہے۔ حضرت عمر کو اس صورت حال سے بہت دکھ ہوا، اور گودام سے اس عورت کے لیے آٹا بھجوا دیا۔

ڈاکٹر علی الوردی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ مورخین نے اس واقعہ کو اگرچہ حضرت عمر کی رعایا پر شفقت و مہربانی کا اظہار کرنے کے لیے لکھا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس واقعہ کو اس زمانے میں غربا کی حالتِ زار بیان کرنے کے لیے پیش کیا جائے۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بیوگان، یتامی اور غربا کس حد تک محتاج و پریشان حال تھے۔

حضرت عمر کو اواخر حیات میں اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ چنانچہ اپنے ایک پیغام میں انھوں نے اس امر کی نشاندہی اس طرح کی ہے کہ میرا مقصد ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے اور مقدم سمجھنے سے تالیفِ قلوب کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو تمام



لوگوں کے درمیان مساوات قائم کر دیں گے۔ اور سب امتیازات مٹا کر سُرخ و سفید اور عرب و عجم کی تفریق ختم کر دیں گے۔ اور حضرت ختمی مرتبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور حضرت ابو بکر کا اتباع کرتے ہوئے سب کو ایک نظر سے دیکھوں گے۔ لیکن افسوس کہ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اس وقت خلیفہ کا اصلاحی پروگرام غیر موثر تھا۔ بالآخر ضروریات زندگی سے محروم طبقے کے غیض و غضب اور خنجر انتقام نے خلیفہ کا پیٹ چاک کر دیا۔ اور اصلاح احوال کا پروگرام ہمیشہ کے لیے عملی جامہ پہننے سے محروم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فیروز ایرانی کے خنجر سے جاں بحق ہوئے جو محنت کش اور لوازم حیات سے محروم طبقے کا نمائندہ تھا۔ پھر اس نے وہی خنجر اپنے سینے میں پیوست کر لیا۔ تاکہ وہ بعد میں پیشانی نوالے تکلیف دہ حالات سے چھٹکارا پالے۔

”زندگانی امیر المؤمنین“ کے مصنف عبدالوہاب عبدالقصد کا کہنا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ اس آتش پرست کے خنجر سے جاں بہ حق نہ بھی ہوتے تو اور بہت سے لوگوں کا نشانہ انتقام بن جاتے۔ کیونکہ فیروز ایرانی جس طبقے کا نمائندہ تھا وہ حضرت عمرؓ کی ذاتی سادہ زندگی کو نہ دیکھتے تھے۔ بلکہ ان کا معاملہ آقا و غلام کا تھا۔ وہ دیکھتے تھے کہ وہ جس قدر بھی محنت و جاں فشانی سے کام کرتے ہیں حاکم یا حکومت وقت اس کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ اور نہ ہی ان کی ناگفتہ بہ حالت کی اصلاح کے لیے کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے۔

دوسری طرف نسلی امتیازات کا بدترین رواج جو اسلام کے ظہور سے ختم ہو گیا تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ طور پر پھر زندہ ہو گیا۔ قرآن مجید نے ”ان اکرمکم عند اللہ اتقکم“ کے حکم صریح سے جہالت کے غرور اور فضول قسم کے امتیازات کو ختم کر دیا تھا۔ اور فضیلت و برتری کی کسوٹی تقویٰ و پرہیزگاری کو قرار دیا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ تمام



مسلمان بھائی بھائی ہیں اور کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں فرماتے ہیں: "اے قریش! تمام انسان اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ پھر حجۃ الوداع کے موقع پر خطبے میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا خدا ایک ہے تم اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے خلق ہوئے۔ تم میں سے خدا کا مقرب وہ ہو سکتا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ عربی کو عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ اگر کوئی معزز و برتر ہے تو محض پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔"

حضور کے ان تمام ارشادات کے باوجود بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں نسل پرستی کے رجحانات دوبارہ فروغ پا گئے۔ عیسائی مورخ جرجی زیدان کا عقیدہ ہے کہ اُمت مسلمہ میں نسلی امتیازات کی بنیاد رکھنے والے حضرت عمر تھے۔ خلیفہ ثانی کا قول تھا کہ بدترین فعل یہ ہے کہ عرب عربوں کو قیدی بنائیں جبکہ خداوند عالم نے ہمیں ایران کی وسیع و عریض سرزمین لوگوں کو قیدی بنانے کے لیے دے رکھی ہے۔

حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ اولاد کو ان کے بزرگوں کے نسب سے باخبر رکھو۔ تاکہ یہ نبطیوں کی طرح نہ ہو جائیں کہ اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ تم کس کی اولاد ہو؟ تو جواب یہ دے دو کہ میں فلاں علاقے کا رہنے والا ہوں۔

خلیفہ کا فیصلہ تھا کہ عجمی ماؤں کی اولاد اپنے عرب اجداد کی جائیداد کی وارث صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ وہ سرزمین عرب میں پیدا ہو۔ اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے امام مالک نے یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔ یہ فتویٰ اہل انگلستان کے اس عقیدے سے

۱۰ تاریخ جرجی زیدان جلد چہارم صفحہ ۳۲-۳۵ ترجمہ جواہر کلام

۱۱ تاریخ جرجی زیدان جلد چہارم، صفحہ ۳۲-۳۵

۱۲ تاریخ جرجی زیدان جلد چہارم، صفحہ ۳۲-۳۵

۱۳ موطا مالک فرائض باب میراث اللیل، جلد اول، صفحہ ۴۶۶-۱ اس سلسلے میں مزید تفصیل کے

لیے النص والاجتہاد تالیف شرف الدین صفحہ ۱۶۰-۱۶۱ دیکھیے۔



مناجبتا ہے کہ جو شخص انگلستان میں پیدا نہ ہوا ہو وہ دوسروں کی طرح صحیح معنوں میں انگریز نہیں بن سکتا اس لیے انگریز عورت کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ وضع حمل کے موقع پر انگلستان میں موجود ہوتا کہ نو مولود میں ملی تھا نہ پیدا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایرانیوں کو مدینہ میں مقیم رہنے کی اجازت نہ تھی۔ فیروز ایرانی کو مدینہ میں رہنے کی خصوصی اجازت اس کے مالک مغیرہ بن شعبہ کی درخواست پر دی گئی تھی۔

مقام حیرت ہے کہ قرآن مجید کے صاف و واضح احکام اور حضور ختمی مرتبتؐ کے قطعی ارشادات کے باوجود حضورؐ کی رحلت کے صرف دس سال بعد ہی عربوں کے مفادات کی خاطر نسلی تفاخر کو رواج دیا گیا۔ اگرچہ خلیفہ اپنے آپ کو اسلامی احکام کے اجرا کا پابند سمجھتے تھے۔ لیکن عرب و غیر عرب کا یہ فرق جو غیر اسلامی تھا، اس حد تک مقبول ہوا کہ عرب غیر عرب کی اقتدا میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھنے لگے۔

نافع بن جبیر شافعی جو مشہور تابعین میں سے تھا جب بھی کوئی جنازہ دیکھتا تو پوچھتا کہ مرے والا کون تھا؟

اگر مرحوم قریش میں سے ہوتا تو کہتا افسوس میری قوم کا ایک فرد کم ہو گیا۔ اور عرب ہوتا تو کہتا افسوس میرا ہم وطن فوت ہو گیا لیکن اگر غیر عرب ہوتا تو کہتا کہ خدا کا مال ہے۔ چاہے تو لے جائے، چاہے رہنے دے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر عرب کسی غیر عرب کو اس کے علم و فضل اور سن و سال کی وجہ سے محترم سمجھتے تو اس کو کھانے پر مدعو کرتے، لیکن اس کو سربراہ بٹھاتے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہاں عرب نہیں۔ یہ سب اسی درخت کا ثمرہ تھا جو خلیفہ کے ہاتھوں پر دان چڑھا تھا۔ اگر خلیفہ احکام قرآنی کے مطابق تقویٰ و فضیلت کو ہی برتری کا معیار قرار دیتے تو عالم اسلام



کو ان تمام بنیسیبیوں سے سابقہ نہ پڑتا۔ اگر خلیفہ حضورِ نعتی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے اور نسل پرستی کی رسم قہج نہ ڈالتے تو کیا اس میں دین اسلام اور پیروان اسلام کی فلاح مضمّن نہ تھی؟

یہاں پر حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی نظر میں اسلامی مساوات کی قدر و قیمت واضح کی جائے تو قارئین اندازہ کر سکیں گے کہ مولائے کائنات احکام اسلامی کے احترام اور ان کے تحفظ کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ مشہور عرب مصنف طہ حسین لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو عورتیں حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے پاس آئیں اور اپنی حالتِ زار بیان کرنے کے بعد آپ سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے ان کے لیے بازار سے لباس اور خوراک منگوائی۔ جب آپ تقسیم فرمانے لگے تو ایک عورت نے دوسری کے مقابلے میں زیادہ حصہ کا مطالبہ کیا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ عرب ہے اور دوسری موالیہ۔

مولائے مومنین علیؑ علیہ السلام نے مٹھی بھر خاک اٹھائی۔ اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر کہا جس حد تک مجھے علم ہے خدا نے کسی کو کسی پر فضیلت و برتری نہیں دی۔ مگر اس کی پرہیزگاری اور تقویٰ کے اعتبار سے۔ قارئین خود ہی ان بزرگوں کے اس فرق کو دیکھ سکیں گے۔

”بہیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا“

## خلیفہ کا معاویہ کے ساتھ خصوصی نرم رویہ

خلیفہ کی اس حکمتِ عملی سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی جو انہوں نے حاکم شام معاویہ کے معاملہ میں اختیار کی۔ انہوں نے شام کی وسیع سلطنت میں اسے ایک آزاد اور مطلق العنان

۱۵ موالی اس غلام اور کنیز کو کہتے تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونے کے بعد اسلام لائے ہوں۔  
 ۱۶ بنی امیہ غیر عرب مسلمانوں کو موالی کہتے تھے۔ تاریخ جرجی زیدان۔ جلد ۴، صفحہ ۵۸۔  
 ۱۷ علی و دو فرزندش، ص ۱۶۰ مترجمہ احمد آرام۔



حاکم کی طرح پینے دیا۔ اور وہ جس استبدادی اور موروثی سلطنت کی بنیادیں استوار کر رہا تھا اس کو مستحکم ہونے کا موقع دیا۔ حاکم شام کے ساتھ خلیفہ ثانی کا حسن سلوک اور خصوصی نرم رویہ حیرت انگیز اس رہے۔ تاریخ کا بہ نظر غور مطالعہ کر نیوالے اور اس کا محققانہ جائزہ لینے والے کھمانے یہ حقیقت ایک مجسم سوال بن کر ابھرتی ہے کہ خلیفہ جو اپنے عمال اور حاکموں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت برتنے اور چشم پوشی کرنے کے روادار نہ ہوں۔ انھوں نے کس سبب سے معاویہ کے ساتھ یہ خصوصی مراعات روادار رکھیں اور اس کی ہوس اقتدار سے دانستہ چشم پوشی کی۔

حضرت عمر نے ابوہریرہ جیسے ضعیف و کمزور شخص کی پشت تازیانوں سے لہولہاں کر دی اور اس نے ناجائز طریقے سے جو دولت جمع کی تھی اسے بیت المال میں جمع کر دیا پھر یہ کہہ کر اس کی انتہائی تذلیل کی کہ تیری ماں ایمہ نے تجھے گدھے چرانے کے لیے جنم دیا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت عمر نے اپنے بہت سے عمال کا مال و دولت ضبط کر لیا تھا اور سب کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی سخت تھا۔ خالد بن ولید جو خلیفہ اول سے شمشیر خدا کا لقب پاچکا تھا۔ اس کو لشکر کی سپہ سالاری سے معزول کر دیا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ خلیفہ نے سفر حج میں سولہ دینار صرف کیے اور واپسی پر اپنے بیٹے سے کہا ہم نے اسراف کیا اپنے بیٹے عبد اللہ کو شراب نوشی پر سخت سزا دی اور اتنے کوڑے لگائے کہ وہ تکلیف سے چیخ اٹھا۔

عمر بن عاص خلیفہ کا ایک مطیع و فرمانبردار عامل تھا۔ وہ خلیفہ کے احکام کے نفوذ میں معمولی تاخیر بھی روانہ رکھتا تھا۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کی طرف سے جب محمد بن مسلمہ انصاری مصر گیا تو اس نے اپنے تیار شدہ کھانے کو چھوٹا تک نہیں اور عمر کی

۱۵ اگرچہ چند دوسرے مطیع و فرمانبردار حکام سے بھی چشم پوشی اختیار کی گئی۔ جیسا کہ محققین جانتے ہیں۔  
منیر بن شعبہ سے ام جہیل کے ساتھ زنا پر کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

۱۶ عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۱۴۔ اصل عربی عبارت یوں ہے: وما ن جعلتک الامیۃ الالرعیۃ المسیۃ۔ تہ مروج الذهب جلد اول ص ۴۳۴۔ تہ نقش و خاطر اسلام، ص ۱۶۳



کی نصف دولت لے کر مدینہ آ گیا۔

عمر بن عاص کے بیٹے نے ایک مصری کے ساتھ گھوڑے دوڑ میں شرط لگائی اور ہار گیا۔  
مصری نے رقم کا مطالبہ کیا۔ لیکن عمرو کے بیٹے نے جسے اس گستاخی کی امید نہ تھی غیض و  
غضب کے عالم میں اس کے سر پر کوڑا مارا۔ اور کہا دو حاکموں کے بیٹے سے اب شرط  
کی رقم لے لے۔ مظلوم مصری نے اپنے چند ہم وطنوں کو ساتھ لیا یہ وہ لوگ تھے جو  
اس حقیقت کو جانتے تھے کہ اگر امراء حکام اور ان کے بیٹوں کے مظالم کے خلاف آواز  
بلند نہ کی گئی تو یہ رسم چل نکلے گی۔ اور ان کے مظالم کی کوئی حد نہ رہے گی۔ عوام حکام  
کی زیادتیوں کو جتنا برداشت کریں گے ان کا دائرہ اور وسیع ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ  
گئے اور خلیفہ کے سامنے شکایت کی۔ حضرت عمر نے عمرو اور اس کے بیٹے کو فوراً طلب کیا۔  
اور جس شخص کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر کہا کہ اس سے  
قصاص لو۔ وہ شخص تذبذب کے عالم میں تازیانہ دیکھتا تھا اور حضرت عمر کہتے تھے دو  
حاکموں کے بیٹے کو مارو۔ اس کے بعد اس شخص سے کہا عمرو بن عاص کی حمایت اور شہ  
سے اس کے بیٹے کو تمہیں کوڑے مارنے کی جرأت ہوتی لہذا اس کو بھی سزا ملنی چاہیے۔  
تعجب انگیز امر ہے کہ خلیفہ نے اس قدر تند خو اور سخت گیر ہونے کے باوجود بھی  
معاویہ کی بدعتوں اور غلط قسم کے کاموں کو کیسے برداشت کیا۔ اپنی عادت بر خلاف  
کسی قسم کی کارروائی نہ کرنا پڑھنے والے کو درطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ اس پر مستزاد  
یہ کہ معاویہ کے اعمال زشت بھی ان کی نظر سے پوشیدہ نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ امیر  
معاویہ آہستہ آہستہ خلافت کو بلوکیت سے بدل رہا ہے۔ وہ خود معاویہ کو عرب کا کسری  
کہا کرتے تھے۔ اس کے شاہانہ یا بلوکانہ انداز دیکھنے کے باوجود بھی حضرت عمر نے چشم پرشی

۱ شرح ابن ابی الحدید جلد اول، صفحہ ۵۵، طبع بیروت۔ ۲ ملاحظہ ہو مردنا متناہی صفحہ ۳۳، جو  
ہم عصر عالم حسن صدر کی تالیف ہے۔ ۳ الاصابہ جلد ششم صفحہ ۱۱۳، احوال معاویہ (شرح ابن  
ابی الحدید، جلد اول، صفحہ ۹۱)۔



کی۔ حالانکہ اس کو حکومت شام سے علیحدہ کرنا اور اس کی جگہ کسی اور مناسب شخص کا تعین ان کے لیے بہت زیادہ آسان تھا۔

”وعاظ السلاطین“ میں ڈاکٹر رومی عراقی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ شام گئے تو انہوں نے دیکھا کہ معاویہ نے رومی اور ایرانی شہنشاہوں کی طرح دربار آراستہ کر رکھا ہے اور محافظوں و درباریوں کی جلو میں شاہانہ انداز میں رہتا ہے۔ اسلام کے پاکیزہ نظام حکومت کو آہستہ آہستہ نیست و نابود کر رہا ہے تو وہ غضب ناک ہوئے اور کہا اے معاویہ! تو شاہانہ انداز میں رہتا ہے۔ معاویہ نے فوراً توجیہ پیش کی۔ دراصل میں اس سرزمین میں رہتا ہوں جو دشمن کی سلطنت سے قریب تر ہے۔ مجھے مجبوراً وہی انداز اختیار کرنا پڑتا ہے جو ان کے ہیں اور تزک و امتشام میں اپنا رویہ ان کے برابر رکھنا ہوتا ہے۔<sup>۱۵</sup>

ڈاکٹر صاحب موصوف اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ معاویہ کے جواب سے مطمئن ہو گئے۔ اگرچہ وہ یقیناً اس کے نتائج محسوس کر رہے تھے لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔<sup>۱۶</sup>

Note please

(کہتے ہیں ایک دفعہ امیر معاویہ کا باپ ابوسفیان اپنے بیٹے سے ملنے شام گیا۔ واپسی پر حضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے ابوسفیان! میرا حصہ بھی تو دو۔ اس نے کہا مجھے تو خود کچھ نہیں ملا، تمہیں کہاں سے دوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے زبردستی اس کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر خادم کو دی کہ بناؤ اس کی بیوی ہندہ سے وہ تھیلے آؤ جو وہ شام سے لایا ہے۔ خادم گیا اور جلد ہی وہ تھیلے آیا جس میں دس ہزار درہم تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ تمام رقم بیت المال میں شامل کر دی۔<sup>۱۷</sup>)

حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ معاویہ نے یہ تمام رقم بیت المال سے اپنے باپ کو دی ہے۔



لیکن اس کھلی ہوئی خیانت سے انہوں نے چشم پوشی کی اور معاویہ سے جواب طلبی نہیں کی۔

تمام تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور معاویہ کے ساتھ خلیفہ کے رویہ کا جائزہ لیا جائے تو ایک

واقعہ بھی نہ مل سکے گا جس سے ظاہر ہو کہ حضرت عمرؓ نے کسی غلط کاری پر معاویہ سے باز پرس کی

ہو اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے جو کچھ وہ سیاہ و سفید کرتا رہا۔ اس کو اس سے باز رکھا

سب سے حیرت انگیز واقعہ وہ ہے جو ابن حجر نے الاجابہ میں اور ابن ابی الحدید نے شرح

نبی البلاغہ میں درج کیا ہے کہ وقت نزع جب حضرت عمرؓ شدت تالیف سے تڑپ رہے تھے تو

حاضرین سے کہا "میرے بعد باہم جھگڑا نہ کرنا اور تفرقہ بازی سے پرہیز کرنا ورنہ جان رکھو کہ معاویہ

نے شام میں اتنی طاقت حاصل کر لی ہے کہ وہ حکومت تم سے چھین سکتا ہے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ معاویہ کے اصل مقصد کو جانتے تھے۔ ان تمام واقعات

کے مطالعہ سے چند باتیں مجسم سوال بن کر ذہن میں ابھرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ خلیفہ کا اس شخص کو بغیر

کسی گرفت اور جواب طلبی کے پینے کا موقع دینے کا کیا مقصد تھا؟ معاویہ کو آزاد اور مطلق

العنان حکومت قائم کرنے کی اجازت دینا کیا اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید تھا؟ وقت آخر

خلیفہ نے جو پیش گوئی کی کہ جھگڑے کی صورت میں معاویہ مرکزی حکومت بھی حاصل کر لے گا۔ کیا صرف

لوگوں کو باہمی نفاق اور تفرقے سے باز رکھنے کے لیے تھی یا حقیقت پر مبنی تھی؟ معاویہ کو

فتح شام کے بعد ابتدا ہی سے ایک مضبوط شاہانہ حکومت استوار کرنے کا جو موقع دیا گیا کیا اس

کا مقصد بنی ہاشم کے مقابلے میں بنو امیہ کو مضبوط بنانا نہ تھا؟ تاکہ ان کے متوقع تصادم میں بنو

ہاشم کو سخت نقصان پہنچے۔ ممکن ہے یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہو کہ جناب علی ابن ابی طالب

علیہ السلام کو ہر طرح سے اقتدار سے محروم رکھا جائے۔ ان تمام حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے

یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ حاکم شام کے ساتھ ان تمام رعایات اور نرم رویے میں کونسی

مصلحت پوشیدہ تھی۔ دمشق میں فتنہ و فساد کے اس مرکز کی ترویج سے حق تعالیٰ کی رضا جوئی



مقصود تھی یا اسلام اور مسلمانوں کی فلاح منظور تھی۔ حالانکہ یہی حکومت اسلامی نظام سلطنت اور نظام معیشت کی تباہی اور خاتمہ کا باعث بنی۔

## عبدالرحمن اور حق تنسیخ

حضرت عمرؓ نے زخمی ہو کر اپنی زندگی سے مایوس ہونے کے بعد چھ ارکان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ اس طرح تشکیل دی کہ حضرت علیؓ کے برسر اقتدار آنے کی کوئی امید نہ رہی۔ پھر قریش کے معروف سرمایہ دار عبدالرحمن بن عوف کو حق تنسیخ دے کر عثمان بن عفان اور بنو امیہ کے لیے خلافت کو اور یقینی بنا دیا۔ عصر حاضر کے مفکر حسن صدر اپنی کتاب "مردِ ناقص" میں لکھتے ہیں کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عمرؓ بھی جناب علیؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیتے اور مجلس شوریٰ کو اس انداز سے تشکیل نہ دیتے کہ حضرت علیؓ کے مسند خلافت پر آنے کی تمام راہیں مسدود ہو جاتیں تو کیا قیامت آجاتی بلکہ اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ بنی امیہ میں سے معاویہ سے لے کر مروان تک کسی کو سرکشی اور بغاوت کی جرأت نہ ہوتی۔ اور ملت اسلامیہ پر بیت المال کے ناجائز استعمال، نسلی امتیازات، آداب و رسومِ جمالت کی ترویج اور ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے جو تباہی آئی، اس سے مصون ہو جاتی۔ امام کی زبردست ذہنی، جسمانی اور اخلاقی صلاحیتیں، ان کی بے پناہ جرأت و بہادری اٹھارہ سال تک دوستوں کے باہمی نفاق کی نظر ہو گئی۔ اگر ان کے دور خلافت میں خوارج کا فتنہ سر نہ اٹھاتا، تو آئندہ ایک طویل مدت تک بلکہ روزِ محشر تک اسلام کے انسانیت کے اصولوں کو جو دنیا کی تمام اقوام و دینوں کے لیے بہ صورتِ جمہوریت اور اسلامی سوشلزم قابل

۱۷ مجلس شوریٰ کے چھ ارکان میں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے علاوہ زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص،

عبدالرحمن بن عوف اور عثمان بن عفان بھی شامل تھے



قبول ہوتے، رائج ہونے کا موقع ملتا۔ اور انسانیت اس دور میں بھی اور اپنے مستقبل میں بھی ایک تابناک اور امید افزا نظام حیات سے متعارف ہوتی ہے۔

افسوس کہ حضرت عمر نے ایسا نہ کیا اور عبدالرحمن بن عوف کو جسے وہ قریش کے مالدار ترین آدمی کی حیثیت سے اچھی طرح جانتے تھے، حق تنسیخ دیا۔ ابن قطیبہ اُسے فرعونِ امت کہا کرتا تھا۔ حضرت عمر یہ بھی جانتے تھے کہ عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن عفان کا ہمزلف ہے اور وہ یقیناً انہی کی حمایت کرے گا۔ اگرچہ حضرت عمر مدینہ کے اُمرا اور سرمایہ داروں کے عوام پر مظالم سے بخوبی واقف تھے۔ پھر بھی انہوں نے ایک سرمایہ دار عبدالرحمن بن عوف کو حق تنسیخ دیتے ہوئے کہا۔ اُمیدواروں میں سے جو کوئی بھی اکثریت کی رائے سے اختلاف کرے۔ اسے بلا جھجک قتل کر دیا جائے۔ اگر ارکان کی نصف تعداد ایک امیدوار کے حق میں ووٹ دینے اور نصف دوسرے کے حق میں تو میرے بیٹے عبداللہ کو انتخاب کا حق حاصل ہے۔

اگر عبداللہ اس کا فیصلہ نہ کر سکے تو خلیفہ وہ ہو سکے گا جسے عبدالرحمن بن عوف کی حمایت حاصل ہو۔ حضرت عمر نے کہا کہ امام حسن علیہ السلام اور عبداللہ بن عباس اعزازاً مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوں گے۔ لیکن وہ خلافت کے لیے امیدوار نہ ہو سکیں گے۔ میرا بیٹا مشیر کی حیثیت سے اجلاس میں شریک ہو گا۔ لیکن ارکان اس کی خلافت کے لیے ووٹ نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر بھی اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ اس کے علاوہ آل خطاب میں سے ایک شخص کا ہی مسند خلافت پر فائز ہونا کافی ہے۔

حضرت علیؑ کے مسند خلافت پر فائز ہونے کے تمام امکانات اس طرح معدوم کر دیے گئے کہ پہاڑ کا جگہ سے ہل جانا ممکن ہو سکتا تھا، لیکن حضرت علیؑ کا برس خلافت آنا ممکن نہ تھا۔

۱۔ مردنا بتنا ہی۔ صفحہ ۱۲۲۔

۲۔ الامامہ والسیاستہ جلد ۱ صفحہ ۲۲

۳۔ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۳۵، تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ مصدر دوم میں مشورت عبداللہ نقل ہوا ہے۔



کیا عبدالرحمن بن عوف کے حق تنسیح، مجلس شوریٰ میں عبداللہ بن عمر کی بہ حیثیت مشیر شرکت اور سعد بن ابی وقاص کے مولائے متقیان کے ساتھ بغض و عداوت کے بعد بھی آپ کی کامیابی کی کوئی امید باقی رہ سکتی تھی؟ یہی وجہ ہے کہ مولائے کائنات نے مجلس شوریٰ کے قیام اور اس کی شرائط سننے کے بعد اپنے چچا عباس سے کہا کہ ہمارا کام نہ بن سکے گا۔ عبداللہ بن عباس نے آہستہ سے کہا کہ عثمان خلیفہ بن جائے گا۔

المختصر یہ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان کے مسندِ خلافت پر فائز ہونے کی راہ ہموار کرنے کے لیے عبدالرحمن بن عوف (فرعونِ امت) کو حق تنسیح دیا، دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلامی معاشرے میں طبقاتی کشمکش کو جنم دیا، معاویہ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا اور اس کی بدعتوں سے چشم پوشی کی، کسی بدعنوانی پر اس سے باز پرس نہ کی اور اس طرح اسلامی معاشرے کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا اور آخر میں دنیا سے اسلام کو بنی امیہ کے قبضہٴ اقتدار میں دیدیا۔

یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ کہ اگرچہ ایک شخص کی بددیانتی اس کی ذات تک ہی محدود ہوتی ہے۔ لیکن بعض دفعہ صاحبِ اقتدار کی خود غرضی اور بددیانتی کسی قوم کو صدیوں تک مفلوج کر دیتی ہے۔ اور بدبختیوں کا شکار بنا دیتی ہے۔ ایک شخص جو غلطی سے یا جان بوجھ کر بددیانتی سے کسی خرم کو آگ لگا دیتا ہے۔ اُس صاحبِ حکومت سے قطعاً مختلف ہے۔ جو معاہدہ "ترکمانچاہ" پر راضی ہو کر قوم کو ذلیل خوار کر دے یا پھر اپنی بزدلی و نااہلی سے خود اپنے ہاتھوں محمود افغان جیسے دشمن کے سر پر اپنا تاج رکھ کر حکومت سے علیحدہ ہو جائے۔

۱۔ معاہدہ ترکمانچاہی ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۸ء میں روسیوں اور ایرانیوں کے درمیان طے پایا۔ اس کی رو سے ایران کے شاداب خطوں، ایروان اور نخجوان وغیرہ علاقوں پر روس کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ دس کروڑ تومان تاوانِ جنگ ادا کیا گیا۔ یہ معاہدہ ایران کے لیے مسیبتوں کا پیش خیمہ تھا۔ کیونکہ اس سے ایران کی آزادی کی بنیاد متزلزل ہوئی اور داخلی معاملات میں روسیوں کی مداخلت شروع ہو گئی۔ (مترجم)

۲۔ ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء میں جب افغانوں کو اصفہان کا محاصرہ کیے ہوئے سات ماہ ہو گئے تو سلطان حسین صفوی نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے اور مائمی لباس پہن کر امر کی معیت میں شہر سے باہر نکلا اور امیر لشکر



اسی بنا پر ہم خلیفہ ثانی کی کارگزاریوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مسلمہ طور پر اپنے متذکرہ

کاموں سے اسلام اور دنیا سے اسلام کے مستقبل کو خطرہ سے دوچار کر دیا اور غلط کاروبار

لوگوں کے برسرِ اقتدار آنے کی راہ ہموار کر دی۔

## طبقاتی کشمکش میں اور اضافہ

مجلس شوریٰ کے محدود دائرہ کار میں حضرت عمر کی عائد کردہ پابندیوں اور عبدالرحمن

بن عوف کے حق تنسیخ نے اپنا کام کیا اور نتیجتاً عثمان بن عفان مسندِ خلافت پر متمکن ہو گئے۔ ان کے

برسرِ اقتدار آتے ہی بنو امیہ، وقت کے سرمایہ داروں اور غلط کاروں نے چین کا سانس لیا۔

اور انہیں کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ خلیفہ ثانی کی سخت گیری جو بدعنوانیوں اور ناوار طبقہ پر ظلم

وزیادتی کی راہ میں رکاوٹ تھی وہ بھی مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ کتب تاریخ میں ہے کہ خلافت سوم

کے قیام کے بعد اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان مدینہ سے چار میل دور کوہِ احد پر گیا۔

اسلام کی معزز ہستی حضرت رسولؐ کے چچا جناب حمزہ جو جنگِ احد میں عروسِ شہادت سے ہٹکار

ہوئے تھے کی قبر مطہر پر پیر رکھ کر کہا: "اے ابابلی! اٹھو اور دیکھو کہ تم جس چیز کے لیے ہم سے

برسرِ پیکار رہتے تھے، آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔"

یہی ابوسفیان تھا جس نے خلیفہ سوم سے کہا کہ اے عثمان! اب جبکہ ابو بکرؓ کے بعد

خلافت تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے تو ایسا انتظام کرو کہ یہ ہمیشہ ہی ہمارے خاندان میں ایک کے

بعد دوسرے کو ملتی رہے۔ عمال کا تعین بھی بنی امیہ میں سے کرو، کیونکہ خلافت صرف دنیاوی

(بقیہ عاشیہ صفحہ ۱۵) محمود افغان کو فرزند کہہ کر صفوی تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ اور حکومت اس کے سپرد

کر دی۔ اور یوں ایرانیوں کو افغانوں کی غلامی میں دے دیا۔ (مترجم)

۱۵ نقش و عاظ در اسلام صفحہ ۱۵۷ تالیف ڈاکٹر وردی۔



بادشاہی اور امور سلطنت سے متعلق ہے۔ اس میں بہشت و دوزخ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بھی ابو سفیان نے یہی بات حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہی تھی اور جناب عباس نے یہ جواب دیا تھا کہ یہ نبوت ہے اور شاہی نہیں ہے۔

ذیل میں خلافت سوئم میں بیت المال کے ناجائز حصے، سرمایہ داروں کو کھل کھیلنے کی آزادی، آواز حق بلند کرنے والوں پر ٹوٹے جانے والے نظام، باغمالیوں اور برائیوں کے فروغ،

امور حکومت میں بے قاعدگیوں اور رعایا و محنت کش طبقے کی زبوں حالی و معاشی بد حالی کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمان نے اپنی ایک بیٹی کی شادی پیمانہ اسیدت کی اور حاکم بصرہ کو اپنے

واناد عبداللہ کو چھ لاکھ درہم دینے کے لیے لکھا۔ جناب ازرقہ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت

کا پانچواں حصہ جو پانچ لاکھ دینار تھا۔ بلا تعلق اپنے چچیرے بھائی اور دست راست مروان بن حکم

کو دے دیا۔ اپنی بیٹی کے لیے علیحدہ محل تعمیر کروایا۔ ان اخلاقی ندرتوں کے ساتھ ہی جناب سیدہ

سلام اللہ علیہا کے جائز شرعی حق فدک کے آباد گروں اور زمینوں کو جو خلافت اول میں ضبط

کر لیا گیا تھا۔ مروان اور اس کے خاندان کی جائیر بنا دیا گیا۔ جو عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک ان کے

پاس رہا۔ اپنی چار بیٹیوں کی شادی قبیلہ قریش میں کی اور ہر ایک کو ایک ایک لاکھ دینار

دئے۔

۱۵ الفدیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۸۔ بہ نقل از الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ و ۲۵۱ از الذہب و تاریخ طبری و تاریخ ابن عساکر۔

۱۶ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۶۸۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۔

۱۷ الامامة والسياسة جلد ۱ صفحہ ۳۲۔

۱۸ اہل سنت اور شیعہ مورخین نے نقل کیا ہے کہ رسول خدا نے فدک جناب فاطمہ زہرا کو دے دیا تھا، جسے حضرت ابو بکر نے ضبط کر لیا۔ تفصیلات کے لیے الحسن والہ جہاد از شرف الدین صفحہ

۲۵ اور الفدیر صفحہ ۱۹۰۔ شرف ابن ابی لہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۸۔



اپنے چچا حکم بن ابی العاص کو قبیلہ قضاعہ سے صدقات جمع کرنے پر مامور کیا اور تین لاکھ کی رقم اسے ہی بخش دی۔ یہ حکم بن العاص وہی شخص ہے جسے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے نکال دیا تھا اور اس نے دور جناب عمر کے اواخر تک اسی شہر بدر میں زندگی گزار لی لیکن عثمان اُسے خود مدینے لے کر آئے اور قوم کے سرمائے میں سے یہ خطیہ رقم اس کے حوالے کر دی۔

وادی القریٰ اور حنین میں حضرت عثمان نے ایک لاکھ دینار کی جائیداد اپنے پیچھے چھوٹی اونٹوں اور گھوڑوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔ خلیفہ ثالث نے متذکرہ جائیداد کے علاوہ اپنے خزاہنی کے پاس دس لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار کی رقم جمع کر رکھی تھی۔ اسی طرح زبیر نے ہزار گھوڑوں اور ہزار کنیزوں کے علاوہ وسیع جائیداد چھوٹی۔ اس کی صرف ایک جائیداد کی قیمت ہی پچاس ہزار دینار تھی۔ عراق میں طلحہ کی روزانہ آمدنی ایک ہزار دینار تھی۔ اور سمراتہ کے علاقے سے اس سے بھی زیادہ حاصل کرتا تھا۔

عبدالرحمن بن عوف کے اصطلیل میں دس ہزار بھٹیوں، بکریوں کے علاوہ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ بھی موجود تھے۔ اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد کا چوتھا حصہ چوراسی ہزار دینار تھا۔ زبیر بن ثابت نے اپنے پیچھے اس قدر سونے اور چاندی کے ڈھیر چھوڑے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کو کھانڈی سے ٹکڑے کر کے قابل استعمال بنایا گیا۔ اس کی ایک لاکھ دینار مالیت کی جائیداد اور زرعی زمینیں اس کے علاوہ تھیں۔ زبیر نے بصرہ، مصر اور اسکندریہ میں عالی شان مکان تعمیر کر رکھے تھے۔ اتنی بڑی تعداد میں مال و دولت جمع کرنے کے لیے غیر شرعی و ناجائز طریقے اور ذرائع اختیار کیے گئے۔ چنانچہ خلافت سوم میں سرمایہ داروں اور مالکوں کے محنت کشوں اور غلاموں پر مظالم، ملکی قوانین کے نفاذ میں عدم مساوات، اصلاح

۱۵ مروج الذهب جلد ۱ صفحہ ۴۳۳-۴۳۴

۱۶ تاریخ جرجی زیدان جلد ۸ صفحہ ۷۸ ترجمہ جواہر کلام



احوال کا مطالبہ کرنیوالوں کے خلاف سخت کارروائی اور کمزور رعایا کے مال و دولت کی حاکموں کے ہاتھوں ضبطی اسلامی سلطنت میں بہت عام ہو گئی۔

دیر نے حیوة الحیوان میں صرف حضرت عثمان کے غلاموں کی تعداد ایک ہزار لکھی ہے۔ زبیر کی ایک ہزار کنیزیں تھیں، سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عثمان اور زبیر ان مجبور و محکوم انسانوں کو ضروریات زندگی بہم پہنچاتے تھے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے لباس و خوراک اور اپنے مالکوں کو روزانہ متعینہ رقم فراہم کرنے کے لیے امرار مدینے کے گھروں اور کھیتوں میں کام کرنے پر مجبور تھے۔

کیا یہ غلام ان حالات میں سکون و اطمینان محسوس کرتے ہوں گے۔ کیا اسلام کا معاشی عدل اس کا متقاضی تھا کہ محنت کش مزدوروں کے خون پینے کی کمانی تن آسان اور عیش کشی امر کی نذر ہو جایا کرے۔

تا انصافی ہوگی اگر ہم اس جگہ مندرجہ ذیل واقعہ کا ذکر نہ کریں جس سے اندازہ ہو کہ معاملات کی خرابی نے کیا صورت اختیار کر لی تھی۔ حق تعالیٰ کلام پاک میں سورہ توبہ آیت ۳۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

”اے ایماندارو! اس میں شک نہیں کہ یہود و نصاریٰ کے بہت سے عالم لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور لوگوں کو راہِ خدا سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے جاتے ہیں اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔“

بہ ظاہر اس میں علمائے اہل کتاب کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے اور ان کے طرز عمل پر تنقید کی گئی ہے۔ لیکن ”والذین یکنزون الذہب والفضة“ کا اطلاق ہر مالدار اور زراندوز پر بلا لحاظ مذہب ہوتا ہے۔ اگر ”والذین“ میں سے واؤ حذف کر دی جائے تو آیت خالصتاً



اہل کتاب کے لیے مخصوص ہو جاتی ایسے ایسے مسلمانوں کے ساتھ جو ان کے ساتھ  
 جلال الدین عبدالرحمن سیولکی تفسیر القرآن المنثور میں لکھتے ہیں کہ خلافت سوم میں  
 قرآن پاک کی تدوین و تحریر کے دوران والدین یکنون میں سے داؤد حذف کرنے  
 کی کوشش کی گئی۔ ابی بن کعب جو صحابہ کبار میں سے تھے اڑنے آئے اور کہا اگر داؤد  
 حذف کی گئی تو میری تلوار بیام سے گل آئے گی۔ پس مجبور ہو کر ویسے ہی لکھنا پڑا جیسا کہ  
 حق تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔

اس واقعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ رسوا کن دست درازیاں کس حد تک  
 پہنچ گئی تھیں کہ اس استحصالی دست اندازہ سرمایہ دارانہ نظام کی تائید کے لیے قرآن پاک  
 میں بھی تغیر و تبدل کرنے پر لوگ دلیر ہو گئے تھے۔ اگرچہ ابی بن کعب کے اصرار پر یہ آیت  
 درست لکھ دی گئی لیکن اس سے حضرت عثمان کے مقرب خاص سرمایہ داروں کے رویے  
 میں کوئی فرق نہ پڑا۔

صحیح بخاری میں بخاری نے اور واحدی نے اسباب النزول میں یہ واقعہ نقل کیا  
 ہے کہ ابوذر غفاری نے جو ایک راست گو اور صالح صحابی تھے۔ اس آیت کے حوالے سے  
 ماوریہ کو سونا چاندی اور دولت جمع کرنے سے منع فرمایا تو اس نے جواباً کہا کہ یہ آیت  
 تو اہل کتاب کے بارے میں ہے نہ کہ مسلمانوں کے لیے۔ اس پر جناب ابوذر رضی اللہ عنہ  
 نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اس کے مخاطب تو تمام انسان ہیں۔

## آوازِ حق بلند کرنا لوں خلاف کار وائیاں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام ملازمین کا انتخاب بنی امیہ سے کیا تھا۔ ان کی  
 لیاقت و قابلیت کا اندازہ کیے بغیر انہیں خیر مقرر کر کے تمام امور حکومت انہیں سونپ دیے

۱۔ اندر المنثور ج ۱۔ ص ۲۲۲ سطر ۲۲۔ صحیح بخاری کتاب ۱۵۔ تفسیر سورہ توبہ۔ اسباب النزول  
 و نہ میضی ۱۲۔



تھے۔ ان لوگوں کی موجودگی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اصلاح احوال کا مطالبہ کر نیوالے اور اسلامی اصولوں کے نفوذ کی خواہش رکھنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی گئی۔ چنانچہ بزرگ صحابی جناب ابوذر غفاری کو حکومت کی غلط پالیسیوں پر تنقید کرنے کے جرم میں شام بھیج دیا گیا۔ شام میں انھوں نے امیر شام پر زور و شور سے تنقید کی کیونکہ وہ اپنی موزون اور مطلق العنان حکومت کی بنیادیں استوار کر رہا تھا۔

امیر شام نے اس کے بعد دربار مدینہ کی اجازت سے انھیں اذیت ناک حالت میں مدینہ بھیج دیا۔ ان کی مستقل نکتہ چینی اور تنقید سے تنگ آکر انھیں رندہ کے بے آب و گیاہ میدان میں جلا وطن کر دیا گیا۔ جہاں آپ انتہائی کس میرسی کی حالت میں رہا ہی ملک عدم ہوئے۔

عبداللہ بن مسعود نے کوفہ میں ان کی جلا وطنی اور ان پر ہونے والے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو حاکم کوفہ کی شکایت پر عبداللہ کو مدینے لے جایا گیا اور مسجد نبوی کے ایک گوشے میں خلیفہ کے سیاہ قام غلام نے ان کو اس طرح زود کوب کیا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ پھر ان کے گھر میں ان کو مقید کر دیا گیا۔ تا آنکہ وہ جاں بحق ہو گئے۔

اسی طرح کوفہ سے مالک اشتر، زید، صعصعہ، جندب، کبیل بن زیاد وغیرہ بہت سے بزرگوں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ پھر خلیفہ کے حکم سے امیر شام نے انھیں حمص میں حاکم شہر عبدالرحمن بن خالد ولید کے حوالے کر دیا۔ اس ظالم نے ان بزرگوں کے ساتھ رسوا کن رویہ اختیار کیا۔ وہ بے عزت کرنے کے لیے روزانہ انھیں ایک فرسخ گھوڑے کے آگے دوڑاتا تھا، تاکہ وہ ان سختیوں سے ایک نہ ایک دن جان دے دیں۔ حامر بن عبدقیس کو شام اور عبدالرحمن بن حنبل صحابی کو شہر بدر کر کے قوص خیر بھیج دیا گیا۔

۱۵ الغدیر، جلد ۲ صفحہ ۳۱ بہ بعد

۱۶ الغدیر، جلد ۲ صفحہ ۳۲ بہ بعد

۱۷ گفتار ماہ شمارہ ۱ صفحہ ۱۲۲۔ سال اول ۱۵ الغدیر جلد ۲ صفحہ ۵۴۔ عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۱۸۴

۱۸ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۲



حضرت عمار یا سر جو صحابہ کبار میں سے تھے ان کے ساتھ بھی یہی ظالمانہ اور توہین آمیز رویہ روار کھا گیا۔ عمار ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے راہ خدا میں شکنجہ میں کسے جانے کی تکالیف برداشت کیں۔ ان کے والد یا سر اور ان کی والدہ سمیہ ابو جہل کے خنجر ستم سے عالم باقی کو سدھارے۔ خود عمار کے جسم کو مشرکین نے کئی جگہ سے داغدار کر رکھا تھا۔ انہیں مسلسل کئی روز تک شکنجہ میں کسا گیا تھا۔ ان مصائب کو برداشت کر کے وہ ملت مسلمہ کی ایک معزز ہستی بن گئے۔ کئی صحابہ نے خلیفہ کے نام خطوط میں ان کے بعض اقدامات پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور جناب عمار سے ان کو خلیفہ تک پہنچانے کی استدعا کی۔ جناب عمار نے کئی ساتھیوں کے ہمراہ قصر خلافت کا رخ کیا۔ دق الباب کیا۔ اس مختصر وقفے میں یہ لوگ خوفزدہ ہو کر ایک ایک کر کے چلے گئے۔ عمار یا سر تن تنہا اندر داخل ہوئے اور خطوط خلیفہ کے حوالے کیے۔ اس موقع پر مروان بن حکم اور بنی امیہ کے چند اور لوگ بھی موجود تھے۔ چند سطور پڑھنے کے بعد وہ بہت برہم ہوئے اور کہا:

یہ سب تمھاری کارستانی ہے خود ہی خط لکھ کر لے آئے ہو۔

جی ہاں، میں نے ہی لکھے ہیں۔

تمھارے ساتھ کون کون تھا؟

میرے ساتھ ایک جمعیت تھی لیکن وہ لوگ ہمت و جرأت سے عاری تھے۔

ان کے نام بتاؤ؟

نہیں، میں ان کے نام نہیں بتا سکتا۔

تم نے اتنے لوگوں میں اکیلے ہی یہ جرأت کیوں کی؟

ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ مروان نے کہا: اے امیر المومنین! اس سیاہ فام

غلام نے لوگوں کو آپ کے خلاف اکسایا ہے۔ اگر آپ اس کو قتل کروادیں تو دوسروں

کو بھی عبرت ہوگی۔ خلیفہ نے کہا: اسے مارو۔ پھر کیا تھا، خلیفہ کے رشتہ دار اور



طرف دار سب ہی جناب عمار کی جان کے درپے ہو گئے۔ خلیفہ نے بھی عنصا سنبھال لیا۔ یہاں تک کہ اس پاک دل مومن کو اتنا مارا گیا کہ ان کا پیٹ پھٹ گیا۔ وہ فتق میں مبتلا ہو گئے۔ اور غش کر گئے۔ پھر انھیں اسی حالت میں دروازے سے باہر پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد جناب ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انھیں اپنے گھلے کنیں لے کر حضرت عثمانؓ کو ابوسفیان نے یہ نصیحت کی تھی کہ ایسا انتظام کر دو کہ خلافت یکے بعد دیگرے ہمارے ہی خاندان میں باقی رہے۔ اپنے عمال بھی بنی امیہ سے منعین کرو۔ کیونکہ یہ کار سلطنت ہے۔ اس میں جزا و سزا کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جو تلف کے خیال میں اس نصیحت نے گہرا اثر چھوڑا۔ کیونکہ ابوسفیان بزرگ خاندان سمجھے جاتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بیت المال بنی امیہ کے لیے وقف تھا۔ عمال بھی وہی تھے۔ تو یہ تو تھے۔ امور حکومت بھی ان کے ہاتھوں میں تھے۔ آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ معاویہؓ اذان میں رسالتِ محمدیؐ کی گواہی سے رنجیدہ ہوتا تھا۔ کیا یہ ابوسفیان کی نصیحتوں کا اثر نہ تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حاکموں کی زیادتیاں اور دست درازیاں بڑھتی گئیں۔ خلیفہ کا مادر زاد بھائی ولید بن عقبہ جو حاکم کوفہ تھا۔ ایک دفعہ شراب کے نشے میں رسمت مسجد میں آیا اور بد مستی کے عالم میں اس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی پھر لوگوں سے پوچھا۔ اگر کو تو اور پڑھا دوں؟ اسی حالت میں اسے قے ہوئی اور جو کچھ معدے میں تھا مخراب مسجد میں اگل دیا۔

ایک شخص نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ میری بیٹی بے اپنے چائے بیٹے منسوب ہے حاکم کوفہ اسے مانگتا تھا۔ میں نے جس قدر بھی منت سماجت کی اُس نے

۱۔ الامامة والسياسة جلد ۱ صفحہ ۳۲ - ۳۳ و شرح ابن الحدید جلد ۱ صفحہ ۲۹۱

۲۔ القدر جلد ۸ صفحہ ۲۷۸ بہ نقل از تاریخ ابن عساکر

۳۔ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ و الامامة والسياسة جلد ۱ ص ۲۲



کوئی پرواہ نہ کی اور مجھے سخت سزا دی۔ ایک شخص نے فریاد کی کہ میں نے حاکم بدہ کی اپنے  
 ماں دعوت کی۔ اس نے واپس جانے کے بعد اپنے خادم کو بھیجا کہ تمام برتن اور خادم حاکم کو بھیج  
 دوں۔ ہر چند میں نے فریاد کی، آہ و بکا کی کہ یہ چیزیں میری نہیں۔ میں نے ہمسائے سے  
 لی تھیں، اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور بالآخر مجھے قید کر دیا گیا۔ اور قتل کی دھمکی دی گئی۔ اب میں  
 جیل سے فرار ہو کر آیا ہوں تاکہ آپ سے انصاف چاہوں۔ ایک اور شخص نے یہ شکایت کی  
 کہ میری سالانہ آمدنی صرف ایک ہزار دینار ہے جبکہ حاکم مصر مجھ سے پچاس ہزار دینار مانگتا ہے اب  
 یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ میں اسلامی حکومت سے فرار اختیار کروں اور دامن کفر میں بنا  
 لے لوں۔

ابولیان مصر نے اپنے حاکم عبداللہ بن سرح کے ظلم و زیادتی کے خلاف خلیفہ سے  
 شکایت کی۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے خلیفہ کی طرف سے ان لوگوں سے  
 وعدہ کیا کہ ان کے مطالبے کو پورا کیا جائے گا۔ یہ ستم رسیدہ لوگ خوشی خوشی نئے نامزد  
 گورنر محمد بن ابی بکر کے ساتھ عازم مصر ہوئے۔ راستے میں ایک شتر سوار کو دیکھا۔ یہ خلیفہ کا  
 غلام خاص ورش تھا اور مصر جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے روک کر تلاشی لی تو اس کے  
 پاس سے خلیفہ کا ایک فرمان برآمد ہوا۔ جس میں عبداللہ ابن ابی سرح کی برقراری کے  
 احکام تھے اور یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان میں سے فلاں کو قتل کر دیا  
 جائے اور فلاں کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں اور فلاں فلاں کے ساتھ اس قسم کا سلوک  
 کیا جائے۔ لوگوں نے یہ فرمان پڑھا تو وہیں سے واپس مدینے چلے آئے یہ

کوفہ اور بصرہ سے بھی ستم دیدگان فریاد کرنے کے لیے آگئے۔ وسیع پیمانے پر  
 بلوے کا آغاز ہو گیا۔ مدینے سے بھی وہ لوگ شامل ہو گئے جو مظالم سے تنگ آچکے تھے۔



اس موقع پر ائمہ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیراہن مبارک اپنے ہاتھوں میں تھام کر ان لوگوں سے کہا:

”اے مسلمانو! دیکھو تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پیراہن بھی بھی

بوسیدہ نہیں ہوا کہ خلیفہ نے اس کے دین کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اس کو

تباہی کے قریب پہنچا دیا ہے۔“

عاشی عدل کا مطالبہ کرنے والے ان انقلابیوں نے چالیس دن تک خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کیے رکھا۔ وہ اپنے ہتھیاروں کو لہراتے تھے اور خلیفہ سے استعفا کا مطالبہ یوں کرتے تھے: ”اخلع نفسك من هذا الامر كما خلعتك الله منه“ تم تمہیں اس اختیار سے ہٹاتے ہیں جیسے اللہ نے تجھے ہٹا دیا ہے۔ وہ خلیفہ کے دستِ راست مروان بن حکم کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ بھی کر رہے تھے۔ مدتِ محاصرہ میں خلیفہ ان کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہے اور حسنین شریفین علیہم السلام ہاجرین کے کچھ لڑکوں کے ساتھ ان کے گھر کی حفاظت کرتے رہے تاکہ معاملہ کسی سمجھوتے پر ختم ہو جائے لیکن بالآخر ان بلوائیوں نے شنوائی نہ ہوتے دیکھ کر عقبی دیوار پھاند لی اور خلیفہ کو قتل کر دیا۔ اصلاحِ احوال کا مطالبہ کرنے والوں کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ خلیفہ کے مقرر کردہ عمال و حکام کے ظلم و ستم اور زیادتیوں سے جاں بلب لوگوں پر مشتعل تھا۔ ان میں بنی زہرہ، ہذیل، بنی مخذوم، غفار اور ان کے ساتھی قبائل شامل تھے۔ دوسرا گروہ اصحابِ رسولِ خدا اور ان پاک دل مومنین کا تھا جو خلافت کے مایوس کن نتائج اور حکومتِ اسلامی میں ان تغیرات سے پریشان تھے۔

۱۲۲-۱۲۳ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۲-۱۲۳

۱۲۴ الفدیو جلد ۹ صفحہ ۱۸۲ بہ نقل از وقادی

۱۲۵ مروج الذهب جلد ۱، صفحہ ۲۴۱۔ شورش کرنیوالوں کے بارے میں مزید معلومات کے لیے مروجہ الذهب کو نظر فرمائیں۔



غالباً یہی وجہ تھی کہ جنگ صفین میں امیر شام کے خلاف ایک ہزار ایک سو ستتر (۱۱۶) صحابیوں نے حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ جبکہ امیر شام کے ساتھ صرف دو صحابی تھے۔ یہ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ بنو امیہ اپنے آئندہ مفادات کے لیے خلیفہ کی ہلاکت پر راضی تھے اور خود مروان بن حکم اس آگ کو بھڑکارا تھا اور اس سلسلے میں شاید اس نے امیر شام سے سازش کر رکھی تھی۔ کیونکہ خلیفہ کا خون آلود لباس ہر چیز سے پہلے شام پہنچا دیا گیا۔ ہمیں اس سے بھی سروکار نہیں کہ حاکم شام نے جو لشکر خلیفہ کی امداد کے لیے بھیجا تھا اسے سرزمین شام سے باہر جانے کی اجازت کیوں نہ دی گئی۔ اور خود وہ شام میں بیٹھ کر حالات کا رخ دیکھتا رہتا تاکہ خون عثمان کی قصاص طلبی کا تاریخی بہانہ ہاتھ لگ جائے۔

ہم ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خلیفہ کے خلاف عوام کی جدوجہد ایک قدرتی اور لازمی بات تھی۔ جس معاشرے کی اکثریت محروم و مظلوم ہو۔ قوانین بے کار اور تن آسان اقلیت کے مفاد میں جاری ہوں۔ حاکم کے اتر با وعزیز اور اولاد ہی لوازمات حیات سے بہرہ ور ہوں اور قوم کا خزانہ ان کے لیے وقف ہو۔ ایسے معاشرے سے انقلاب و انتشار کے علاوہ اور کس چیز کی توقع رکھی جاسکتی ہے؟

## امیر کی کرن

قتل عثمان کے بعد مسلمانوں نے بے حد اصرار کر کے جناب علی ابن ابی طالب کے دست مبارک پر بیعت کی۔ کیونکہ گزشتہ پچیس سال میں وہ واحد ہستی تھے جو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کو خلوص نیت سے اپنائے ہوئے تھے۔ صحابہ کبار کی امنگوں اور معاشی نظام میں اصلاح کا مطالبہ کرنے والوں کی خواہشات کو ان کے سوا اور کوئی عملی جامہ نہ پہنا سکتا تھا۔

طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص کے برسرِ خلافت آنے کا اس وقت کوئی امکان نہ



تھا کیونکہ دولت پرستی اور زر اندوزی وہ بھی کرتے رہے تھے۔ لوگ جیسا انقلاب چاہتے تھے وہ مولائے مومنین کے علاوہ اور کسی کے ہاتھوں بڑپا نہ ہو سکتا تھا۔ اگر آپ تخت خلافت پر متمکن نہ ہوتے تو آپ کا حیات بخش پیغام ملت تک نہ پہنچتا۔

حضرت علی علیہ السلام کے خلیفہ ہونے سے بنو امیہ اور گزشتہ خلافت کے حاشیہ برداروں کو تشویش اور پریشانی ہوئی کیونکہ وہ ان کے افکار عالیہ اور اخلاص عمل سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ ان کا مشن مکمل انصاف اور محنت کش اور لوازم حیات سے محروم لوگوں کو امرائے مساوی مراعات دینا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ کمزور و طاقت ور اور حاکم و محکوم کو ایک ہی نظر سے دیکھیں گے اور سب کے ساتھ پورا انصاف کریں گے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ بددیانت اور بیت المال سے جائداد بنانے والے اب عوام کے مفاد کی خاطر جھاگ کی طرح نابود کر دیے جائیں گے۔

بیعت کے دوسرے دن ہی مولائے کائنات نے اپنے آئندہ پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو کچھ بھی عثمان نے سرکاری اہلاک سے مختلف لوگوں کو بخش رکھا ہے اور مال خدا میں سے جو کچھ دوسروں کو دے دیا ہے میں سب کچھ دوبارہ بیت المال میں شامل کرتا ہوں۔ حق کو کوئی طاقت باطل میں نہیں بدل سکتی اور نہ ہی اس کو ختم کر سکتی ہے۔ اگر یہ مال و دولت عورتوں کی شادیوں اور کنیزوں کی خرید میں صرف کیا گیا ہو تو بھی میں واپس لاؤں گا۔ کیونکہ عدل امور دین و دنیا میں لوگوں کو زیادہ وسعت و گنجائش بہم پہنچاتا ہے اور اگر عدل کے دروازے لوگوں پر بند کر دیے جائیں تو ظلم و جور ان پر عرصہ حیات کو تنگ کر دیں گے۔

آپ کا یہ کلام اس کا منظر ہے کہ اب دو عثمانؓ کی بخششوں کا وقت ختم ہو چکا ہے مساوات و یکسانیت کا دور شروع ہو گیا ہے۔ اب اسلام کے حیات آفرین قوانین امیر و



غریب اور ظالم و مظلوم پر یکساں لاگو ہوں گے۔

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی حکومت کی اساس اس اکثریت پر تھی جو انقلاب پسندوں اور صحابہ کبار پر مشتمل تھی۔ یہ اس برگزیدہ صحابی کے ہاتھوں اسلام کے صحیح اصولوں کے اجراء کو مصائب اور دین کی تباہی سے نجات سمجھتے تھے۔

مشہور تاریخ کی کتاب "تاریخ یعقوبی" کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب نے اس کا زندہ ثبوت فراہم کیا ہے۔ وہ تیسری صدی ہجری میں اپنی تاریخ میں نقل کرتا ہے کہ جنگ بدر میں شریک صحابیوں میں سے ستر معرکہ صفین میں شریک ہوئے۔ بیعت رضوان کے شرکاء سات سو اور دوسرے تمام ہاجرین و انصار سے چار سو افراد لشکر امیر المومنینؑ میں شامل ہوئے اور داد شجاعت دی۔ اس کے برخلاف امیر شام کے ساتھ صرف دو صحابی نعمان بن بشیر اور مسلمہ بن مخلد تھے۔

محمد بن ابی حذیفہ نے امیر معاویہ سے کہا: "تو موثقی علی جی علیاً خرج مع علی کل صوام و قوام مہاجرین و انصاری۔" مجھے جب علی پر ملامت کرتے ہو حالانکہ ان کے ساتھ وہ انصار و مہاجرین بھی شامل ہیں، جو رات محراب عبادت میں اور دن حالت روزہ میں بسر کرتے تھے۔ جبکہ تمہارے ساتھی منافق اور منافقین کی اولاد ہیں۔"

غلط نظام کی اصلاح کے خواہش مند اس خلافت کے پشت پناہ تھے۔ اور اپنی خواہشات کی تکمیل انھیں جناب علی مرتضیٰؑ کے اقتدار میں ہوتی نظر آتی تھی ان لوگوں میں اسلام کے برگزیدہ فرزند مالک اشتر، محمد بن ابی بکر، حکیم بن جبلیہ، عبدالرحمن بن عدیس وغیرہ صحابہ بیعت رضوان سے اور عمرو بن جوح اور مروان بن احمد وغیرہ نام قابل ذکر ہیں۔

دوسری طرف وہ لوگ موجود تھے جو ہمہ وقت حکومت کو ناکام بنانے کی کوششوں

میں مصروف تھے۔



اگرچہ امام عالی مقام کی حکومت ان دو مضبوط ستونوں پر استوار تھی لیکن پھر بھی اجتماعی عدل کا قیام اور گونا گوں مسائل کا حل کوئی آسان بات نہ تھی۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے کیے جانے والے اقدامات بنی امیہ، بڑے بڑے قبائل اور جاہ پسندوں کے مفاد میں نہ تھے۔ وہ ایک مدت سے محنت کش اور محروم طبقے کا خون چوسنے کے عادی ہو چکے تھے اور گزشتہ پچیس سال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ، سچی پرستی اور زہد و تقویٰ کو بطور کلی فراموش کر چکے تھے۔ وسیع پیمانے پر عدل و انصاف کے قیام کے لیے معاشرے کو ان لوگوں کے شر اور زیادتیوں سے پاک کرنا ضروری تھا۔ فتنہ و فساد برپا کرنے والے مخالفین کھلاؤ درپردہ سازشیں کرتے رہے تاکہ اس خلافت کا تختہ الٹ دیا جائے۔

ظلم اور زبردستی جب نئی حکومت کے رویے کو گزشتہ حکومت سے مختلف پایا تو سب کے سامنے واضح طور پر بیعت کرنے کے باوجود انھوں نے بیعت کو توڑ دیا۔ اور مخالفت پر کمر بستہ ہو کر فتنہ و فساد کرنے والے مٹھی بھر لوگوں کی قیادت سنبھال لی۔ انھوں نے مکہ میں اپنا لائحہ عمل تیار کیا اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعاون حاصل کر لیا۔ ان دونوں بزرگوں کے لیے اُمّ المؤمنین کا اثر و نفوذ بہت اہمیت رکھتا تھا کیونکہ وہ عوام کو دکھانا چاہتے تھے کہ وہ ذاتی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے میدان میں آگئی ہیں۔ چنانچہ اس طرح انھوں نے بہت سے فوائد حاصل کیے۔

جنگ کے پہلے مرحلے ہی میں یہ دونوں بزرگ لقمہ اجل بن گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک آہنی ہرج میں بیٹھ کر میدان جنگ میں آئیں اور پوری طاقت سے سپاہ بصرہ کو امیر المؤمنین اور ان کے ساتھیوں کے قتل پر اکساتی رہیں۔ لیکن اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کر سکیں۔ اور شکر مدینہ کے گھیرے میں آنے کے بعد انھیں لوگوں کی نگرانی و حفاظت میں باعز طریقے سے واپس مدینہ بھیج دیا گیا۔

۱۰ ظلم و جنگِ جبل کے دوران اور زبردستی سے واپس آتے ہوئے مارے گئے۔



# حضرت علیؑ اور جناب عائشہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کی حضرت علیؑ کے ساتھ پر خاش ایک نفسیاتی امر تھا۔ وہ زور سے رسولؐ ہونے کے باوجود نعمتِ اولاد سے محروم تھیں جبکہ علیؑ دختر رسولؐ جناب فاطمہؑ کے نظر سے متعدد اولادیں رکھتے تھے۔ دوسری طرف حضرت علیؑ نے واقعہ انک میں حضرت عائشہؓ کو طلاق دینے کا مشورہ اس شرط پر دیا تھا کہ ان کی کنیز بریرہ سے صحیح صورت حال معلوم کی جائے۔

اس کے علاوہ حضور اکرمؐ اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ اور داماد حضرت علیؑ اور ان کے صاحبزادوں حسین شریفین کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کو دوسروں پر مقدم گردانتے تھے۔ آیتِ تطہیر بھی ان کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ اس قسم کے تمام امور اس پر خاش کو اور بڑھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے جنگِ جمل کے خاتمے پر گفتگو فرماتے ہوئے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

N. P اس خاتون کو نسوانی کم اندیشی نے ہماری عداوت اور کینہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کا سینہ دیگ آہن گر کی طرح ہمارے بغض میں کھول رہا ہے۔ انھوں نے میرے ساتھ جو رویہ اختیار کیا وہ کسی دوسرے کے خلاف نہیں کر سکتی تھیں۔ چاہے انھیں اس کے لیے کتنا ہی کہا جاتا۔ اس کے باوجود میں ان کا پہلے کی طرح ہی احترام کرتا ہوں۔ انھوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس پر باز پرس خدا کرے گا۔

۱۔ مجمع البیان ج ۷ ص ۱۳۰ تفسیر آیت انک، اسباب النزول واحدی صفحہ ۱۸۳  
۲۔ نهج البلاغۃ عمدہ خطبہ ۱۵۴



مکہ سے مدینہ واپس آتے ہوئے جب حضرت عائشہ کو خبر ملی کہ حضرت علی کو خلیفہ بنا لیا گیا ہے تو آزر وہ دل ہو کر انہوں نے کہا:

”میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ تھا کہ آسمان پھٹ پڑتا اور زمین اندر کود گئی جاتی، لیکن علی کو مسلمانوں کا خلیفہ نہ بنایا جاتا، پھر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ مجھے واپس لے چلو! پس تمام لوگ واپس مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔“

جنگ جمل کے خاتمہ پر جب حضرت علی نے حالات پر قابو پایا تو حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کو دوسرے تیس افراد اور بیس پیرمیزگار دیا کہ ان عورتوں کو حضرت عائشہ کی حفاظت و نگہداشت پر مامور کر کے مدینے روانہ کر دیا۔

دواج کے مطابق ان خواتین نے مروانہ لباس پہنے اور تلواریں بھی آویزاں کیں۔ حضرت عائشہ رض کی دیکھ بھال ان کو اونٹ سے اتارنا اور سوار کرانا وغیرہ خدمات تمام راستے ان کے ذمے تھیں۔ جب انھیں مدینہ پہنچا دیا گیا تو ان سے پوچھا گیا:

”علی نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟“

کہنے لگیں: ”سفر بخیر و خوبی آرام سے طے ہو گیا۔ خدا کی قسم! علی نے غیر معمولی عظمت و بزرگی کا ثبوت دیا ہے لیکن مجھے مردوں کے ساتھ مدینہ بھیجا ہے۔“

تب عورتوں نے اپنی پہچان انھیں کر دئی۔ اس پر حضرت عائشہ سجدہ ریز ہو گئیں اور کہا: ”اے علی تمہاری عظمت و بزرگی میں اضافہ ہوا اور مرا تب بلند ہوں، کاش میں تمہارے خلاف بغاوت نہ کرتی۔“

قرآن پاک امہات المؤمنین کے بارے میں کہتا ہے: وَقَوْنِ فِيْ بَيْوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُولٰٓئِ (اسے ازدواج رسولؐ) تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت

کے علی و دو فرزندش صفحہ ۲۶ طہ حسین

۲۷ مرجع الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۴ یہ واقعہ ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید اور یعقوبی کے علاوہ اوروں نے بھی لکھا ہے۔

۲۸ سورۃ احزاب آیت ۳۳



کی طرح اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔

ازواج نبی کے بارے میں یہ حکم شاید اس لیے تھا کہ دنیا پرست اور مفسدان کے مرتبے و مقام سے غلط و ناجائز مقاصد حاصل نہ کر سکیں وہ اپنے گھروں میں مقیم رہیں امت سے اپنا اور حضور پاک کا احترام کروائیں اور حقیقتاً امت کی مائیں بن کر دکھائیں۔

حضرت عائشہ نے ان احکامات سے آگاہی کے باوجود بھی ان کو پس پشت ڈال دیا اور مسلمانوں کے عادل و منصف امام کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ اس کے باوجود بھی امام نے جو رویہ اختیار کیا وہ عزت و احترام پر مبنی تھا اور وہ شہادت امیر المؤمنین علیہ السلام تک مدینے میں سکون سے آبرو مندانہ زندگی گزارتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ کی شہادت کی خبر مدینے پہنچی تو اس کو سن کر مسجد رہ نہ ہوئیں اور جب مسجد سے سر اٹھایا تو کہا:

فالت عصاها واستقرت بها النوء

كما قرعينا بالاياب المسافر

یعنی اس نے اپنی چھڑی کو ڈال دیا اور اس کے ساتھ انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ مسافر نے واپس آ کر اس کی آنکھوں کو روشن کر دیا۔ کچھ دیر تامل کرنے کے بعد کہا:

کس نے انھیں شہید کیا؟

بتایا گیا کہ قبیلہ مراد کے ایک شخص نے۔

پھر اپنے دل کی تسلی کے لیے کہا:

فان يك نائيا فلقه نعاہ غلام ليس في فيه القراب

اگرچہ جہاں یہ واقع رونما ہوا میں وہاں سے دور ہوں لیکن جو بھی خبر لایا ہے اس کا دہن

خاک آلودہ نہ ہو۔ اس پر ام سلمہ کی بیٹی زینب نے معترضانہ انداز میں کہا: آپ علی

کے بارے میں اس طرح کہتی ہیں تو گویا ہوتی ہیں میں کسی وقت لاشعوری طور پر بغیر سوچے

سمجھے ہی ایسی باتیں کہ جاتی ہوں۔ جب میں ایسا کیا کروں تو یاد دہانی کروا دیا کرو۔

لے حاشیہ دیکھے اگلے صفحہ پر



طہ حسین اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں یوں لگتا ہے جیسے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کہنا چاہتی تھیں کہ علی کو سکون نصیب ہو گیا اور ان کی شہادت سے دوسروں کو بھی سکون مل گیا۔ اس میں شک نہیں کہ علی علیہ السلام شہادت کے بعد دنیا کی مشکلات و مصائب سے رہائی پا گئے۔ لیکن یہ امر مشکوک ہے کہ ان کی شہادت سے دوسرے بھی آسودہ حال ہو گئے۔

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی شہادت سے کسی کو بھی آسائش بلیسر نہیں آئی یہ وقت گزرتا گیا اور جب شہادت حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بعد بنی ہاشم نے ان کو روضہ رسول اکرم میں دفن کرنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے منع کر دیا اور کامل بہائی کے بقول اس وقت کہا: "میرے دشمن کے فرزند کو میرے گھر سے باہر ہی رکھو"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب تک بقید حیات تھیں حسنین علیہما السلام سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا کرتی تھیں۔ اگرچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا تھا کہ حسنین تمہارے لیے محرم نہیں اور وہ تمہارے گھر آنے کا حق رکھتے ہیں۔

بلند پایہ محقق مرتضیٰ العسکری اپنی کتاب "احادیث عائشہ" میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بخوبی جانتی تھیں کہ حسنین شریفین محرم ہیں لیکن چہرہ ڈھانپنے سے ان کا اور یہی مقصد تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ان غیر شایاں اعمال سے جناب علی اور ان کے خاندان کے ساتھ پرغاش کا اظہار کرتی تھیں۔ وقت گزرنے اور علیؑ کی جواں مردی و شجاعت

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) لے کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۸۔ مقال الطالبین صفحہ ۳۶ طبع مصر۔ تاریخ کامل میں اس شعر میں "غلام" کی بجائے "نعمی" اور تذکرہ سبط میں "نامیا" کی بجائے "ہالکا" درج ہے۔

لے علی و دو فرزندش ص ۱۸۴

لے کامل بہائی ج ۲ ص ۲۶۹۔ جناب عائشہ کی اس ممانعت کو فریقین کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

لے احادیث عائشہ تالیف مرتضیٰ العسکری قسم اول ص ۲۰۴ بہ نقل از طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸۴

لے احادیث عائشہ تالیف مرتضیٰ العسکری



سے اس میں کوئی فرق نہ آیا اور یہ کیفیت یونہی باقی رہی۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں امام عالی مقام جنگ جمل سے غالب اور فاتح کی حیثیت سے واپس لوٹے۔ عبداللہ ابن عباس کو بصرہ میں چھوڑا اور خود کوفہ آگئے۔ اسلامی دار الخلافہ کوفہ میں منتقل کر دیا گیا، حضرت نے کچھ وقت کوفہ میں آرام کیا اور اس مدت میں امیر شام کے ساتھ پُر امن طریقے سے مسائل کے حل کے لیے کوشاں رہے۔ لیکن جب کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو مجبوراً اس کے خلاف کارروائی کا ارادہ کرنا پڑا اور لشکر کے ہمراہ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر معاویہ نے مدقوں سے اپنا دفاع کر رکھا تھا اس نے اہل شام کی سادہ لوحی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا اس نے لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ خون عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا چاہتا ہے۔ یہ بہانہ سب سے بڑا تاریخی حیلہ تھا، جو اس نے استعمال کیا۔ اس بہانے سے اور سونے چاندی کی تھیلیوں کی بخشش سے جو ہر دور میں لوگوں کو ساتھ ملانے کا موثر ترین ذریعہ رہا ہے۔ تمام اہل شام کو مسلمانوں کے منتخب کردہ خلیفہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کو میدان میں لایا گیا اور چالیس دن تک صفین میں خون ریز اور خوفناک جنگ جاری رہی اور وسیع پیمانے پر قتل و غارت کا سبب بنی۔

اس معرکہ میں امیر شام شکست سے بہت قریب ہو گیا اور بنی امیہ کا جادو ہمیشہ کے لیے ٹوٹنے والا تھا، اہل شام تند و تیز ہوا کی زد میں آنے والے تنکوں کی مانند تھے کہ معاویہ کے دست راست عمرو بن عاص نے انتہائی چالاکی سے قرآن پاک کے صفحات کو میدانِ جنگ میں نیزوں پر بلند کر دیا اور کہا:

”دونوں فریق کس لیے ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں اور ہم کتابِ خدا سے

اپنا فیصلہ کر دیتے ہیں“

اس چال سے لشکر امیر المومنین میں جنگ جاری رکھنے یا اسے ختم کر دینے کے بارے



میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اہل کوفہ میں اشعث بن قیس منافق جس کے بارے میں قومی گناہ ہے کہ وہ عمرو بن عاص کی اس سازش میں شریک تھا، سب سے پہلے جنگ سے دست کش ہوا۔

امام عالی مقام نے اشعث کے ساتھیوں کو ابن عاص اور حاکم شام معاویہ کی اس چال سے آگاہ کرنے کی بہت کوشش کی اور انہیں سمجھایا کہ یہ سب کچھ شکست سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے ان لوگوں میں قرآن کو سمجھنے کی صلاحیت تک نہیں۔ یہ سب دھوکہ بازی ہے۔ وہ قرآن کے احکام کا کوئی احترام نہیں کرتے۔ آپ نے جس قدر بھی سمجھایا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اگرچہ امیر المؤمنین کے بہت سے سپاہی اہل شام کی اس تجویز سے متفق نہ تھے۔ لیکن صورت حال یہ ہوئی کہ اہل کوفہ دو گروہوں میں بٹ گئے اور یوں حضرت علیؑ کے لیے جنگ جاری رکھنا ناممکن ہو گیا۔

بالآخر بہت سی بحث و تمحیص کے بعد جنگ کی آگ سرد ہوئی اور اہل شام قطعی شکست سے بچ گئے۔ معاملہ دو افراد کے بطور حکم متعین ہونے پر ختم ہوا۔ یعنی ابو موسیٰ اشعری کو اہل کوفہ اور عمرو عاص کو اہل شام کا حکم بنایا گیا۔ اور دونوں لشکر کوفہ و شام کو واپس لوٹ گئے۔

کچھ عرصہ بعد دومتہ الجندل میں عمرو بن عاص نے ابو موسیٰ سے طے شدہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خلافت معاویہ کا اعلان کر دیا اور یوں امیر شام اور عمرو کی چالاکی اور جھوٹ کا پردہ چاک ہو گیا۔ اہل کوفہ اب اس حقیقت سے واقف ہوئے۔ لیکن وقت گزر چکا تھا اور شرمندگی و ندامت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

طلحہ حسین لکھتے ہیں کہ امامؑ نے دومتہ الجندل کی تمام کارروائی ملاحظہ فرمانے کے بعد کہا:

ابو موسیٰ اشعری جو اہل کوفہ کی طرف سے حکم تھے وہ ایک کم عقل بزرگ تھے۔ حضرت علیؑ نے اس کے ساتھ کس طرح نباہ کیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔

طلحہ نجد کے شمال مغربی علاقے میں ایک مقام ہے جو حکیم کے لیے مقرر ہوا تھا۔ بعضوں نے (اذرح) کا نام بھی لکھا ہے۔



”میں نے تو ان دونوں (عمر و عاص اور ابو موسیٰ) اور اس ثالثی کے بارے میں تم لوگوں پر حقیقت حال واضح کر دی تھی لیکن تم نے میری بات نہ مانی — تمہارے ساتھ میری مثال ایسے ہی ہے جیسے قبیلہ ہوازن کا آدمی کہتا ہے: میں نے فلاں مقام پر اپنے اصول بیان کر دیے لیکن تم نے میری نصیحت کا نتیجہ اگلے دن بوقت ناہار پالیا۔“

جنگ صفین کے خاتمے اور ثالثی کے اس ڈھونگ کے بعد خوارج کے فتنے نے سر اٹھایا اور امیر المومنین کی مشکلات میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔ آپ نے اس فتنے کو گفت و شنید اور قتال کے ذریعے کافی حد تک ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوبارہ شام کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے سب سالاروں کا تقرر فرمایا اور آپ کی فوج چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر دریائے فرات کے کنارے کنارے شہر سے باہر نکلی اور آپ کی کوفہ سے تشریف آوری کا انتظار کرنے لگی۔

اسی دوران میں سن چالیس ہجری کا آغاز ہو گیا اور یہ پیکر عدل و انصاف دنیا کے بدترین و شقی ترین انسان کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما کر بے پایاں ابدی سکون اور عاقبت سے ہم کنار ہو گئے۔ اور دنیا کو دنیا پرستوں کے لیے چھوڑ گئے۔

یہ تمام خوں ریزیاں، قتل و غارت، ملت اسلامیہ کے باہمی اختلافات اور کشمکش و آویزش تمام کی تمام اس طمقانی تفریق و آویزش کا نتیجہ تھی۔ جو خلافت دوئم میں پیدا ہوئی تھیں۔ امت مسلمہ جس افسوسناک حدتِ حال سے دوچار ہوئی وہ اس کی انتہائی بدبختی تھی۔ اگر حضرت عمرؓ اپنی حکومت کی ابتدا ہی سے تقویٰ و جدوجہد کو برتری کا معیار قرار دیتے

اگر وہ اور حضرت ابو بکرؓ حکومتِ شام کو معاویہ کی جاگیر نہ بنا دیتے اور مسلمانوں کو اس ملکیت کے شر سے بچا لیتے اور پھر اگر عبدالرحمن بن عوف کو جسے خود ”فرعون امت“ کہا کرتے تھے،



حق تفسیح نہ دیتے اور مجلس شوریٰ کو اس طرح ترتیب نہ دیتے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت یقینی ہو جاتی اور ان تمام باتوں کے نتیجے میں حضرت علیؓ کی گوشہ نشینی وقوع پذیر نہ ہو جاتی جو عالم اسلام کے لیے زبردست نقصان تھا۔ تو آج دنیا اور عالم اسلام کی کیفیت اور حالت بالکل مختلف ہوتی اور امت کا دامن اختلافات سے پک ہوتا۔

پچیس سال کے بعد جب مسلمانوں نے خلافت کو مولائے کائنات علیؓ کی تحویل میں دیا تو وہ جاں بلب اور نیم جاں تھی۔ اور حضرت علیؓ کی تمام ترقوت، صلاحیتیں ان کی جفاکشی و محنت سب کی سب ملت اسلامیہ کے داخلی خلفشار کو دور کرنے میں صرف ہو گئیں۔ محقق معاصر حسن صدر کے بقول ”یہ حضرت علیؓ کی بے مثال شخصیت کا کمال تھا کہ انھوں نے خلافت کے نیم جاں اور جاں بلب پیکر کو پانچ سال تک زندہ رکھا۔ ورنہ بوجھل و نوروشی شہنشاہیت جس کی داغ بیل امیر معاویہ نے ڈالی تھی، شہادت عثمانؓ کے بعد فوراً ہی خلافت کی جگہ لے لیتی۔“

## صلح امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

امیر المؤمنین حضرت علیؓ علیہ السلام کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے آپ کے فرزند اکبر حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ شام و مصر کی حکومتوں کے علاوہ تمام اسلامی ریاستوں نے آپ کی حاکمیت اعلیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ یہ حکومت جو سلسلہ خلافت اسلامی کی آخری کڑی تھی۔ چھ ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی اور بنی امیہ کی مضبوط و مستحکم حکومت نے اس کی جگہ لے لی۔



امام حسنؑ کے معاویہ کے ساتھ معاہدہ صلح پر راضی ہو جانے کے اسباب کا ادراک اور یہ اندازہ لگانا کہ اس دور میں جنگ جاری رکھنا ایک بیکار اور بے سود کام تھا۔ بہت آسان ہے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت اسلامی معاشرہ تین گروہوں میں منقسم تھا۔ پہلا گروہ بنی امیہ کے طرفداروں کا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ مسند خلافت پر بنی امیہ کا حق ہے اور ان میں سے اس وقت معاویہ اس منصب کے لیے سب سے زیادہ مناسب و بہتر آدمی ہے۔ اس گروہ میں اہل شام اہل مصر کے علاوہ بہت سے دوسرے علاقوں کے رہنے والے بھی شامل تھے۔ امیر شام کی زیر قیادت یہ گروہ، مال و دولت و نیادی آسائشوں اور اپنے افکار کی تبلیغ کے وسائل سے ہر ممکنہ حد تک بہرہ ور تھا۔ یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کی سعی میں شرعی احکام یا انسانیت کے اصولوں کی پروا نہ کرتے تھے اور ان کو بلا خوف و خطر یا مال کر دیتے تھے۔

دوسرا گروہ خوارج کا تھا۔ یہ اپنے سوا ہر شخص اور ہر گروہ کے دشمن تھے۔ خوارج کے سوا دوسروں کا خون بہانا حلال اور باعثِ ثواب سمجھتے تھے۔ وہ تعصب، تنگ نظری اور انسان دشمنی کا شکار تھے۔ انہیں کسی دلیل سے قائل بھی نہ کیا جاسکتا تھا۔ ناموس کی طرح ان کی جڑیں تمام معاشرے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ صاحبان علم و دانش پر ان کی فتنہ پروازی اور شہر پسندی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

Very good Point

تیسرا گروہ شیعوں کا تھا جس میں عراق، حجاز اور یمن کے اکثر لوگ شامل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضورؐ ختمی مرتبت کے واضح ارشاد کے مطابق خلافت حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کے لیے مخصوص ہے۔ نہج البلاغہ کے خطبات اور قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ابتری کا شکار تھے۔ جہاد میں شمولیت سے لیت و لعل سے کام لیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ ان کے رویے سے تنگ آکر اس دنیا نے فانی سے زحمت کر جانے کی آرزو کیا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اپنے افراد خاندان کے ساتھ بلکہ خود تنہا ہی امیر شام معاویہ سے نبرد آزما ہو جائیں۔



اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حالات میں جب کہ اہل کوفہ کا تعاون بھی حاصل نہ تھا۔ معاویہ کے ساتھ جنگ جاری رکھنا بے مقصد و نثر نیزی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان حوصلہ شکن، اور مایوس کن حالات میں بھی امام حسنؑ نے درستی احوال کی بہت کوشش کی لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اگرچہ حضور اکرمؐ نے اپنے دور کے مسلمان کی تربیت اس طرح کی تھی کہ انھوں نے نفسانی خواہشات پر تقویٰ و پرہیزگاری سے غلبہ پالیا تھا۔ دور جہالت کے بیودہ فخر و مباہات کی جگہ زہد و پاکیزگی اور انسان دوستی نے لے لی تھی۔ لیکن ایک طویل عرصے تک جناب علیؑ کی گوشہ نشینی، طبقاتی کشمکش، اسلامی معاشرے میں جگہ پا جانے والے گونا گوں اختلافات اور عیوب و معائب، ملت اسلامیہ کے مقدر پر بنی اُمیہ جیسے فاجر و فاسق اور فتنہ پرور لوگوں کے اختیار نے مسلمان کو دنیا داری، جاہ پسندی اور آن بان سکھادی تھی۔ اور تعلیمات اسلامی سے دور کر دیا تھا اس کے علاوہ خلافت سوم میں امور خلافت میں بنی اُمیہ بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ نے آرام طلبی، عیش کوشی اور شان و شوکت سے زندگی گزارنے کو اس طرح رواج دیا کہ لوگ اس کے ولادہ ہو گئے۔ اور دینی تعلیم و تربیت کے راستے مسدود ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کا دور خلافت پھر خلافت جناب علیؑ کا زمانہ جس کا اختتام آپ کی شہادت پر ہوا، کا بغور اور مفصل مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت اسلامی خلافت قریب المرگ تھی۔ حوام اتناس کی توجہ بنی امیہ کی فوئیر، مضبوط اور پر شکوہ حکومت کی طرف لگی ہوئی تھی۔ مدین کی اساس پر استوار ہونے والی حکومت انھیں عجیب اور بیگانہ معلوم ہوتی تھی۔ انھیں دینی حکومت کی طرف متوجہ کرنے اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ کئی سال تک بنی امیہ کے مظالم کا مزہ چھکتے رہیں اور ان کے انسانیت سے گرے ہوئے اعمال کو دیکھتے رہیں۔

اس وقت کے غیر موافق ماحول اور حالات نے امام حسن علیہ السلام کو معاویہ کے ساتھ مصالحت پر مجبور کر دیا اور آپ کی یہ فیصلہ نہایت دانشمندانہ اور بالغ نظری کا ثبوت تھا۔



پچیس سال سے عالم اسلام جس انتشار کا شکار تھا اس کے نتیجے میں رائے عامہ نے اس پر دین پر قائم ہونے والی حکومت کا ساتھ نہ دیا۔ اور یہی تکلیف وہ صورت حال حکومتِ شام کی ترقی و استحکام اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور امام حسن علیہما السلام کی سیاسی ناکامی کا باعث بنی۔

## اسلام کے جمہوری نظام

### کی جگہ مطلق العنانیت کا فروغ

صلح امام حسن علیہ السلام کے بعد معاویہ نے تمام اسلامی سلطنت کا اقتدار سنبھال لیا۔ عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن ابیہ جیسے زراںدوز اور دنیا پرستوں کو جاہ و منصب اور دولت کا لالچ دے کر اپنے ارد گرد جمع کر لیا۔ بہت سے آزاد منس حریت پسندوں اور اصلاح احوال امت کے خواہش مندوں کو قتل کر دیا گیا۔ اور متعدد کوجیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ بنی اُمیہ کو عوام کا استحصال کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اور انھیں وہ سب کچھ کرنے اور کہنے کی اجازت دے دی گئی جو وہ چاہتے تھے۔ یوں لوگوں کی قسمت ان کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔ اسلامی حکومت کا ڈھانچہ سراسر تبدیل ہو گیا۔ اور نتیجتاً ایک ظالم اور مطلق العنان حکومت وجود میں آگئی۔ پورے بیس سال تک معاویہ نے یہی ظالمانہ طور طریقے اختیار کیے رکھے اور ان کے لیے انتہائی چالاکی سے راہ ہموار کی بھرا اپنے ذرائع ابلاغ کو انھیں جائز و پسندیدہ قرار دینے کے لیے استعمال کیا۔

دورِ معاویہ میں دو انتہائی خطرناک امور پائیہ تکمیل کو پہنچ گئے جن کی داغ بیل اس کے پیشرو ڈال چکے تھے۔ ان سے اسلامی معاشرہ زوال پذیر ہو گیا۔ اور انہی کی وجہ سے امام حسینؑ اعلیٰ کلمۃ حق کے لیے کارزار کر بلا میں تشریف لے گئے۔ ان میں سے ایک امر یہ تھا کہ



اہل بیت پیغمبر علیہم السلام جو دین کے مددگار اور قرآن پاک کے محافظ اور اس کا نفسِ مضمون تھے، اور اہل دین سے کلی طور پر حذف کر دیے گئے۔ اور دوسرا امر یہ تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلامی نظام حکومت کو کلی طور پر بدل کر مطلق العنان اور ظالمانہ و جاہلانہ طرز حکومت بنا دیا گیا۔ اب ان دونوں امور کا مفصل جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

## اہل بیت رسول علیہم السلام

### کو اسلام سے محو کر دیا گیا

اہل بیت اطہار کو نظر انداز کرنے اور ان کی قدر و منزلت گھٹانے کی مہم کا آغاز حضرت ابو بکرؓ کے زمانے سے ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لیے جو بے پناہ عزت و احترام تھا اس کو آہستہ آہستہ کم کر دیا گیا۔ خلفاء کی یہ ہمیشہ کوشش رہی کہ حضرت علیؓ اور ان کے اہل خانہ ان کو امور خلافت سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ ان کی بجائے ان منافقین کو امور خلافت میں مشیر بنایا گیا، اہم عہدے دیے گئے جو باضی میں رسول اکرمؐ سے اسلام اور قرآن کو بھانسنے کے لیے برسرِ پیکار رہے تھے اور اب اسلام کے روز افزوں اثر و نفوذ کے خوف سے مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق وضعی حدیثوں کو رواج دیا گیا جیسے: "اصحابی کالنجوم باہم اقتدیتم اہت یتم<sup>۴</sup> یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، نجات پاؤ گے" حضور پاکؐ سے اس قسم کی حدیثوں کو نسبت دے کر یہ فائدہ حاصل کیا گیا کہ معاویہ اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کا احترام لوگوں کے دلوں میں بڑھتا گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جنگ صفین میں کئی ناوہ مسلمان بھی اس دہم کا شکار ہو گئے کہ علیؓ حق پر ہیں یا معاویہ۔

نصر بن مزاحم کتاب صفین میں لکھتے ہیں کہ میدان صفین میں عبد اللہ بن مسعود کے



چار سو ساتھی جن میں ربیع بن خثیم بھی شامل تھا، جناب امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اگرچہ ہم آپ کی فضیلت و برتری اور مقام و منزلت سے آگاہ ہیں۔ لیکن اس جنگ میں آپ کے حق پر ہونے کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، ہمیں کسی سرحد پر بھیج دیجئے۔ یہ واقعہ اس طرح بھی منقول ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں کا ایک گروہ خدمت جناب امیر المومنین میں حاضر ہوا اور کہا: ہم آپ کے ساتھ چلیں گے لیکن آپ کے لشکر میں شامل نہیں ہوں گے بلکہ علیحدہ پڑاؤ ڈالیں گے۔ اور دیکھیں گے کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے؟ پھر جس کو بھی راہ خدا و رسول سے دور پائیں گے اس سے جنگ کریں گے۔

خزیمہ بن ثابت انصاری جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صاحب دو شہادت کا لقب پا چکے تھے، جنگ صفین کے موقع پر موجود تھے لیکن جنگ میں حصہ نہ لے رہے تھے۔ کیونکہ معاویہ کے حق و باطل پر ہونے کے بارے میں شک میں پڑ گئے تھے۔ جب اہل شام نے جناب عمار یاسر کو شہید کیا تو خزیمہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: میں نے رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو کہتے سنا تھا کہ عمار ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوں گے۔ یعنی اب ثابت ہو گیا کہ معاویہ اور اس کے ساتھی گمراہ اور اہل باطل ہیں۔ پھر اپنے نیچے میں گئے اور غسل سے فارغ ہو کر میدان جنگ میں آگئے اور قتال کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے۔

اسامہ بن حکم فزاری سے روایت ہے کہ ہم جنگ صفین میں حضرت عمار یاسر کے پرچم تلے جمع تھے۔ دوپہر کے وقت ایک سُرخ سائبان کے نیچے سستارہے تھے کہ اچانک ایک شخص کو صفین پیرتے ہوئے اپنی طرف آتا دیکھا۔ اس نے قریب آکر پوچھا کہ تم میں سے عمار یاسر کون ہے؟ عمار نے اپنا تعارف کروایا تو کہا: مجھے کچھ کہنا ہے سب کے سامنے کہوں یا علیحدگی میں؟ انھوں نے کہا جیسے تمھاری مرضی ہو! وہ بولا سب کے سامنے ہی بہتر ہے اور کہنے لگا کہ جب گھر سے روانہ ہوا تھا تو اپنے برحق ہونے اور اہل شام کی گمراہی میں مجھے کوئی شک نہ تھا، لیکن کل رات تک میں نے یہی دیکھا کہ دونوں



طرف سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے، فریقین ایک ہی طرح نماز پڑھتے ہیں۔ ایک ہی انداز میں دعا کرتے ہیں، ہماری کتاب اور رسول ایک ہیں۔ ان حالات سے میں شک میں مبتلا ہوں اور رات اس قدر تذبذب و اضطراب میں گزار رہی ہے کہ خدا ہی جانتا ہے۔

صبح جب امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم عمار یا سر سے ملے ہو۔ میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اس سے ملو اور جو کچھ کہے غور سے سنو۔ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کچھ فرمائیں۔ جناب عمار نے کہا: کیا تم اس سیاہ پرچم دانے کو جانتے ہو جو ہم سے برسبر جنگ ہے۔ یہ عمرو بن عاص کا پرچم ہے۔ میں عمار یا سر سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اس پرچم کے حامل لشکر سے تین مرتبہ جنگ کر چکا ہوں یہ سچو تھی بار ہے کہ اس طاغوتی لشکر سے برسبر پیکار ہوں اور صورت حال پہلے سے بھی بدتر ہے۔ تم نے یا تمہارے والد نے بدر، احد یا حنین میں سے کسی جنگ میں شرکت کی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! تب جناب عمار نے کہا: جان لو کہ ہمارے پرچم کا مقام آج بھی وہی ہے جو رسول خدا کے زمانے میں بدر، احد اور حنین میں تھا اور ان کا پرچم آج اس جگہ پر ہے جہاں مشرکین کا ہوا کرتا تھا۔ کیا تم اس شامی لشکر کو دیکھ رہے ہو، خدا کی قسم! میرے لیے یہ بہت پسندیدہ ہے کہ ان سب کو جو معاویہ کے ساتھ ہم سے جنگ کرنے آئے ہیں ایک فرد واحد کی طرح ایک ہی وار سے ختم کر دوں۔ قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی کہ ان کا خون ایک چڑیا کے خون سے بھی زیادہ حلال ہے۔

اس کے بعد جناب عمار یا سر نے فرمایا کہ اچھی طرح جان لو کہ یہ ہمارے خلاف تلواریں سنبھال کر اس لیے میدان جنگ میں نکل آئے ہیں تاکہ تم جیسے لوگوں کو شک و شبہ میں مبتلا کر دیں اور پھر تم کہو کہ اگر یہ گمراہ اور اہل باطل ہیں تو پھر ہم پر کیوں غلبہ پا گئے۔ لیکن بخدا! ان میں سے بھی بھر حقانیت بھی نہیں ہے۔



یہ تمام واقعات دلالت کرتے ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام کی قدر و منزلت اور ان کا مقام جو جزو ایمان رہا تھا، صفین کے موقع تک مسلمانوں کے دلوں سے محو ہو چکا تھا۔ اور اس لیے ہی لوگ حضرت علیؑ کے برحق ہونے اور فریق مخالف کے اہل باطل ہونے کے بارے میں ٹھوک و شہمات میں مبتلا تھے۔

جیسے ہی معاہدہ صلح کے بعد معاویہ کو مملکت اسلامیہ پر مکمل تسلط حاصل ہوا تو اس نے اہل بیت علیہم السلام کی مخالفت اور ان کے فضائل کو مٹانے کی جدوجہد کو اپنا معمول بنا لیا۔ اس سلسلے میں عمال اور حکام کو جو حکم نامہ بھیجا اسے ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے :

”اس شخص کو پناہ نہ دی جائے جو ابوترابؓ اور ان کے افراد خاندان کے فضائل بیان کرے۔“

اس نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ اس دور کے خطیب ہر جگہ منبروں پر حضرت علیؑ کو بڑے الفاظ سے یاد کرتے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ ان کے خاندان اور ان سے ناز و باتیں منسوب کرتے تھے۔ امیر شام نے جب زیاد بن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ کا حاکم بنایا تو اس نے شیعان علیؑ کو چن چن کر ٹھکانے لگایا۔ اس نے ان کے ہاتھ پیر کٹوائے، ان کی آنکھوں میں سلائی پھروائی اور انھیں تختہ دار کھچوا دیا۔ غرض یہ ظالمانہ کارروائیاں اس طرح سے کی گئیں کہ کوئی بھی معروف ہستی باقی نہ رہی۔ امیر شام نے اپنے تمام عمال کو یہ فرمان بھیجا کہ جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ علیؑ اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کا محب ہے تو کسی معاملے میں بھی اس کی گواہی قبول

۱۵ شرح ابن ابی الحدید، خطبہ ۲۰۰

۱۵ امیر معاویہ کے دور میں قتل ہونے والے شیعوں کی تعداد چالیس ہزار ہے۔ صرف عراق میں ہی دس ہزار شیعہ قتل کیے گئے۔ یہ تعداد بجا کی جلد فتن و محن کے مطابق ہے۔



نہ کی جائے اور جو کوئی بھی علی مرتضیٰ کی کوئی فضیلت بیان کرے اس کی فوراً تردید کی جائے۔  
ایک اور شاہی فرمان میں امیر مٹم نے لکھا:

انظروالی من قامت البینة انہ یحب علیا واهل بیتہ فاحوہ  
من الدیوان واستطوا عطاہ ودرقاہ<sup>لہ</sup>۔

یہ بات ہمیشہ مد نظر رکھو کہ جب ایک شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ شیعانِ علی یا ان کی اولاد میں سے ہے تو فوراً دیوان میں سے اس کا نام کاٹ دیا جائے اور اس کو جو کچھ بطور بخشش اور وظیفہ دیا جاتا ہو، ختم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور حکم میں لکھا کہ جس کے بارے میں شک ہو کہ وہ محبانِ اہل بیت علیہم السلام میں سے ہے تو اس کو شکنجے میں کس دو اور اس کا گھر بار لوٹ کر تباہ کر دو۔

اس مستقل مہم کا یہ اثر ہوا کہ لوگ حضرت علی کو ناشائستہ اور برے الفاظ سے یاد کرنے کو عبادت سمجھنے لگے اور حالت یہ تھی کہ اگر کسی دن اس فریضے کو بھول جاتے تو اس کی قضا واجب سمجھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ کا سب سے بڑا مقصد علی اور ان کے مکتب فکر کو سرے سے ختم کرنا اور اسلام کے دامن کو ان سے خالی کرنا تھا تا کہ لوگ ان کو اسلام سے بالکل الگ سمجھیں۔ اس کے ان مضرت رساں اور نقصان دہ اقدامات کے نتائج وسیع پیمانے پر ظاہر ہوئے۔ چنانچہ علامہ سید ابن طاووس علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "فرحۃ الغری" میں جو درج ذیل واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے۔

ایک دفعہ قبیلہ بنی اود کا ایک شخص حجاج بن یوسف کے پاس آیا یہ قبیلہ اپنی اولاد اور خادموں کو حضرت علیؑ پر تبرک کرنے کی تعلیم دیتا تھا۔ حجاج بن یوسف اس سے درستی سے پیش آیا تو اس نے کہا: اے امیر مجھ سے سختی سے مت پیش آؤ۔ ہمارا قبیلہ تو کئی فضائل کا حامل ہے۔ حجاج کے استفسار پر اس نے کہا ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ



اگر ہم کسی عورت سے شادی کرنا چاہیں تو اس سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ وہ ابو تراب کو اچھے نام سے یاد تو نہیں کرتی اور ان کی محبت تو نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو شادی نہیں ہو سکتی۔

حجاج نے کہا تم میں اور کیا خوبی ہے؟ وہ کہنے لگا: ہمارے قبیلہ میں کسی لڑکے کے نام کا جزو علی، حسن یا حسین (علیہم السلام) نہیں اور کسی لڑکی کا نام فاطمہ نہیں۔ جب حسین (علیہ السلام) وارد عراق ہوئے تو ہمارے قبیلہ کی ایک عورت نے یہ منت مانی تھی کہ اگر خدائے تعالیٰ حسین کو قتل کر دے تو وہ بطور شکرانہ دس اونٹوں کی قربانی دے گی اور جب وہ شہید ہو گئے تو اس عورت نے اپنی منت بڑھا دی۔ اگر آپ ہمارے قبیلہ کے کسی فرد سے کہیں کہ علی (علیہ السلام) سے بیزاری کا اظہار کرو تو کہے گا کہ نہ صرف علی (علیہ السلام) بلکہ اس کی اولاد سے بھی بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔

اگرچہ یہ واقعہ عبدالملک بن مروان کے زمانے کا ہے لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ کی مذکورہ ہم کے اثرات کتنے دور رس اور وسیع تھے۔ اور اگر امام حسین علیہ السلام ان کی راہ میں چٹان نہ بن جاتے اور اپنی اور اپنے اصحاب کی شہادتِ عظمیٰ سے بنی امیہ کو قیامت تک کے لیے رو سیاہ نہ کر دیتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ دین اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا کیا حشر ہوتا اور اسلام کی تاریخ سے اہل بیت علیہم السلام کا نام بالکل مٹ جاتا۔

## بقائے اسلام کیلئے دوسرا خطرہ

امیر معاویہ کے زمانے میں اسلامی حکومت ایک مطلق العنان استبدادی حکومت میں تبدیل ہو گئی۔ اقتصادی نظام کلی طور پر تبدیل ہو گیا اور بقائے اسلام کے لیے یہ ایک



ایسا بردست خنجرہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام نے حکومت معاویہ میں اس کے جاسوسوں کی موجودگی میں مکہ کی ایک محفل میں اس اندیشہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”مجھے ڈر ہے کہ معاویہ کے اقدامات سے دین اسلام فرسودہ اور بیکار ہو کر  
بالآخر سر سے ختم ہو جائے گا۔  
اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

اس دور حکومت میں ظالموں کی طاقت بڑھتی گئی اور مظلوموں کے لیے انصاف معدوم ہوتا گیا۔ عالم انسانیت کی آزادی کے پرستاروں اور متقی و پرہیزگاروں کا خون بے گناہ صرف حسبِ خلی اور انھیں برحق قرار دینے کے جرم میں انتہائی بیدردمی سے بہا دیا گیا۔

امیر معاویہ نے شریعت اسلامی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے زیاد بن سمیہ کو اپنا بھائی بنا لیا اور دمشق میں برسہا برس کہا کہ یہ میرے باپ ابوسفیان کا بیٹا ہے۔ اس پر یونس بن عبید اللہ کھڑا ہوا اور بلا: رسول خدا کا حکم ہے کہ بیٹے پر حق پدری کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جس کے عقد میں اس کی ماں ہو۔ زناں کاروں کا اولاد پر کوئی حق نہیں اور تو اس حکم کے برخلاف زنا کار کو اس کا باپ قرار دے رہا ہے۔ اس پر امیر معاویہ نے عالم غضب میں کہا: خدا کی قسم! اگر تم خاموش نہ ہوئے تو تمہارے خلاف سخت کارروائی کروں گا۔

امیر معاویہ نے جناب امام حسن کو خلافت سے دست کش ہونے کے باوجود بھی سکون سے زندگی گزارنے دی اور بالآخر جعدہ بنت اشعث کے ذریعے ان کو زہر دلو کر شہید کر دیا۔ حجر بن عدی، عمار بن حمق، صیفی بن فیل جیسے پاکبازوں اور حق گوؤں کو تہ تیغ ستم کر دیا اور اس طرح لوگوں کو آزادی سے محروم کر دیا گیا۔ درج ذیل واقعہ پر غور کرنے سے معاویہ کے وہ ولی اساسات معلوم ہوتے ہیں جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

۱۔ احتجاج طبرسی ص ۵۰۔ فصل احتجاجات امام حسین علیہ السلام۔

۲۔ تاریخ یقین جلد ۲ صفحہ ۱۵۰۔ مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۵۷۔ شرح ابن ابی الحدید ص ۶۹۔



مروج الذہب میں مسعودی نے مامون عباسی کے حالات میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ ۲۱۲ ہجری میں مامون عباسی نے یہ عام منادی کر دئی کہ اس شخص کو پناہ نہ دی جائے گی جو معاویہ کو اچھے الفاظ سے یاد کرے گا۔ اور اس کو کسی بھی صحابی سے افضل سمجھے گا۔ لوگ اس اعلان کے اسباب معلوم کرنے کے لیے باہم بحث و مباحثہ کرنے لگے۔ بالآخر معلوم ہوا کہ اس کا سبب مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے مطرف کا بیان کر دہ یہ واقعہ ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ میں اپنے والد مغیرہ بن شعبہ کے ہمراہ امیر معاویہ کا ہمان تھا وہ روزانہ ان کے دربار میں جاتے تھے اور واپسی پر معاویہ کی زیر کی و دانش مندی کی تعریف کرتے تھے۔

ایک رات خلاف معمول وہ دربار سے غمگین و افسردہ واپس آئے تو مجھے تشویش ہوئی کہ شاید کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ افسردگی کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: بیٹے! میں زمانے کے بدترین اور ناپاک ترین انسان کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ کیوں کیا وجہ ہوئی؟ کہنے لگے: میں نے تنہائی میں معاویہ سے کہا کہ اب جبکہ تو نے ہماری مدد سے اپنے مقاصد کو پایا ہے اپنی عمر کے آخری حصے میں عدل و انصاف سے کام لینا تمھارے لیے بہتر ہے۔ بنی ہاشم کے ساتھ اب اس قدر درشت اور ظالمانہ رویہ ترک کر دو۔ آخر وہ تمھارے قرابت دار ہیں۔ خدا کی قسم! اب ان میں اتنی طاقت نہیں رہی جو تمھارے لیے خطرہ کا باعث ہو۔ جانتے ہو، معاویہ نے میرے جواب میں کیا کہا؟ بولا: افسوس صد افسوس اے مغیرہ! غور سے میری بات سنو، جب حضرت ابو بکر خلافت پر فائز ہوئے اور انھوں نے عدل کو بھی اختیار کیا۔ لیکن انھیں کیا حاصل ہوا۔ یہی ناکہ وہ مر گئے اور ان کا نام بھی مٹ گیا۔ کبھی کوئی ان کا نام لے کر یاد کر لے تو کر لے، ورنہ کچھ نہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ تخت خلافت پر دس سال تک متمکن رہے پھر اسی طرح حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہوا جو اپنے نسب کے اعتبار سے بے مثال تھے۔ دونوں کے ناموں کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں۔ لیکن کیا تم نے سوچا کہ ہاشمی بھائی (جناب رسول



خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے ہر روز پانچ دفعہ دنیائے اسلام میں منادی کی جاتی ہے اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا جاتا ہے۔ اسے فرزندِ بے مادر مغیرہ جب ان تینوں خلفاء کے بعد بھی محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام زندہ ہے تو کسی اور کا کون سا عمل یا درہ جائے گا۔ سوائے اس کے کہ یہ نام بھی صفحہ ہستی سے مٹ کر پیوند خاک ہو جائے۔ "فای عمل یبقی مع ہذا الام لک واللہ الا دفنا دفنا"

جب مامون الرشید عباسی نے یہ واقعہ سنا تو اس نے منادی کو حکم دیا کہ وہ پہلے اعلان کے ساتھ یہ حکم بھی سنا دے کہ منبروں پر سے معاویہ پر لعنت کی جائے یہ اس سارے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ اور آل ابوسفیان اسلام اور بقائے اسم احمد مختار سے کس قدر خصومت رکھتے تھے۔ اگر امام حسین علیہ السلام اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے، اسیران اہل بیت کی اسیری اور ان کے موثر ترین خطبات، بنی امیہ کو ذلیل و رسوا نہ کرتے اور ان کو دنیا کے سامنے بے نقاب نہ کر دیتے اور یوں بنی امیہ کے خلاف آئندہ تحریکوں کی قیادت نہ کرتے تو خدا ہی جانتا ہے دین اسلام کی کیا حالت ہوتی؟

## یزید کی بالجبر بیعت

پیکرِ اسلام پر امیر معاویہ کی آخری اور موثر ترین ضرب یزید کی بالجبر بیعت تھی۔ اس نے اپنے ذلیل اور نالائق بیٹے یزید کو خلیفہ بنانے کے لیے مسلمانوں سے زبردستی بیعت لی اور خلافت کو اپنی خاندانی ملکیت بنایا۔ وہ واقف تھا کہ اس کے بعد مسلمان یزید کی بیعت نہ کریں گے۔ دوسری طرف اس کی زبردستی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا یزید

۱۔ مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ طبع مصر سال ۱۳۴۶۔ قرمانی نے اخبار الدول میں اس منادی کی نقل کیا ہے، مگر اس کا سبب نہیں لکھا۔



اس کی جگہ پر قابض ہو۔ چنانچہ اس نے اپنی زندگی ختم ہونے سے قبل ہی اس کے لیے بیعت لینا شروع کر دی اور دشواریاں دور کرنے کے لیے امام حسن بن علی علیہما السلام اور سعد بن ابی وقاص کو زہر دلو کر شہید کر دیا۔

عبدالرحمن بن خالد بن ولید کو بھی اسی راہِ حق میں قربان کر دیا گیا۔

مغیرہ بن شعبہ نے اپنی گورنری قائم رکھنے کے لیے معاویہ کو مسلمانوں سے یزید کی بیعت لینے کا مشورہ دیا تو وہ اپنی دیرینہ آرزو کو پورا ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بولا: سبحان اللہ! یزید تمہارا بھتیجا ہے اور تم جیسے باعزم لوگ جب کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ برائے خدا کو نہ جاؤ اور اس کام کو پورا کرو۔ اس کے بعد حاکم بصرہ زیاد کو خط لکھا کہ مغیرہ بن شعبہ نے اہل کوفہ کو یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دی ہے۔ تمہارے لیے مناسب ہے کہ تم بھی اپنے بھتیجے کے لیے اس کام کو انجام دو۔ جب میرا خط تمہیں ملے تو تم اہل بصرہ کو جمع کر کے ان سے یزید کے لیے بیعت لے لو۔

زیاد نے اپنے معتمد ساتھی کو امیر معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اے امیر! یزید جو ہر وقت شراب کے نشے میں ڈھکتا رہتا ہے جسے گتے اور بندر پالنے کے علاوہ اور کچھ کام نہیں، نازق برق لباس پہن کر تمام دن ناچ گانے میں مصروف رہتا ہے۔ اگر تم اس کے لیے لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کریں گے تو حسین بن علی (علیہما السلام) عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر جیسے لوگوں کی موجودگی میں وہ ہمیں کیا جواب دیں گے۔ آپ یزید سے کہیں کہ سال دو سال کے لیے وہ ان بزرگوں کے طور طریقے اختیار کرے تاکہ ہم آپ کے بعد لوگوں کو اس کی بیعت پر راضی کر سکیں۔

امیر معاویہ نے جب یہ بات سنی تو بہت برہم ہوا۔ اس نے زور سے چیخ کر کہا: مجھ



پر تفت ہو کہ میں نے عبید کے بیٹے سے اس قسم کی بات سُنی ہے۔ غالباً اسے لوگوں نے کہا ہے کہ میرے بعد خلافت اس کو مل جائے گی تو خدا کی قسم! میں اسے اپنا بھائی نہیں بناتا اور اس کے نسب کو اس کی ماں سُمنیہ اور باپ عبید کی طرف لوٹا دوں گا۔

مال و دولت جو ہر زمانے کا سب سے بڑا اور مؤثر جادو ہے اور مخالفت کو ختم کر دیتا ہے اس سے کام لیتے ہوئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حق السکوت کے طور پر ایک لاکھ درہم کی خطیر رقم بھیج دی گئی جو انہوں نے وصول کر لی، لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے یزید کی بیعت کی مخالفت کی۔

امیر معاویہ نے ابتدا میں مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں بیعت لینے کا کام مکمل کر لیا تو مدینہ کی اہمیت کے پیش نظر مروان بن حکم کو اہل مدینہ سے یزید کے لیے بیعت لینے کا حکم دے دیا۔ مروان نے وہاں جا کر جب لوگوں سے یہ مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ عبدالرحمن بن ابوبکر نے کہا: مروان تم غلط کہتے ہو، معاویہ بھی غلطی و گمراہی پر ہے۔ تم امت محمدی کے بھی خواہ نہیں۔ اس لیے ہی تم خلافت کو روم کی شہنشاہی کی طرح موروثی بنانا چاہتے ہو کہ ایک بادشاہ کے بعد دوسرا بادشاہ تخت نشین ہو جائے۔ امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن زبیر نے بھی اس کی مخالفت کی۔

اس کے بعد معاویہ حج کے ارادے سے شام سے روانہ ہوا اور مدینہ آیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمن بن ابوبکر سے سختی سے پیش آیا اور ان پر غیض و غضب کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور یزید کی قابلیت و لیاقت کے گن گائے اور کہا: تمام مسلمانوں نے تمہارے سوا یزید کی بیعت کر لی ہے۔ مدینہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کو اتنی نظر انداز کر دیا۔ اب تم سب یزید کی بیعت کر لو۔ امام حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا: خدا کی قسم! میں اس شخص کو نظر انداز

۱۔ لے کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۰

۲۔ عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۱۵



کر رہے ہو جو بذاتِ خود نیرید سے بدرجہا بہتر ہے اور جس کے ماں باپ نیرید کے ماں باپ کہیں برتر ہیں۔ اس پر معاویہ نے کہا: یہ سب کچھ تم اپنے بارے میں کہہ رہے ہو نا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ بولا! تم نے یہ درست کہا ہے کہ تمہاری ماں فاطمہ بنتِ رسولؐ خدا نیرید کی ماں سے بہتر تھیں اور ان کی شاندار اور پاک و پاکیزہ زندگی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خدا کی قسم! نیرید کی ماں سے تمہاری ماں فاطمہ بنتِ رسولؐ خدا بدرجہا بہتر ہیں لیکن تمہارا یہ کہنا کہ تمہارا باپ نیرید کے باپ سے بہتر ہے درست نہیں کیونکہ خدا نے تمہارے باپ پر مجھے برتری دی ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تم بھول گئے ہو کہ تم نے اس ناپائدار اور جلد ختم ہونے والی دنیا کو ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا پر ترجیح دی ہے اور لداؤ دنیا کو آخروی آسائشوں پر مقدم جانا ہے۔ اس کے بعد معاویہ بولا! تم کہتے ہو کہ تم نیرید سے بہتر ہو تو خدا کی قسم! اُمتِ مسلمہ کے لیے نیرید تم سے بہت بہتر اور مناسب ہے۔ حسینؑ نے ارشاد فرمایا: یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ کیا عیش پسند، آوارہ نش اور بے حد شراب پینے والا نیرید مجھ سے بہتر ہو سکتا ہے؟ یہ تمام گفتگو معاویہ نے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ مسلمانانِ مدینہ کے سامنے کی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے نزدیک حق یا حقیقت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس گفتگو کے بعد بھی اس نے نیرید کی بیعت کے سلسلے میں اپنی بات جاری رکھی۔

معاویہ نے کچھ دن مدینے میں قیام کیا۔ اور نیرید کی بیعت لینے کے لیے ابتدائی انتظامات مکمل کر لیے۔ جب اس نے دیکھا کہ مذکورہ بالا چار افراد کسی صورت بھی بیعت کرنے پر تیار نہیں ہوتے تو اس نے اور ترکیب سوچی کہ ایک جگہ ان سب کو اور لوگوں کے ہمراہ جمع کیا۔ اور ہر ایک پر دو مسلح سپاہی مامور کر دیے اور ان سے کہا کہ اگر ان



کے منہ سے میری تصدیق یا تکذیب میں کوئی بھی حرف نکلے تو تم ان کا سر گردن سے جدا کر دینا۔ اس کے بعد منبر پر چڑھ بیٹھا اور کہا کہ قوم کی یہ مقتدر ہستیاں بھی یزید کی بیعت پر راضی ہیں۔ لہذا تم سب بھی بیعت کر لو۔ چنانچہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ اور اس کا مقصد پورا ہو گیا۔

## انسان کے روپ میں حیوان

تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ یزید ہرگز حکومت و سلطنت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل نہ تھا۔ اس کی زندگی عیش و عشرت اور منجھاری میں گزرتی تھی۔ اس کی رات شراب کی مستی میں اور دن حالتِ خماری میں گزرتا تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد عیش و معشوق کے سوا کچھ نہ تھا۔ طہ احسین لکھتے ہیں: ”وہ کبھی لہو و لعب اور فسق و فجور سے نہ اکتاتا تھا۔“

علی بن حسین مسعودی نے مروج الذهب میں یہ واقعہ نقل کیا ہے: یزید عیش و عشرت کا دلدادہ اور ہوا و ہوس کا شکار تھا۔ وہ گتے، بندر اور چیتے پالتا، ان سے لطف اندوز ہوتا اور محافل عیش و طرب آراستہ کرتا تھا۔ چنانچہ شہادت امام حسین علیہ السلام سے صرف ایک دن قبل یزید اپنی محفل شراب نوشی میں ابن زیاد کے ہمراہ بیٹھا ہوا ساتی سے کہہ رہا تھا:

اسقنی شربة تروى مشاشی      ثم صل فاسق مثلها بن زیاد  
صاحب السروال ما تہ عندی      ولتسديد مغنی وجہادی

اے ساتی! مجھے وہ جام شراب پلا جو میری نرم ہڈیوں کو سیراب کر دے۔ اس کی لذت ہڈیوں تک پہنچے۔ پھر ابن زیاد کو بھی ایسا ہی جام پیش کر کیونکہ وہ میرا ہمراز و ہم نشین ہے۔ میری خلافت کی بنیادیں اس نے استوار کی ہیں۔ میرا جہاد بھی اس کے دم سے ہے۔

۱۔ الامامۃ والسیاستہ ج ۱ ص ۱۹۰۔ کمال ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵۲ کمال میں نقل کیا گیا کہ یہ کام مکہ میں ہوا ہے۔



اس کے بعد رقصاؤں کو رقص و سرود شروع کرنے کا حکم دیا۔ یزید کی عیاشیاں آہستہ آہستہ اس کے عمال اور اس کے دربار کے ہر کہ دمہ میں بھی سرایت کر گئیں اور وہ بھی ان اعمالِ بد کے عادی ہو گئے۔ پھر یہ مرض اور بڑھا اور اس نے امتِ مسلمہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور لوگ دین سے بے پروائی برتنے لگے۔ چنانچہ اس زمانے میں مکہ و مدینے جیسے مراکزِ اسلامی میں بھی رقص و سرود گانا بجانا اور شراب خوری جیسی برائیوں پھیل گئیں۔ لوگوں نے ظاہرہ اور پوشیدہ دونوں طرح سے شراب پینا شروع کر دی۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسرے عیوب بھی لوگوں میں پیدا ہو گئے۔ یزید نے ابوقیس نامی ایک بندر پال رکھا تھا جو دربار میں بھی اس کے ساتھ ایک مسند پر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ ایک انتہائی مکروہ و غلیظ بندر تھا۔ اس بندر کو ایک گدھی پر سوار کیا جاتا جس پر زمین کسی ہوتی تھی اور اس کی لگام بندر کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ یوں یہ گھوڑ دوڑ میں حصہ لیتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے یہ دوڑ جیت بھی لی۔ اس وقت اس نے رنگین ریشمی ٹوپی اور حریر کا لباس پہن رکھا تھا۔ یزید امتِ مسلمہ کا فرعون تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی امت کے لیے فرعون اس سے زیادہ بہتر انسان اور منصف حکمران تھا۔

یزید کے بارے میں صاحب مروج الذهب کے رائے ورج ہو چکی۔ مقامِ غوثیہ کہ معاویہ نے ثلثِ اسلامیہ کو یزید جیسا حکمران دیا جو کسی طرح بھی اس منصب کا اہل نہ تھا۔ لیکن معاویہ اس کو انتہائی ڈھٹائی سے خلافت کے لیے مناسب ترین شخص کہتا تھا جیسا کہ اس نے امام حسین علیہ السلام کو مسجد نبوی میں کہا کہ خدا کی قسم! یزید خلافت کے لیے تم سے زیادہ مناسب و بہتر ہے۔

یعقوبی لکھتا ہے: جب عبداللہ بن عمر سے یزید کی بیعت کے لیے کہا گیا تو انھوں نے کہا: کیا ہم اس شخص کی بیعت کریں جسے کتوں اور بندروں سے کھیلنے اور فسق و فجور کے



ارتکاب کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔ اس کی بیعت کا جواز ہم بارگاہِ خداوندی میں  
کیا پیش کریں گے یہ

معاویہ نے یزید کو روم کی فتح کے لیے سفیان بن عوف کی سرکردگی میں جانے والے  
شکر کے ہمراہ اس خیال سے بھیجا تھا کہ اس طرح مجاہدین کی صف میں شمار ہو کر اسے کوئی  
نقام حاصل ہو جائے گا۔ جب یہ لشکر غزقذونہ پہنچا تو اہل لشکر بخارا اور چچیک میں مبتلا ہو گئے۔  
ہاں ایک کلیسا تھا جو کلیسائے مران کے نام سے معروف تھا۔ یزید اس میں اپنی بیوی ام کلثوم  
کے ساتھ رنگ رلیاں منارہا تھا۔ جب اس کو یہ اطلاع دی گئی کہ لشکر پر یہ مصیبت آئی ہے  
عیش و نشاط سے کبھی نہ اکتانے والے اس انسان نے بڑی شان بے نیازی سے یہ اشعار

ان ابالی بملا وقت جموعہم      بالفذقذونۃ من حمی ومن موم  
انکانت علی الانماط فی غرف      بدیرمران عندی ام کلثوم  
یعنی مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ غزقذونہ میں بخارا اور چچیک کی وجہ سے  
شکر پر کیا مصیبت آئی ہے۔ اس وقت میں کلیسائے مران میں تکیوں سے ٹیک لگائے  
بٹھا ہوں اور ام کلثوم میرے پہلو میں ہے۔ اس اسیر شہوت کے یہ چند اشعار  
مراب کی تعریف میں ہیں جسے زندگی میں بے و معشوق اور عیش و عشرت کے  
وا اور کچھ درکار نہ تھا، کہتا ہے:

سیۃ کرم برجھا قعد نہا      ومشرقھا الساقی ومغربھا فی  
انزلت من نہا ہی زجاجة      حکت نضراً بین الحطیم و زمزم  
ن حرمت یوما علی دین احمد      فخرھا علی دین المسیح بن مریمؑ

تتمۃ المنتہی جلد ۱ صفحہ ۶۵۔ دوسرا شعر آقائے غفاری کی کتاب ”بررسی وقایع عاشورا“ کے مقدمے  
سے نقل کیا گیا ہے۔ لے تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۱۶۵



اس نے شراب کو خورشید سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ میرا آفتاب انگور سے بنا ہے  
 اس کا مشرق ساقی کا ہاتھ ہے اور اس کا مغرب میرا منہ ہے۔ جب جام میں اٹھیلی جاتی  
 ہے تو قلقل مینا اور سطح شراب پر تیرتے ہوئے بلبلکے ان حاجیوں کی یاد دلاتے ہیں جو دیوار  
 کعبہ اور چاہ زمزم کے درمیان تیزی سے ادھر ادھر آتے ہیں۔ اگر یہ شراب دین محمد صلی  
 اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حرام کر دی گئی ہے تو دین عیسیٰ کی رو سے اسے تیار کر اور اس سے  
 لطف اندوز ہو۔

یزید اپنے میخوار ساتھیوں کو مے نوشی کی ترغیب دلانے کے لیے کہتا ہے:

معشر الندمان قوموا واسمعوا صوت الاغانی

واشربو کاس مدام واترکوا ذکرا المعانی

شغلتنی نعمة العیدان عن صوت الاغانی،

وتعوضت عن الحور عجوڑا فی الدنانیر

اے ہم جلیسو اٹھو اور اربابِ نعمہ کے کیف اور نعمات سے لطفِ سماعت اٹھاؤ،  
 کام و دہن کو مے ناب کے پے در پے جاموں سے لذت بخشو، دقیق علمی بحثوں کو ختم کر دو۔ ان  
 سازوں سے جو دلفریب نعمات نکلتے ہیں وہ مجھے صدائے اللہ اکبر سے غافل کر دیتے ہیں  
 میں تلچھٹ کے موتیوں کو حورانِ بہشت کا نعم البدل سمجھتا ہوں۔ قلبِ انسان کو مٹلاطم کر نیوالے  
 یہ نعمات و موسیقی، یہ دل لہجانے والا رقص اور ان مہوش رقاصوں کے متناسب بدن خواہشات  
 نفسانی کو ہمیز کرتے ہیں۔ مجھے نہ حورانِ جنت کی ضرورت ہے نہ کسی اور چیز کی، میرے لیے تو  
 اس سُرخ شراب کے پیالے ہی کافی ہیں۔

ابن اثیر رقم طراز ہے کہ حاکم مدینہ نے اہل مدینہ میں سے چند لوگوں کو دربارِ  
 یزید میں بھیجا۔ یزید بہت گر بخوشی سے پیش آیا۔ اور ان لوگوں کو خطیر رقوم عطا کیں۔ اس کے



باوجود بھی واپس آنے کے بعد انھوں نے اس کی عیب جوئی شروع کر دی اور کہنے لگے: ہم اس شخص کے پاس سے ہو کر آئے ہیں جس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اسے رقص و سرود اور شراب نوشی سے سروکار ہے۔ وہ گتے پالنے کا عادی ہے چور اچکے اس کے ہاں صاحبِ عزت ہیں۔ لوگو! جان لو کہ ہم نے اسے خلافت سے خارج کر دیا ہے۔

سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب اہل مدینہ نے یزید کے خلاف شورش کر دی اور حاکم مدینہ کو شہر سے نکال دیا، تو ان کے قائد عبداللہ بن حنظلہ نے کہا: خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف بغاوت نہ کرتے اگر ہم محسوس نہ کرتے کہ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی۔ کیونکہ یزید وہ شخص ہے کہ جس کی دستبرد سے اس کی ماں، بہن اور بیٹی بھی محفوظ نہیں۔ وہ ہمیشہ شراب کے نشے میں ڈھلتا رہتا ہے اور اس نے اولاد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے جرم و خطا تہ تیغ کیا ہے۔ اگلے صفحات میں ان کفر آمیز اشعار کا جائزہ پیش کیا جائے گا جو یزید نے اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کے شام میں داخل ہونے کے موقع پر پڑھے تھے۔ یہ اس انسان ناجیوان کا اصل روپ ہے جسے زبردستی مسلمانوں پر حاکم بنا کر مسلط کر دیا گیا۔ جس کے ناپاک وجود میں تمام خباثیں مجتمع تھیں۔ شیطان مردود اس کے آستانے پر اظہارِ عقیدت کرتا تھا اور وہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین اور عالم اسلام کا مالک و حاکم بنا بیٹھا تھا۔ یہ ذلیل ترین انسان جس کے اعصاب کثرتِ شراب نوشی سے مفلوج ہو چکے تھے۔ عظیم ترین شریعت اسلامی کو نظر حقارت سے دیکھتا تھا اور اس کی تعلیمات کا مذاق اڑاتا تھا۔

اگر ان حالات میں امام حسین علیہ السلام خاموشی اختیار کر لیتے یا یزید کی بیعت کر کے اس کے معاون کاربن جاتے تو اسلام نیست و نابود ہو جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ



وسلم کی برداشت کردہ تمام تر تکالیف و مصائب کا یہ ثمرہ برباد ہو جاتا۔

امام عالی مقام علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ نے تاریخ کے دھارے کو کس طرح موڑا اور نبو امیہ کا حساب کتاب اسلام سے کیسے یکسر جدا کر دیا۔ اس کا بخوبی اندازہ اس وقت ہو گا جب ہم آئندہ ابواب میں امام حسین علیہ السلام کے تاریخی مشن کے نتائج پر بحث کریں گے۔

اب تک ہم حضرت عمر رضا کے دور سے لے کر یزید کے مطالبہ بیعت تک رونما ہونے والے واقعات سے آگاہ ہو چکے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے ان حالات سے نمٹنے کے لیے کیا اقدامات کیے۔

## معاویہ کے دور حکومت میں امام حسین کا موقف

امام حسین علیہ السلام کے حالات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاویہ کے زمانے میں آپ ہمیشہ اولاد ابوسفیان کی ظالمانہ حکومت کے خلاف اقدام کرنے پر غور و فکر فرماتے رہے۔ آپ اس کے خلاف شریعت کے کاموں پر برابر تنقید فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اپنے برادر بزرگ جناب امام حسن علیہ السلام کے معاہدہ صلح اور معاویہ کے وجود کو وہ عملی اقدام کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے اور اس کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ یہ تینوں حقائق چونکہ مستقل اور طویل بحث کے متقاضی ہیں۔ اس لیے اگلے صفحات میں زیر بحث مطالب میں بھی یہ اہم موضوع ہوں گے۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "الامامۃ والسیاستہ" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے :

"معاویہ کے ساتھ امام حسن علیہ السلام کی صلح کے موقع پر شیعہ عمائدین میں سلیمان بن صرد کو فتنے میں موجود نہ تھے۔ واپسی پر انھیں معاہدہ صلح کا علم ہوا اس وقت تک امام حسن علیہ السلام اہل حرم کے ساتھ مدینے منتقل ہو چکے تھے



چنانچہ سلیمان بھی مدینے روانہ ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر امام علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ اس معاہدے کو توڑ دیا جائے اور معاویہ کے ساتھ جنگ کی تیاری نئے سرے سے کی جائے۔ لیکن امام عالی مقام نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا: جب تک معاویہ بقید حیات ہے یہ کام قرین مصلحت نہیں۔ ان سے یا یوس ہو کر وہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی بات ان کی خدمت میں عرض کی۔ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: لیکن کل رجال منکم جلسا من احلاس بینة ما دام معاویة حیفا نھا بیعة کنت واللہ لہا کارھا فان هلك معاویة نظرنا ونظرتم وراؤنا وراؤتم۔

جب تک معاویہ زندہ ہے۔ خاموشی اختیار کرو اور کوئی اقدام نہ کرو۔ معاویہ کے ساتھ جو صلح ہوئی ہے خدا کی قسم! میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ جب معاویہ کا انتقال

ہو جائے گا تو ہم اور تم حالات کا جائزہ لے کر اپنے عزائم کی تکمیل کریں گے۔

اس گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ معاویہ کے خلاف مسلح اقدام کو کسی طرح بھی مفید اور سود مند نہ سمجھتے تھے۔ پھر اس کے ساتھ ہونے والے معاہدہ صلح کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ ہمیں پہلے تو اس امر پر غور کرنا ہے کہ معاویہ کی زندگی میں اس کے خلاف کارروائی کیوں قرین مصلحت نہ تھی۔ پھر اس کا جائزہ لینا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کے ہاتھوں ہونے والے معاہدہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیوں کیا؟

امیر شام کی زندگی میں کوئی قدم نہ اٹھانے کی ایک وجہ یہ تھی کہ حالات ابھی اس مقصد کے لیے سازگار نہ تھے۔ مجاہدین اہل بیت علیہم السلام کے سوا اکثریت خونِ حسرت عثمان کی قصاص طلبی کو عین حق تصور کرتی تھی اور اس سے ناواقف تھی کہ معاویہ نے یہ ڈھونگ محض سیاسی مفاد کے حصول کے لیے رچا رکھا تھا۔ معاویہ کے پاس تبلیغ کے اتنے مضبوط اور وسیع



ذرائع تھے کہ اس نے اولاد علی علیہ السلام کو فتنہ و فساد اور مہنگا مہ برپا کر نیوالے اور بنو امیہ خصوصاً اپنے آپ کو صلح پسند اور امن و آشتی کا دلدادہ مشہور کر رکھا تھا۔

صلح امام حسن علیہ السلام کا دوسرا سبب جو بیان ہو چکا ہے یہ تھا کہ لوگ اس ظالم اور مطلق العنان حکومت کے ظلم و ستم کا مزہ ایک عرصے تک چکھ لیں تاکہ امام حسین علیہ السلام جیسے طیب و طاہر اور عظیم انسان کا ساتھ دے سکیں اور ان کے مشن کی روشنی میں بنو امیہ کی اس ظالمانہ حکومت کے خلاف جدوجہد جاری رکھ سکیں۔

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ معاویہ کے زمانے میں حالات معرکہ کر بلا جیسے معرکہ کے لیے سازگار نہ تھے۔ چنانچہ ایک محقق کی رائے ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کی جگہ ہوتے تو وہ بھی معاویہ سے صلح کر لیتے اور اگر امام حسن علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کی جگہ ہوتے تو یقیناً وہ بھی کر بلا میں یزیدیت کے خلاف اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں نثار کر دیتے۔<sup>۷</sup>

اگر امام حسین علیہ السلام دور معاویہ میں ہی اپنے مشن کا آغاز کر دیتے تو معاویہ اپنی عیارانہ تدبیروں سے انھیں شہید کروا سکتا تھا اور پھر ان کے خون ناحق پر پردہ بھی ڈال سکتا تھا۔ امام دیکھ رہے تھے کہ حالات آہستہ آہستہ ان کے مشن کی کامیابی کے لیے سازگار ہو رہے ہیں۔ بنو امیہ کو اقتدار حاصل ہوا اور حالات ان کے لیے سازگار ہوتے گئے۔ انھیں عوام کی آزادی سلب کرنے، انھیں ذہنی کرب میں مبتلا کرنے، بیت المال کو اپنے لیے حشر و حرج کرنے اور حکومت کو اپنی موردی سلطنت بنانے کے مواقع ملتے تھے۔ عوام کی اکثریت نے اس حکومت باطلہ کے مظالم کا مزہ چکھا تو انھوں نے دل میں بنو امیہ کی اس ظالم حکومت اور ان ستمگر دشمنان انسانیت کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بہت سے لوگ دل ہی دل میں ناجائز طریقے سے قائم ہونے والی اس حکومت کے زوال اور خاتمے کی آرزو کرتے تھے۔ یوں

۱۔ سید مہتاب اللہ شہرستانی نے مجلہ "نور دانش" میں اس خیال کا اظہار فرمایا ہے۔



معرکہ حق و باطل کے لیے زمین ہموار ہوتی گئی۔ اور دورِ نرید تک حالات مکمل طور پر اس کے لیے استوار ہو گئے۔ اور انھوں نے کرب و بلا کے خزیں معرکے کو جنم دیا۔ اور اس نے اولادِ ابوسفیان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

معاویہ کو سبکِ راہ قرار دینے کی ایک وجہ امام حسن علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان طے پانے والا معاہدہ صلح بھی تھا۔ اور امام حسین علیہ السلام نے اپنے برادرِ بزرگ کی پیروی فرماتے ہوئے وقت کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر اس سے اتفاق کیا تھا۔ اگرچہ امام عالی مقام اس سے خوش نہ تھے۔ لیکن اسے قابلِ احترام سمجھتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے شیعہ عالمِ جدید شیخ مفید علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے

ہیں:

”جب امام حسن علیہ السلام نے دار فانی سے کوچ کیا تو شیعانِ عراق معاویہ کے خلاف تحریک چلانے کی فکر کرنے لگے۔ اور انھوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا کہ ہم معاویہ کو خلافت سے خارج سمجھتے ہیں اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ امام عالی مقام نے اس سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا: کہ میرے اور معاویہ کے درمیان معاہدہ طے پا چکا ہے اور اس کی مدت ختم ہونے سے قبل اس کی خلافت ورزی جائز نہیں۔ جب معاویہ کا انتقال ہو جائے گا تو پھر ہم اس سلسلے میں اپنا پروگرام مرتب کریں گے۔“

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خداوندِ عالم کے مقرب خاص بندے ہمیشہ انسانیت کے اصولوں کا احترام کرتے ہیں اور انسانی عقل و شعور کے تقاضوں کے ہمیشہ پابند ہوتے ہیں۔ ان کی

۱۔ آپ کا معاہدہ صلح سے اختلاف کس سبب سے تھا، اس پر آئندہ بحث ہوگی۔

۲۔ ارشاد مفید صفحہ ۱۸۲، اعلام الرمی صفحہ ۲۲۰



شخصیتیں اوصافِ حمیدہ، اخلاقِ پسندیدہ اور تمام انسانی صفات کا مرقع ہوتی ہیں۔ خلاف انسانی  
اصولوں اور اخلاقِ ناپسندیدہ کو ان کے ہاں کوئی عمل دخل حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً پیغمبر اسلام  
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ اگر وہ رات کو دشمن کے پڑاؤ پر پہنچتے  
تھے تو اس پر حملہ نہ کرتے تھے۔ آپ کا حکم تھا کہ صبح تک دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس شخص  
پر حملہ کرنا آپ کی عالی صفات اور اعلیٰ عادات میں شامل نہ تھا جو اپنے دفاع سے غافل و غور  
استراحت ہو۔ معاویہ نے جنگ صفین میں لشکر امیر المؤمنین علیہ السلام پر پانی بند کر دیا۔ اگرچہ  
عمر بن عاص نے اس غیر انسانی حرکت سے منع کیا تھا لیکن وہ اسے ایک طرح کی فتح سمجھتا تھا۔  
آپ کے ساتھیوں نے معمولی سی جنگ کے بعد ہی پانی پر قبضہ کر لیا۔ معاویہ اس صورت  
حال سے سخت پریشان ہوا، کیونکہ ممکن تھا حضرت علی علیہ السلام بھی اپنے غلبے اور فتح  
کے اظہار کے طور پر لشکرِ شام کا پانی بند کر دیتے۔ عمر بن عاص جو عرب قوم کا عیار و چالاک  
ترین فرد تھا اور جس نے صفین میں تالشی کا ڈھونگ رچایا تھا اور جو حضرت علی علیہ السلام  
کو اچھی طرح جانتا تھا اس نے معاویہ کو تسلی دی اور کہا: حضرت علی علیہ السلام تمہارے  
ساتھ وہ رویہ اختیار نہ کریں گے جو تو نے ان کے ساتھ روا رکھا ہے۔  
عمر بن عاص کی یہ پیشگوئی درست ثابت ہوئی۔ امام عالی مقام کے ساتھیوں نے  
گزارش کی کہ پانی کے معاملے میں جو ابابوہی رویہ اختیار کیا جاوے لیکن معراجِ انسانی پر  
فائز اس انسانِ کامل نے ان کے جواب میں جو کلمہ ارشاد فرمایا وہ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔  
کذلت امنع عنہم ماءً ااحلوا للہ علیہم۔ میں اس پانی کو ان پر ہرگز بند نہیں  
کر سکتا جو خدا نے ان کے لیے حلال کیا ہے۔

۱۵ جنایات تاریخ جلد ۱ صفحہ ۸

۱۶ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۳۴

۱۷ نہضتہ الحسین تالیف شہرستانی صفحہ ۲۷۱۔



اسی طرح صفین کے خوفناک خونیں معرکے میں جب عمر و بن عاص حضرت علی علیہ السلام کا مقابلہ کرتا ہوا زمین پر گر گیا اور اُسے یہ معلوم ہوا کہ اس کے مد مقابل فاتح خیبر ہیں تو وہ انتہائی خوف زدہ ہوا اور اس نے اپنی جان بچانے کی واحد صورت یہی دیکھی کہ اوندھا لیٹ جائے اور اپنے ستر کو عریاں کر دے تاکہ حضرت علیؑ اپنی مبارک آنکھوں کو ڈھانپ لیں اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر بھاگ جائے۔ چنانچہ اس نے یہی کیا اور جان بچائی۔ کیونکہ مولائے کائنات علیہ السلام نے اس کو جب اس بدترین حالت پہنچا رکھی میں دیکھا تو اپنا چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا۔ مؤلف کے خیال میں جو انسان اس بدترین اور شرمناک طریقے سے جو انسانوں کا قاعدہ نہیں، اپنی جان بچاتا ہو تو اسے قتل کرنا بہادری اور جرأت کے شایانِ شان نہیں۔

خدا کے برگزیدہ بندوں کی یہ چند صفات کا تذکرہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام نے شیعانِ کوفہ کے خط کے جواب میں معاویہ کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کا ذکر کیا اور فرمایا:

”میرے اور معاویہ کے درمیان جو عہد و پیمان ہو چکا ہے میں اس کو توڑ نہیں سکتا۔“

اپنے عہد کو پورا کرنا فضائل اخلاقی اور انسانیت کے اصولوں میں سے ہے اور امامؑ کے لیے بحیثیت انسان کامل اس کا پابند ہونا ضروری امر تھا۔

## امام حسین اور صلح امام حسن علیہما السلام

اگرچہ معاویہ کے ساتھ معاہدہ صلح امام حسن علیہ السلام کے توسط سے طے پایا تھا۔ لیکن امام حسین علیہ السلام نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، یہاں ہم اس بات پر غور کریں گے کہ حضرت نے کس وجہ سے سلیمان سے فرمایا کہ میں اس عہد و پیمان سے خوش نہ تھا؟ کیا آپ اپنے برادر بزرگوار امام حسن علیہ السلام کے نظریہ صلح کے مخالف تھے؟ امام حسین



علیہ السلام کی ناپسندیدگی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس معاہدے سے معاویہ کو تمام مسلمانوں پر مکی اختیار حاصل ہو گئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ امر خود امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جو معاویہ کی اصل حقیقت سے واقف تھے، کے نزدیک بھی غیر پسندیدہ اور مکروہ تھا۔ لیکن جیسا کہ مذکور ہوا، اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کا تقاضا تھا کہ یہ معاہدہ طے کیا جائے اور خلافت اسلامی کو بنو امیہ کی موروثی سلطنت میں بدل دیا جائے۔

اس وقت جنگ جاری رکھنا اور مصالحت نہ کرنا ہرگز مفید نہ تھا۔ یہ حقایق امام حسین علیہ السلام کی نظر سے پوشیدہ نہ تھے۔ اس کے ساتھ ہی اگرچہ وہ ذاتی طور پر اس معاہدہ کی روح کے خلاف تھے۔ لیکن اس کی تائید کیے بغیر بھی ان کے لیے کوئی چارہ نہ تھا۔

صلح امام حسن علیہ السلام سے متعلق امام حسین علیہ السلام کے موقف کے بارے میں بہت سے مؤرخین کو اشتباہ ہوا ہے اور اس کے متعلق بہت سی دور از حقیقت باتیں لکھی ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس پر بحث کریں۔ اور اصل حقیقت کو واضح کریں۔ مشہور عرب عالم اور مصنف طہ احین لکھتے ہیں :

”مؤرخین کے خیال میں امام حسین علیہ السلام اپنے برادر بزرگوار کے موقف سے متفق نہ تھے اور صلح کی طرف مائل نہ تھے۔ وہ اپنے بھائی جناب امام حسن کو جنگ کے لیے آمادہ کرنے پر بہت اصرار کرتے تھے لیکن امام حسن علیہ السلام ان کی بات پر توجہ نہ دیتے تھے بلکہ انھوں نے امام حسین علیہ السلام سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ان کے حکم سے سرتابی کریں گے تو انھیں مقید کر دیا جائے گا۔“ طبری نے تاریخ طبری میں بھی اسی قسم کی روایت درج کی ہے۔ لکھتا ہے :

امام حسن علیہ السلام نے اپنے بھائیوں جناب حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن جعفر کو بتایا کہ میں نے معاویہ کو مصالحت کے سلسلے میں خط لکھ رکھا



ہے۔ اس پر جناب حسین علیہ السلام نے کہا: خدا کے لیے معاویہ کے خلاف شہادت  
کاموں پر مہر تصدیق ثبت نہ کیجئے اور یوں والد بزرگوار حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ  
وجہہ کی تکذیب نہ کیجیے۔ امام حسن علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: آپ خاموش  
رہیں۔ میں اس معاملے میں آپ سے زیادہ بصیرت رکھتا ہوں۔

ابن حجر عسقلانی نے اس گفتگو کو زیادہ محتاط انداز میں پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:  
"امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے ساتھ صلح کے مسئلے پر اپنے بھائی جناب  
حسین علیہ السلام سے بات کی تو آپ نے اپنی ناپسندیدگی اور عدم رضا کا اظہار کیا۔  
اور اس اقدام سے باز رہنے کی درخواست کی۔ لیکن بالآخر امام حسن علیہ السلام  
کے اصرار پر اس سے متفق ہو گئے۔"

اہل سنت کے بعض مورخین نے اس معاملہ پر ایسی روایات درج کی ہیں، جن میں اس  
اختلاف کو اور بڑھا چڑھا کر سخت اور زشت الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ انہیں یہاں درج  
کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بطور نمونہ درج شدہ روایات ہی کافی ہیں۔  
شیعہ مصنفین و مورخین کی کتابوں میں اس بارے میں کچھ مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ  
ہمارے نزدیک یہ تمام باتیں دروغ گورادویوں کی خود ساختہ ہیں۔ کیونکہ امام حسین علیہ  
السلام اپنے بڑے بھائی جناب امام حسن علیہ السلام اس قدر واٹھگان اور ناپسندیدہ طریقے  
سے مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ امام وقت، حجت خدا اور واجب الطاعت تھے۔  
اس کے علاوہ سید الشہداء علیہ السلام کی نظر سے وہ حالات و اسباب بھی پوشیدہ نہ تھے۔  
جن کی وجہ سے جناب امام حسن علیہ السلام مصالحت پر مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے کوئی  
امر بھی خلاف عقل سرانجام نہ دیا تھا کہ امام حسینؑ اس کی مخالفت فرماتے۔



گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا کہ امام حسن علیہ السلام کو ان حالات سے سابقہ پڑا کہ جن میں مسلمانوں کے خون ناحق کو بہنے سے روکنے اور بے سبب کشت و خون کا سدباب کرنے کے لیے خلافت و حکومت سے کنارہ کشی کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اگر وہ جنگ کرتے تو تمام بنی ہاشم اور شیعیان علی کی شہادت یقینی تھی، لیکن اس شہادت سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

اگر ان امور کے باوجود بھی امام حسینؑ معاہدہ صلح سے متفق نہ تھے تو پھر انھوں نے سلیمان اور شیعہ عمائدین کی تجاویز کا مثبت جواب کیوں نہ دیا اور معاہدہ کے خلاف ان کے مجوزہ اقدامات کو معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کیوں تصور کیا اور اس کو نامنظور کیوں فرمایا۔ اگر صلح جناب حسن علیہ السلام کا مقصد بقول طبری امیرالمومنین علی علیہ السلام کے کاموں کی تکذیب تھی تو امام حسین علیہ السلام ایک لمحہ بھی خاموشی اختیار نہ کر سکتے تھے۔ اگر معاہدہ صلح سیرت امیرالمومنین علیہ السلام کے خلاف ہوتا تو خلاف سیرت و سنت رسول بھی ہوتا۔ پھر امام حسن علیہ السلام اس قسم کے کسی معاہدے پر دستخط کر کے اسے نافذ العمل کس طرح قرار دے سکتے تھے۔

علمائے شیعہ میں سے ابن شہر آشوب نے اس بارے میں ان حضرات کی جو گفتگو درج کی ہے وہ اس لیے قرین حقیقت ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہے اور اس میں دونوں بھائیوں کے باہمی احترام کی جھلک بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”جب امام حسین علیہ السلام کو اپنے برادر بزرگ کے اس ارادے کا علم ہوا تو روتے ہوئے ان کے حضور حاضر ہوئے اور کہا: ”جانِ برادر! کیا غضب ہوا کہ آپ خلافت کو معاہدہ کے سپرد کر رہے ہیں؟“ جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”اس کا سبب بھی وہی صورت حال ہے جو ہمارے اور آپ کے والد بزرگوار امیرالمومنین علیہ السلام کو پیش آئی تھی۔ سید الشہداء علیہ السلام“



اس جواب سے مطمئن ہو گئے اور وہاں سے تشریف لے گئے یہ

ہمیں معلوم ہے کہ ابتدائے اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کی گوشہ نشینی اور خاموشی کے دو اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ انہیں ایسے لوگوں کی مدد حاصل نہ تھی جس سے وہ مخالفین کا قلع قمع کر سکتے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی بہتری ان کے پیش نظر تھی۔ کیونکہ اسلام اس وقت داخلی انتشار کا متحمل نہ ہو سکتا تھا اور تصادم کی صورت میں مسلمانوں کے کشت و خون سے صرف منافقین ہی نائدہ اٹھا سکتے تھے۔

امام حسن علیہ السلام کے خلافت سے دست کش ہونے کے بھی یہی دو اسباب ہیں۔ لبتہ امام حسن کو مخلص لوگوں کی معیت و امداد اس لیے عیسر نہ آسکی کہ گزشتہ خلافتوں کی غلطیوں سے لوگ اسلامی خلافت کی حمایت سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اور ان کی توجہاں امر کز بنی اُمیہ کی پرشکوہ حکومت تھی۔ اور اس طرح آپ کو سیاسی شکست ہوئی۔

## انجمن مکہ

اس سے پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ معاویہ کے دور حکومت میں امام حسین علیہ السلام اس باطل حکومت کے خلاف مؤثر اقدام کرنے پر مسلسل غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ امام اس کے خلاف شرع اعمال پر تنقید فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے جو نمایاں قدم اٹھایا وہ انجمن مکہ کی تشکیل اور اس کے شرکا کے سامنے ان کو بیدار کرنے اور ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے والی تقریر تھی۔

طبرسی اپنی کتاب "احتجاج" میں لکھتے ہیں:

"معاویہ کے انتقال سے دو سال قبل امام حسین علیہ السلام زیارت کعبہ

۱۰ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۳۴ طبع جدید۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔ فقلت ما دعاك الى تسليم الخلافت؟ فقال الذي دعا اباك فيما تقدم



کے لیے تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر ان کے ہمسفر تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے اس سال نبی ہاشم کی تمام عورتوں اور مردوں ان کے محبتوں اور معتقدوں، اہل مدینہ میں سے قدر و منزلت شناسوں، اصحاب رسول، ان کی اولاد اور تابعین کو مکہ آنے کی دعوت دے رکھی تھی۔ چنانچہ میدان منیٰ میں ایک ہزار افراد ان کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے خطاب فرماتے ہوئے جو خطبہ پڑھا اس میں فرماتے ہیں:

”اما بعد فان هذه الطاغية قد صنع بنا وبشيئنا ما قد علمتم وقد رأيتكم  
 وشهدتم وبلغكم واني اريد ان اسئلكم عن اشياء فان صدقت قصدتوني  
 وان كذبت فكذبوني، اسمعوا مقالتي واكتبوا۔ قولی ثمر رجعو  
 الی مصاركم وقبائلکم من امنتم وولقتم به فادعوهم الی امانتکم  
 فانی اخاف ان یندرس هذا الحق ویذهب، واللہ مکنم نوسه  
 ولو کره الکافرون“

”اس ظالم اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والے شخص (معاویہ) نے ہمارے  
 قبیلوں کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھا ہے وہ آپ لوگوں کے علم میں ہے۔ آج  
 میں کچھ امور پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں حقائق کو پیش کروں تو میری  
 تصدیق کیجئے، ورنہ بصورت دیگر بلا جھجک میری بات جھٹلا دیجئے۔ میری باتوں  
 کو سنئے اور ان کو اپنے قلوب میں محفوظ کر لیجئے۔ پھر جب اپنے شہروں کو  
 لوٹیں اور اپنے قبیلوں میں واپس جائیں تو اپنے قابل اعتماد ہم وطنوں تک  
 میرا پیغام پہنچادیں۔ کیونکہ میں اس خطرے کو بھانپ رہا ہوں کہ کہیں یہ دینِ حق  
 فرسودہ ہو کر سرے سے ختم ہی نہ ہو جائے۔ اور خداوند قدوس اپنے نور کو

لے ایک محقق کے مطابق ایک نسخہ میں ”فاکتوا“ درج ہے یعنی میں جو کچھ کہوں اسے لکھ لو۔ مؤلف کے خیال میں یہی  
 لفظ درست ہے کیونکہ امام کا کلام پوشیدہ رکھنے کے لیے نہ تھا بلکہ اس کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت تھی۔



مکمل کر دیتا ہے، چاہے انکار کرنے والوں کے لیے یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اس دن امام حسین علیہ السلام نے ان تمام قرآنی آیات کی تلاوت اور تفسیر بیان فرمائی، جو اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی تھیں۔ پھر جو احادیث رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے والد گرامی قدر، والدہ محترمہ اور دیگر افراد خاندان کی شان میں تھیں۔ انھیں بیان فرمایا۔ حضرت ختمی مرتبت کے اصحاب نے آپ کی باتوں کی تصدیق کی اور کہا کہ ہاں ہم نے رسول خدا سے یہ احادیث اسی طرح سنی ہیں اور وہ واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ جن میں ان کی قدر و منزلت اور مقام سے لوگوں کو متعارف کروایا تھا۔ تابعین: (وہ افراد جو رسول خدا کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے تھے بلکہ آپ کی احادیث کو صحابہؓ سے سنا تھا۔) نے کہا کہ ہم حق گو اور امانت دار لوگوں سے ان احادیث کو اسی طرح سنا ہے جیسے آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب آپ لوگ واپس اپنے قبیلوں میں جائیں تو میرے پیغام کو قابل اعتماد لوگوں تک پہنچائیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ امام حسین علیہ السلام مناسب موقع اور حالات کی سازگاری کی تلاش میں تھے۔ تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے راہِ خدا میں اٹھ کھڑے ہوں۔ آپ نے حاضرین کو یہ تاکید کی کہ آپ کا پیغام اپنے علاقوں میں بھی پہنچائیں تاکہ مستقبل میں آپ کے اقدام کی حمایت کے لیے زمین ہموار ہو سکے۔ آپ نے ان کو اس خطرے کا احساس بھی دلایا کہ نبو امیہ کی ظالمانہ حکومت اگر زیادہ عرصے تک قائم رہی تو عین ممکن ہے دین اسلام نیست و نابود ہو جائے۔ معاویہ کے خلاف انسانیت اور غیر مناسب اقدامات پر اس لیے نکتہ چینی کی کہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو سکے کہ معاویہ اور اس کے ذرا و مشیر مسلمانوں پر حکومت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ الغرض انجمن مکہ کا قیام اس انقلاب کی ابتدا تھا جو مستقبل قریب میں برپا ہونے والا تھا۔

اشاعشری بزرگوں میں سے چوتھی صدی ہجری کے بزرگ مصنف حسن بن شعبہ نے اپنی کتاب



"تحف العقول" میں امام حسین علیہ السلام کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس کے بارے میں مولف کو یقین ہے کہ یہ امام عالی مقام کا وہی خطبہ ہے جو آپ نے "انجمن مکہ" کے قیام کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطبے میں آپ نے پہلے ظلم و ستم کے مقابلے میں خاموشی اختیار کرنے کے نتائج و عواقب سے ڈرایا پھر ان آیات کو نظر انداز کرنے کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماضی میں قوموں کی بدبختی کا سبب امر بالمعروف سے غفلت برتنا اور ظالم و جابر حکمرانوں کو برداشت کرنا تھا۔

اسے طاقتور جماعت! تم وہ لوگ ہو جنہیں خداوند عالم نے علم و خوبی اور نیکی دی ہے اور لوگوں کے دلوں پر تمہارا رعب طاری کر رکھا ہے۔ شریف تم سے معیار شرافت سیکھتا ہے اور کمزور تمہیں قابل احترام سمجھتا ہے۔ وہ جو مرا تب میں تمہارے برابر ہیں اور تمہیں ان پر کوئی حق حاصل نہیں۔ وہ بھی تمہیں اپنے آپ پر مقدم سمجھتے ہیں۔ لوگ اپنی جن ضروریات کو پورا کرنے سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ تو تم اس سلسلے میں ان کی مدد کرتے ہو۔ تم زمین پر بادشاہوں کے سے رعب و جلال اور بزرگوں جیسے عزت و احترام سے چلتے ہو۔ تمہیں یہ رعب و بدبہ اور عزت و تکریم اس لیے عطا ہوئی ہے کہ تم سے راہ خدا میں آواز حق بلند کرنے کی توقع رکھی گئی ہے۔ پس تم دین حق کی حمایت کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ۔ اگرچہ تم حقیقت سے غفلت برتتے ہو اور حق کے بہت سے حقوق کی ادائیگی نہیں کرتے۔ تم نے ائمہ کے حقوق کو انتہائی کم درجے کے حقوق سمجھ رکھا ہے۔ کمزوروں اور محتاجوں کے حقوق کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ تم اپنے حقوق کی تحصیل کی فکر میں رہتے ہو۔ تم نے خدا کی راہ میں مل و دولت صرف کیا ہے نہ اس کے لیے اپنی جان کو خدا کی راہ میں خطرے میں ڈالا ہے۔ تم نے خدا کی رضا کے لیے اقوام و قبائل سے دشمنی اختیار نہیں کی۔ اس کے باوجود تم لوگ حصول جنت کی خواہش رکھتے ہو۔ اور پیغمبروں کے ساتھ دباں رہنا اور عذاب خدا سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر عذاب کی مصیبت نہ آن پڑے کیونکہ تم اس منصب عزت پر فائز ہو جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ اگرچہ تم عنایت خداوندی سے لوگوں کے درمیان معزز و محترم ہو لیکن معرفت خدا رکھنے والوں کو محترم نہیں سمجھتے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ لوگ

۱۔ علی اکبر غفاری نے اپنی کتاب "بررسی تاریخ عاشورا" کے دیباچے میں ہم سے پہلے اس خیال کا اظہار کیا ہے۔



خدا سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا نہیں کرتے اور خدا کا خوف بھی نہیں رکھتے۔ تم اپنے اجداد کی قائم کردہ روایات کی خلاف ورزی سے مضطرب و پریشان ہو جاتے ہو، لیکن خدا و رسول کی قائم کردہ روایات اور متعین کردہ حدود کی تحقیر و تذلیل سے تم کوئی اثر نہیں لیتے، قوم کے اندھے، بہرے اور غریب کسان شہروں میں لاوارث بن گئے ہیں۔ لیکن ان کی حالت زار پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ تم اپنی طاقت و توانائی کے مطابق کوئی کام کرتے ہو نہ ہی اس شخص کی قدر کرتے ہو جو اپنے ان فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیتا ہو۔

تم اپنی سہل پسندی سے ظالموں کے ساتھ تعاون کرتے ہو اور اپنی زندگی بے حسی سے گزارتے ہو۔ خداوند قدوس نے تمہیں منکرات سے بچنے اور لوگوں کو اس سے باز رکھنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن تم اس فرمان الہی سے غافل ہو۔ یہ صورت حال تمہارے لیے بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ تم عمار کے حفظم راتب میں ناکام رہے ہو۔ کاش تم نے اس سلسلے میں جدوجہد کی ہوتی۔

امور سلطنت کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جو احکام خداوندی کو پورا علم رکھتے ہوں۔ حلال و حرام میں تمیز روا رکھتے ہوں۔ تم لوگ اس سلسلے میں جو مقام و منزلت رکھتے تھے تم سے چھین لی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے حق کا دامن چھوڑ دیا ہے اور سنت پیغمبری کے اتباع کے واضح و روشن راستے کو باہمی اختلافات کا سبب بنا لیا ہے۔ اگر تم لوگ منسائب پر نصیر کرنے اور استقلال و ثبات قدمی سے راہ خدا میں مشکلات برداشت کرنے تو امور حکومت تمہیں سونپ دیئے جاتے۔ لیکن تم نے اپنی جگہ خود ظالموں کو دے کر حکومت الہیہ ان کے حوالے کر دی ہے۔ تاکہ وہ قوانین الہی کے اجرا میں اپنے قیاس اور شکوک و شبہات کو بھی داخل کر دیں اور اپنی ہوا ہوس اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ان ذرائع کو استعمال کریں۔ تم اس ناپائدار زندگی پر خوش ہو اور موت سے فرار چاہتے ہو۔ تمہاری اس خواہش نے ان ظالموں کو امت مسلمہ پر مسلط کر دیا ہے۔

تم نے ظالموں کو کمزوروں پر غالب کر دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان میں سے اکثر کو غلام بنا لیا ہے اور بہت سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ وہ امور حکومت کو اپنی مرضی سے



چلاتے ہیں۔ (لوگوں کی خواہشات اور قوانین الہی کی پروا نہیں کرتے) اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی سے ملت اسلامیہ کو انہوں نے ذلت و خواری سے دوچار کر دیا ہے۔ وہ بدکاروں کی پیروی کرتے ہیں۔ احکام خداوندی کی خلاف ورزی میں وہ بڑے نڈر ہیں۔ ان کے خطیب ہر شہر میں منبروں پر ان کی شان بیان کرتے ہیں۔ تمام سلطنت اسلامی ان کے دستِ تصرف میں ہے۔ امت مسلمہ ان کی غلام ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اپنے حقوق کی حفاظت سے قاصر ہے۔ اس ظالم و سرکش گروہ کی دستبرد سے کوئی کمزور اور غریب انسان محفوظ نہیں وہ مالک کائنات خدائے عزوجل اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

ان حالات پر حیرانی کیوں نہ ہو، میں بجز استعجاب میں کیوں نہ غوطہ زن ہو جاؤں کہ زمین و غاباز، شمر، عوام سے زبردستی خراج وصول کرنے والے حاکموں کے تسلط میں ہے جو مومنین پر ظلم روا رکھتے ہیں۔ خداوند عالم گواہ ہے کہ ہم ان حالات میں کشمکش اور جدوجہد کر رہے ہیں اور وہی روزِ حشر اپنے وعدے کے مطابق ہمارے اور ان کے درمیان انصاف کرے گا۔

آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اے خدائے بزرگ و برتر تو جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا، اقدار کے حصول اور مال دولت کی خواہش میں نہیں کہا۔ اس سے میرا مقصد خود ستائی اور بڑائی کا تذکرہ بھی نہ تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تیرے دین کے طریقوں سے لوگوں کو باخبر کر دیں۔ تیری آبادیوں کو مکینوں کے لیے قابل رہائش بنا دیں۔ تاکہ مظلوم اور بے یار و مددگار انسانوں کو امن و سکون میسر آسکے۔ تیری طرف سے واجب ہونے والے امور اور تیرے احکام جاری ہو سکیں۔ (اس کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا) اے لوگو! اگر تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا اور ہمارے مقام و مرتبے سے آگاہ ہو کر ہمارے حقوق سے انصاف نہ کیا تو ظالم و جابر حکمران تم پر ہمیشہ کے لیے مسلط ہو جائیں گے اور تمہارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے دین میں کی شمع گل کر دیں گے۔ **حَبْنَا اللّٰہُ وَنَعْمَ الْوَكِیْلُ**

۱۔ تحف العقول، ص ۲۳۷ مکمل عربی متن کتاب کے آخر میں درج ہوگا۔



ہم امام حسین علیہ السلام کے جن مقاصد کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ امام عالی مقام کے لئے ان ارشادات عالیہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اور مزید تشریح و تفصیل کے متقاضی نہیں ہیں۔ امام علیہ السلام کے اس خطبے کی نمایاں خصوصیات، بنو امیہ کی غلط کاریوں کی نشان دہی اور ان پر تنقید، لوگوں کو ان بدکاروں کے خلافت جدوجہد کا پیغام، اجتماعی مصائب اور معاشرتی مفاسد مذکورہ، ایسے مواقع پر مسلمانوں کو ان پر عائد ہونے والے فریضوں کا احساس دلانا ہیں۔

اس خطبے سے ظاہر ہے کہ امام عالی مقام کے مخاطب وہ لوگ تھے جو سربراہ اور وہ اور اپنی سرشتی کے لیے شہرت رکھتے تھے۔ ان کی ذمہ داری بھی زیادہ تھی اور لازمی طور پر یہ وہی بیعت تھی جنہیں احتجاج طبرسی کے مطابق مکہ میں دعوت دی گئی تھی اور منی میں ان کی تعداد س ہزار سے زیادہ تھی۔

## معاویہ کا خط اور امام حسین کا جواب

جیسے کہ بیان کیا گیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے دور معاویہ میں حتی الامکان خاموشی اختیار کی اور اس کی غلط کاریوں، ظلم و ستم اور خلافت شرعیہ اعمال پر برابر احتجاج فرماتے رہے۔ چچہ آپ کے برا اور بزرگ امام حسن علیہ السلام کے بعد تمام کی تمام اسلامی مملکت ان کے اور ان کے پاکیزہ خانوادے کی مخالف ہو گئی تھی پھر بھی آپ نے ہمت نہ ہاری اور اپنے آپ کو دین اسلام امت مسلمہ کی حفاظت کے لیے مامور من اللہ سمجھتے ہوئے حالات پر کڑھی نظر رکھتے رہے۔

اگرچہ امیر شام معاویہ کے مقابلے میں حقیقی امامت نے دس سال تک تلوار کو نیام سے ہر نہ نکالا۔ لیکن کسی وقت بھی اس کے غیر شرعیہ اعمال پر سخت تنقید سے غفلت نہ برتی۔ آپ کی اس تاریک اور پُر آشوب دور میں محروموں اور مظلوموں کا بلجا و ماوا تھی۔ آپ ہی دین کے بھی خواہوں اور روشن ضمیر مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز تھے۔

یزید کے لیے بیعت لینے کی مہم کے دوران جب سعید بن عاص حاکم مدینہ نے اہل شہر



اور خصوصاً نبی ہاشم کے انکار کی خبر دہ بار شام کو وہی تو معاویہ نے مندرجہ ذیل خط امام حسین علیہ السلام کو بھیجا:

”اما بعد، مجھے آپ کے ان کاموں کی اطلاع ملی ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی تھا کہ آپ جیسا انسان ان کو انجام دے سکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو ایسی باتوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ انسان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے جیسے صاحب شرف و عظمت اور حامل قدر و منزلت کے طے کردہ معاہدے کا احترام کرتے ہوئے اس کی حفاظت کرے۔ اپنے لیے مصائب کا سامان نہ کرو، خدا سے ڈرو اور اس امت میں تفرقہ انتشار نہ ڈالو۔ اپنی، اپنے مذہب اور امت محمدیہ کی فکر کرو اور اس کی نگہداشت کرتے رہو اور اس بات کا خیال رکھو جو آپ سے ایسے کاموں کی توقع نہیں رکھتے انھیں یقین آئے۔“

اس خط میں معاویہ نے اپنے غیظوں و حربوں یعنی مکر و فریب، الزام تراشی اور دھمکیوں سے کام لیا ہے۔ اس کا دعوے ہے کہ یزید کی بیعت سے آپ کا انکار اور اس کی مخالفت میرے لیے ناقابل یقین ہے اور یہ عمل اس معاہدے کی خلاف ورزی ہے جس کا احترام آپ کے لیے ضروری ہے۔ اور میں ان کاموں کو بدامنی اور انتشار کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتا۔

امام حسین علیہ السلام وہ نہ تھے کہ فرزند نبی سفیان کی دھمکیوں سے مرعوب ہو جاتے چونکہ وہ ہمیشہ ہی اس کو ظلم و ستم اور حضور پاک کی سنت کو پس پشت ڈالنے سے روکنے کی سعی فرماتے تھے۔ آپ نے جواب میں درج ذیل خط اس کو تحریر کیا اور اس کے ظلم و ستم کو بے نقاب کیا۔ یہاں ہم اس کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو آپ کے موقف کی ایک اہم سند اور زندہ ثبوت ہے۔ عربی متن آئندہ صفحات میں درج ہوگا۔

۱۔ الامامہ والسیاستہ ج ۱ ص ۱۷۹۔ اس کا عربی متن آخر کتاب میں درج ہوگا۔

۲۔ اس معاہدہ صلح کی طرف اشارہ ہے جو امام حسن علیہ السلام اور امیر شام کے درمیان طے پایا۔



اما بعد تمہارا خط موصول ہوا تم نے لکھا ہے کہ تمہیں میرے ایسے کاموں کی اطلاع دی گئی ہے جن کی تمہیں مجھ سے توقع نہیں۔ تمہارے خیال میں مجھے ان امور سے کوئی واسطہ نہیں۔ (جان لو) خدا تعالیٰ ہی انسان کی راہنمائی اچھے کاموں کی طرف فرماتا اور ان کی بجا آوری کی توفیق دیتا ہے۔ تم نے میرے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ فتنہ پرور، چنل خور اور دروغ گو لوگوں کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ ان خارج از دین گمراہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ موجودہ حالات میں تمہارے ساتھ میں اختلاف یا جنگ کی فکر میں نہیں ہوں۔ اگرچہ تمہارے اور بنو امیہ کے ظالموں کے ساتھ جنگ ترک کرنے سے میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ تم لوگ وہ ستمگر ہو جنہوں نے حرام خدا کو حلال کر دیا ہے۔

معاویہ! کیا تو وہ نہیں جس نے حجر بن عدی کو ان کے ساتھیوں سمیت بلا جرم قتل کر دیا ہے۔ یہ وہ عابد و زاہد بندے تھے جو خلاف شرع امور کو ناجائز سمجھتے تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل پیرا تھے۔ ان کو بے انتہا ظلم و ستم سے شہید کر دیا گیا۔ جب کہ تو نے ان کے ساتھ حمد و سپان کر رکھا تھا، جس کو توڑ دیا گیا۔ اس کام میں تم نے خدا کی نافرمانی بڑی دلیری اور جرأت سے کی اور اس کے وعدے کو بیخ اوز ناچیز سمجھا۔ اسے معاویہ! کیا تو نے عمرو بن حمق کو شہید نہیں کیا، وہ شخص جس کا چہرہ عبادت و ریاضت سے لاغر ہو گیا تھا۔ تو نے اس کو امان دے کر پھر قتل کر دیا۔ امان بھی ایسی اگر ہر نون کو دی جاتی تو وہ کو مساروں سے اتر کر تیرے قریب بڑے اطمینان سے آجاتے۔

کیا تو نے زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان سے نسبت نہیں دی جس کے بارگاہ کچھ

۱۔ عمرو بن حمق خزاعی بزرگ صحابی اور حضرت علیؑ کے خواص میں سے تھے۔ ان کی شہادت اور ان کی بیوی کی اسیری ایک ایسی داستان ہے۔



پتہ نہ تھا تو نے اس کو فرزند ابوسفیان قرار دے کر اپنا بھائی بنا لیا۔ جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اولاد اس کی ہے جس کے عقیدے میں اس کی ماں ہو۔ زنا کار کو اولاد پر کوئی حق نہیں۔ (اس کا حصہ تپھر ہیں) تو نے حضور پاک کی سنت کو ترک کر دیا۔ اور پھر تو نے زیاد کو مسلمانوں پر اتنا تسلط دیا ہے کہ وہ ان کو قتل کرے چاہے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دے اور چاہے ان کو کھجور کے درختوں پر پھانسی دے دے۔

سبحان اللہ! اے معاویہ کیا تو اس امت میں سے نہیں۔ کیا وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ کیا ان کا تم سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ کیا تم حضرمی کے قاتل نہیں ہو۔ وہ حضرمی جس کے بارے میں تمہارے گورنر زیاد نے تم کو لکھا کہ یہ علی کے وین وائین کا بیرو ہے۔ علی (علیہ السلام) کا وہی وین ہے جو ان کے چھیرے بھائی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ اسی دین کے وسیلے سے آج تو اس مسند پر براجمان ہے۔ اگر دین علی نہ ہوتا تو تیری اور تیرے بزرگوں کی عظمت و بڑائی فقط گرمی اور سردی میں پڑا شوب تجارتی سفر ہی ہوتے (سورہ قریش کی طرف اشارہ ہے)۔ خدائے بزرگ و برتر نے ان مصائب سے تم کو ہمارے ذریعے سے نجات دی اور تم پر یہ احسان کیا۔ اپنے خط میں تم نے لکھا ہے کہ میں اس امت میں تفرقہ نہ ڈالوں اور اس کو مصائب و مشکلات میں مبتلا نہ کروں۔ میرے نزدیک امت کے لیے تیری حکومت سے بڑا فتنہ کوئی نہیں۔ تم نے کہا ہے کہ مجھے اپنی، اپنے دین اور امت محمدیہ کی نگہداشت کی فکر کرنا چاہیے۔ خدا کی قسم! میں تیرے خلاف جہاد سے بڑی فضیلت نہیں دیکھ رہا۔ اگر میں جہاد کرتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے مقربین میں شمار ہوتا ہوں۔ اور اگر اس سے پہلو تھی کرتا ہوں تو اپنے خدا سے مغفرت کا امیدوار ہوں اور اس سے دست بردار ہوں کہ وہ مجھے اپنی رضا کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔



تم نے باتوں کے دوران لکھا ہے کہ اگر میں تمہارے خلاف سازش کروں گا تو تم بھی میرے خلاف سازش کرو گے۔ اسے معاویہ! تم سے جہاں تک ہو سکے میرے خلاف مکر و فریب اور حیلہ بازی سے کام لو۔ نیک اور صالح انسانوں کے خلاف یہ ہتھکنڈے استعمال کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ دنیا کی رسم کہن یہی ہے مجھے پوری امید ہے کہ تمہاری عیاری سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ تم اس میں اپنا نقصان ہی کرو گے اور اپنے اعمال کو ضائع و برباد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ پاؤ گے۔ پس تم سے جتنا ہو سکے میرے خلاف سازش کرو۔

معاویہ خدا سے ڈرو۔ جان لو کہ خدا کے پاس دفتر عمل ہے جس میں ہر بڑا اور چھوٹا عمل درج ہوتا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کبھی اس کو معاف نہ کرے گا کہ تم لوگوں کو گمراہ کرتے رہو اور الزام تراشی کرتے رہو۔ تم ایک ایسے بچے کو مسلمانوں کا امیر اور حکمران بنانا چاہتے ہو جو شراب خورد ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے۔ میں اس میں تمہاری ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔ تم نے اپنے دین کو تباہ کر دیا ہے اور عوام کو مجبور و محکوم کر کے رکھ دیا ہے۔ والسلام

امام عالی مقام نے اپنے اس نامہ مبارک میں معاویہ کی غلط کاریوں کو بے نقاب کر دیا ہے اور اس کی حکومت و سلطنت کو فتنہ و فساد اور بدبختی کا منبع قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ جنگ کو کرب الہی کے حصول کا ذریعہ اور کار عظیم شمار کیا ہے۔ اور آئندہ بننے والے خلیفہ یعنی یزید کو شراب خورد اور سگ باز بچے کے نام سے یاد کیا ہے اور ظالم و جفا کار زیاد کی سیہ کاریوں کو معاویہ کے گناہوں میں شمار کیا ہے۔

غرض یہ کہ امام حسین علیہ السلام کے حالات کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کسی وقت بھی آل سفیان کی حکومت کی حمایت نہیں کی اور ہمیشہ ہی اس جابر حکومت کے خلاف



اقدام کی فکر میں رہے۔ معاویہ نے اپنی پوری چالاکی اور عیاری سے کام لے کر امام حسین علیہ السلام سے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لینے کی کوشش کی۔ لالچ بھی دیا۔ دھکیوں سے بھی کام لیا۔ لیکن جب کسی طرح بھی کامیابی نہ ہوئی تو اس نے بالآخر مجبور ہو کر اس سے صرف نظر کیا۔ اور بہتری اس میں ہی جانی کہ اتنی ساری کوششوں میں ناکامی کے بعد اب اس کام میں زیادہ اصرار نہ کیا جائے۔ نیز یہ بیعت لینے کے بعد معاویہ زیادہ عرصہ تک بقید حیات نہ رہا۔ اس کی موت اور نیز یہ کے برسر اقتدار آنے سے حالات بدل گئے۔

امام حسین علیہ السلام کے موقف کے متعلق جو انھوں نے دور معاویہ میں اختیار کیا۔ اس باب میں تفصیلی بحث ہو چکی اب ہم دور نیز یہ کے حالات و واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔

## واقعہ کربلا ایک مقدس مشن تھا یا محض دفاع؟

مگر ہے بعض لوگوں کا خیال ہو کہ واقعہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا طرز عمل محض دفاعی تھا اور آپ کو نیز یہ کی ظالم و جابر حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور اگر اس سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا تو نبی اُمّیہ کی سیدہ کاریوں سے انھیں کوئی غرض نہ تھی اور وہ گوشہ نشین اختیار کر کے معمول کے مطابق زندگی گزارتے رہتے۔

یہ خیال بالکل غلط اور بے جا ہے۔ قطعی دلائل اس کو ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے ظلم و جور و باطل کے خلاف جدوجہد کی یا دور حاضر کی اصطلاح میں انقلاب برپا کیا۔ آپ کے فرامین عالیہ بغور مطالعہ اور فریقین کی کتابوں میں اس دور کے درج شدہ حالات کسی شک و شبہ کی گنجائش ختم کر دیتے ہیں۔

پچھلے باب میں واضح کیا گیا ہے کہ امام عالی مقام ہمیشہ ہی معاویہ کو اس کے اعمال باطلہ، رسانی خلق اور احکام خدا سے پہلو تھی پر مورد تنقید بناتے اور اظہار ناراضگی فرماتے تھے۔ معاویہ اور آپ کے درمیان شدید اعتراضات اور خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔ انجن مکہ کا قیام اور اس کے



شرکاء کے رو برو آپ کا شرر بار، جوشش عمل سے بھرپور خطبہ آئندہ انقلاب کی راہ ہموار کرنا تھا  
 حتیٰ کہ ایک دفعہ آپ نے معاویہ کے لیے یمن سے شام لے جائے والے مال و اسباب کو  
 روک کر بنی ہاشم میں تقسیم کر دیا۔ اور اس کی رسید اور ایک عتاب آمیز خط معاویہ کو بھجوا دیا۔  
 اس سے ظاہر ہے کہ اگر امام علیہ السلام انقلاب برپا کرنے کی نیت نہ رکھتے ہوتے تو  
 یہ امور وقوع پذیر نہ ہوتے۔ ابتدا میں ہم ان دلائل و براہین کا ذکر کریں گے۔ جن میں امام عالی  
 مقام کی تحریک انقلاب سے متعلق اشارے موجود ہیں۔ اور اس کے بعد وہ دلائل پیش کیے  
 جائیں گے جو اس مطلب کو واضح کرتے ہیں اور یہ سب کچھ خود آپ کے اقوال و فرامین سے  
 اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ جیسے جیسے منزل سے قریب تر ہوتے گئے، اس کی نشاندہی میں  
 زیادہ واضح اور روشن الفاظ فرماتے گئے۔ ۱۵ رجب شہ ۳۵ ہجری کو معاویہ کا انتقال ہوا اور  
 یزید نے اس کی جگہ سنبھالتے ہی سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے کی فکر  
 شروع کر دی۔ اس مقصد کے لیے اس نے حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھا کہ جس قدر جلد ہو  
 سکے۔ حسین بن علی علیہما السلام سے بیعت لے لی جائے اور کسی قسم کی تاخیر روانہ رکھی جائے۔  
 اس نے غیر یقینی مستقبل کا تصور کرتے ہوئے۔ ایک رات اپنے کارندے کے ذریعے امام  
 علیہ السلام کو دار الامارۃ میں طلب کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اعزاء و اقربا کی ایک مسلح جماعت اپنے ساتھ لے جانے  
 کے لیے تیار کی اور ان سے کہا کہ ولید نے مجھے اس وقت بلایا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ  
 کوئی ایسی بات تجویز کرے گا جو میں پوری نہ کروں گا۔ ان حالات میں میں مطمئن نہیں ہوں۔  
 تم لوگ میرے ساتھ چلو۔ جب میں اندر داخل ہو جاؤں تو تم دروازے پر ٹھہرے رہنا۔ جب  
 میری آواز بلند ہو تم لوگ اندر داخل ہو جانا اور مجھے ان کے فرسے محفوظ رکھنا۔

اس کے بعد امام ولید کے پاس تشریف لے آئے۔ اس نے گرم جوشی سے استقبال  
 کیا۔ معاویہ کے انتقال کی خبر کے بعد یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور بیعت کے مسئلہ پر گفت گو

لے برسی تاریخ عاشوراء ص ۱۳۔ بہ نقل از ابن الحدید



ہونے لگی۔ مروان بن حکم بھی وہاں موجود تھا اور ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ امام عالی مقام نے فرمایا:

”میرا خیال ہے کہ میری خطیہ بیعت سے کام نہ چلے گا۔ تمہاری خواہش ہوگی کہ اگر میں بیعت کروں تو لوگوں کے سامنے ظاہری طور پر کروں۔ ولید نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: پس صبح تک صبر کرو، تاکہ کوئی فیصلہ کر سکوں۔ ولید نے کہا:

آپ تشریف لے جائیے اور کل اس اجتماع میں شرکت فرمائیے جو اس مقصد کے لیے ہوگا۔“

مروان بن حکم جلدی اور فوراً کا قائل تھا۔ اس نے ولید سے کہا: خدا کی قسم! اگر حسین بن علیؑ (علیہما السلام) اب اس دروازے سے باہر نکل گئے تو وہ کبھی بیعت نہ کریں گے اور پھر ایسا موقع تمہیں میسر نہ آئے گا۔ انہیں قید کر لو اور جانے مت دو۔ یا تو ابھی بیعت لے لویا پھر ان کا سر قلم کر دو۔ امام حسینؑ کی جبین مبارک پر آثار غضب ظاہر ہوئے۔ اور مروان سے کہا: اے نبلی آنکھوں والی عورت کے فرزند! تو مجھے قتل کرے گا یا ولید؟ خدا کی قسم! تو نے دروغ گوئی کی اور گناہ گار ہوا۔ آپ یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔

سید بن طاووس کے مطابق امام حسین علیہ السلام نے ولید کے جواب میں فرمایا تھا:

”یزید شراب خور، مسلمانوں کا قاتل اور فسق و فجور پر عمل پیرا ہے۔ میرے جیسا آدمی اس جیسے آدمی کی بیعت نہیں کر سکتا۔ کل صبح تک صبر کرو۔ پھر ہم دیکھیں گے ہم دونوں میں سے کون بیعت لینے اور منہ خلافت پر بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔“

امام عالی مقام کے تشریف لے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا: تو نے میری تجویز پر کان نہ دھرے، خدا کی قسم! اب وہ کبھی تمہارے ہاتھ نہ آئیں گے اور نہ ہی کبھی ایسا موقع پھر تمہیں میسر آئے گا۔ ولید نے کہا: مروان تو نے میرے لیے وہ کام تجویز کیا ہے جو میرے دین کو برباد

۱۔ ارشاد مفید ص ۷۲۔ تاریخ طبری ص ۴ ص ۲۵۱ ارشاد کا ترجمہ ہے۔



کر دے گا۔ قسم نبذ! مجھے یہ پسند نہیں کہ حسین (علیہ السلام) کو قتل کروں چاہے اس سے بدلے  
مجھے دنیا بھر کی تمام دولت ہی کیوں نہ مل جائے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ امام علیہ السلام حکومت یزید سے رو برو ہوئے کیونکہ وہ کسی طرح  
بھی بیعت پر راضی نہ تھے اس لیے سخت موقف اختیار فرمایا اور صرف ایک دن بعد یعنی  
انیس رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ کا رخ کیا۔ آپ نے مدینہ  
سے روانگی کے وقت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو وصیت کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ  
مدینہ سے روانگی انقلاب عظیم کی طرف پہلا قدم تھا۔

سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ولید بن عتبہ نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جو نرم رویہ  
اختیار کیا۔ اس کی وجہ سے حکومت مدینہ سے معزول کیا گیا اور عمر بن سعید اشراق نے اس کی  
جگہ لے لی۔

امام حسین علیہ السلام مکہ روانگی سے ایک روز قبل اپنی قیام گاہ مقدمہ سے باہر تشریف  
لائے تاکہ حکومت کے تازہ ترین اقدامات کے بارے میں معلوم ہو سکے۔ راستے میں مروان بن  
حکم سے ٹڈ بھڑ ہوئی۔ اس نے کہا: اے ابا عبد اللہ! میں آپ کا خیر خواہ ہوں، میری نصیحت  
مان لیجئے تاکہ آپ کو فوائد حاصل ہوں۔ آپ نے فرمایا: جو کتنا چاہتے ہو کہو، اس نے کہا: بیعت  
کر لیجئے، اس میں آپ کی دینی اور دنیوی فلاح مضمحل ہے۔ امام عالی مقام نے قبائلی مصیبت  
کی طرح ارشاد فرمایا:

انا لله وانا اليه راجعون وعلى الاسلام السلام اذ قد بليت  
الامة بواع مثل يزيد ولقد سمعت جدى رسول الله يقول الخلافة  
محرمة على آل ابى سفيان

۱۸۶ ارشاد مفید ص

۱۳۵ تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۳۵ ۳۵ لہوف ص ۱۳۵ نفس الموم ص ۳۵



یعنی اب ہمیں اسلام کو الوداع کہہ دینی چاہئے اور اس کی فاتحہ پڑھ دینی چاہئے  
 کیونکہ اب امت مسلمہ نیرید جیسے حاکم کے زیر نگیں ہو گئی ہے۔ میں نے اپنے نانا  
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُن رکھا ہے کہ اولاد ابوسفیان کے لیے  
 خلافت حرام ہے اور خلافت پر ان کا کسی طرح بھی استحقاق نہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عرب جس طرح آپس میں ملاقات کے وقت سلام کرتے ہیں اسی طرح  
 ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت بھی سلام کہتے ہیں۔ جیسا کہ روایت موجود ہے۔ امام حسین  
 علیہ السلام نے روز عاشورا وقت رخصت خاندان رسالت کی خواتین سے ارشاد فرمایا: علیکن منی  
 السلام عرب اپنے خطوط کے اختتام میں کلمہ "والسلام" لکھتے ہیں۔ نہج البلاغہ میں مولانا  
 مومنین کے اکثر خطوط "والسلام" پر ختم ہوتے ہیں۔ نماز کے آخر میں پڑھا جانے والا سلام  
 کے خاتمے کی دلیل ہے۔

امام عالی مقام کے اس جملے "و علی الاسلام السلام" سے اچھی طرح اندازہ کیا جاسکتا  
 ہے کہ وہ اپنے عزم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کس قدر مصمم ارادہ کیے ہوئے تھے۔  
 سید الشہداء علیہ السلام کے دل و دماغ کن حالات کی وجہ سے انتہائی پریشان تھے۔ امام  
 حسین علیہ السلام ایسی ہستی نہ تھے کہ وہ امور کو سرسری نظر سے دیکھیں اور ان کے  
 نتائج سے بے خبر رہیں۔ یا یہ کہ وہ لوگوں اور عوامی مصالح سے چشم پوشی کریں۔ آپ نے  
 مروان کو سمجھایا کہ نیرید کی حکومت کا مطلب اسلام کے خاتمے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اس  
 کے دور میں اسلام کو الوداع کہہ دینی چاہئے۔ مسلمانوں پر ایک عظیم مصیبت نازل ہو گئی ہے  
 حضور ختمی مرتبت کی حدیث بیان فرمانے سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ نیرید کی بیعت کا کوئی امکان  
 نہیں۔ وہ بیعت کر کے اس کی ظالمانہ و فاسقانہ حکومت کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ رسول خدا  
 اس خلافت کو حرام قرار دے چکے ہیں۔



## بنی ہاشم کے نام امام حسینؑ کی مکتوب اور اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام وصیت

یہاں ہم بنی ہاشم کے نام امام عالی مقام کے خط اور اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام وصیت کا بغور جائزہ لیں گے۔ کیونکہ ان دونوں سے حکومت وقت کے خلاف اقدام کا عزم صاف ظاہر ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام جس وقت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے تو اپنے بھائی محمد حنفیہ جو ایک بہادر، متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ اور آپ کی امامت پر اعتقاد رکھتے تھے کے نام ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے اس تحریک کے اعلان کے علاوہ اس کے اسباب و علل بھی بیان فرمائے۔ آپ نے جس راہ کا انتخاب فرمایا تھا اس کو واضح کیا۔ آپ نے ان صحیح و حقیقی عقائد کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے جو انسان کو باطل و غلط دعویوں اور خواہشات نفسانی سے بچنے کی توفیق بخشتے ہیں۔ آپ نے عیاں فرمایا کہ حکومت وقت کی مخالفت سے ان کا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس سے وہ سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کا احیاء چاہتے ہیں۔ وصیت نامے کا عربی متن حسب ذیل ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہذا ما اوصی بہ الحسین بن علی بن ابی طالب الی اخیه محمد المعروف بابن الحنفیہ  
ان الحسین یشہد ان لا اله الا الله وحده لا شریک لہ وان محمد اعبده ورسوله۔  
جاء بالحق من عند الحق وان الجنة والنار حق وان الساعة آتیة لا ریب فیہا وان الله یبعث  
من فی القبور وانہ لم ینزل من السماء الا حرج اشرا ولا بطر اول ولا مفسد اول ولا ظالما وانہا خرجت  
لطلب الاصلاح فی امة جدی صلی اللہ علیہ وآلہ، ارید ان امر بالمعروف والنہی  
عن المنکر واسیر بسیرة جدی وابی علی بن ابی طالب فمن قبلنی بقبول الحق فانا لله اولی



بالحق ومن رد علی اصبر حتی یقضى الله بینی و بین القوم بالحق وهو خیر الحاکمین  
وهذه وصیتی یا اخی الیک وما توفیقی الا بالله، علیه توکلت والیه انیب۔

### ترجمہ

ابتدا خداوند عالم کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے۔

یہ وہ وصیت ہے جو حسین ابن علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) نے اپنے بھائی محمد معروف  
بہ ابن حنفیہ کے نام تحریر کی۔ حسین ابن علی گواہی دیتا ہے کہ پروردگار عالم کے علاوہ اور کوئی لائق عبادت  
نہیں۔ وہ بے مثل و مثال ہے۔ یہ حسین گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور  
اس کے رسول ہیں۔ وہ ذات حق سے دین حق لائے ہیں۔ بہشت و دوزخ اٹل حقائق ہیں۔  
قیامت کا آنا برحق ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ خداوند عالم اس دن  
ان مردوں کو زندہ کرے گا جو عرصے سے قبروں میں دفن ہیں۔

میں حسین ابن علی فتنہ و فساد، ظلم و ستم اور سرکشی کے لیے گھر بار چھوڑ کر نہیں جا رہا۔  
اس تحریک سے میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ میں امت جد کے امور کی اصلاح کروں۔ میں چاہتا ہوں  
کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا احیا کروں، امت مسلمہ کو انتشار و انقراض سے نجات دلاؤں۔  
اپنے جد محمد مصطفیٰ اور اپنے والد گرامی قدر علی المرتضیٰ کی سنت و سیرت کی پیروی کی دعوت دوں اور جو کوئی  
میرے مقاصد کی پیروی کرتے ہوئے اس دعوت پر لبیک کہے تو اس کے لیے یہ بہت بہتر ہے اور خداوند عالم قبولیت حق کیلئے  
سزاوار تر ہے۔ جو کوئی میری دعوت عمل پر لبیک کہتے ہوئے میری مدد نہ کرے گا یا میری مخالفت  
پر کمر بستہ ہو جائے گا تو میں صبر سے کام لوں گا۔ اور اعلانے کلمہ حق سے دستبردار نہ ہوں گا۔

۱۔ بحار جلد ۲۲، صفحہ ۳۳۹ طبع جدید۔ نفس المہر صفحہ ۳۸۔ مناقب ابن شہر آشوب کے مطابق  
امام نے بالکل یہی بات (المر اخرج اشرا و لا بطرا الی اللہ فاللہ اولی بالحق)  
عبداللہ بن عباس سے اس وقت کہی جب آپ کو عراق جانے سے وہ منع فرما  
رہے تھے۔



چاہے مجھے یہ راہ اکیلے ہی طے کرنا پڑے۔ خدائے لایزال میرے اور اس قوم کے درمیان خود فیصلہ فرمائے گا اور وہ بہترین انصاف کرنے والا ہے۔ اے بھائی تمہارے لیے یہ میری وصیت ہے۔ خدانہد عالم سے توفیق کا خواہاں ہوں اور اس پر ہی توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جاننا لاہوتا ہے۔ اپنے اس وصیت نامے میں امام عالی مقام نے بنیادی اور حقیقی عقائد کا اقرار و اعتراف فرمایا ہے۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام اس حقیقت سے واقف تھے کہ آپ کی شہادت کا دینی جواز اور قانونی ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ قاتلین کہیں گے کہ انہوں نے خلیفہ حق کے خلاف خروج کیا تھا۔ اس لیے یہ واجب القتل تھے۔ بلکہ وہ کہیں گے کہ (معاذ اللہ) آپ دین سے خارج ہو چکے تھے۔ لہذا آپ نے اس وصیت میں توحید، رسالت اور قیامت کا واضح طور پر اقرار کیا ہے۔ پرہیزگاروں اور گناہگاروں کے لیے جس جزا و سزا کا وعدہ کیا گیا ہے اس پر بھی اعتقاد کا اظہار فرمایا ہے۔

آپ کے یہ شکوک و شبہات دور از حقیقت معلوم نہیں ہوتے کیونکہ بنو امیہ کے سپاہ کار ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے کسی کام سے دریغ نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ انہوں نے کربلا میں سید الشہدا اور دیگر شہدائے کربلا کے اجسامِ مطاہرہ کو سپرد خاک نہیں کیا۔ کیا اس حرکت سے ان کا مقصد (معاذ اللہ) امام عالی مقام کو خارج از دین ظاہر کرنا نہ تھا؟

اس وصیت نامہ میں ان بنیادی اور حقیقی عقائد بیان کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام علیہ السلام یہ دکھانا چاہتے تھے کہ اسلام کے یہ بنیادی اصول آج خطرے میں ہیں۔ اور اگر حالات یوں ہی رہے تو عجب نہیں کہ خلافت کے ارباب بست و کشاد اصول دین میں تصرف کرنے سے بھی نہ چڑگیں۔ درحقیقت حکومت کے خلاف امام عالی مقام کے اقدام کی اصل وجہ یہی تھی۔ کہ اسلام کے ان بنیادی اور حقیقی اصولوں کا تحفظ کیا جاسکے، جن پر مسلمانوں کا مذہب اور اجتماعی نظام استوار ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے اسلام کے بنیادی اصولوں کے اقرار کے بعد حکومت کے



خلاف اپنے اقدام کے اسباب کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ میں احیاء سنت رسول اور سیرت علی معاشرے کی اصلاح، نیکیوں کے فروغ اور امت میں انتشار و تباہی کے سدباب کے لیے کمر بستہ ہوا ہوں۔ میرا یہ اقدام نفسانی خواہشات، خود غرضی اور سرکشی و بغاوت پر مبنی نہیں۔ ان تمام امور پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے حقائق جو معاشرے میں حق و انصاف کے ضامن ہیں، معدوم ہو گئے تھے۔ پھر حضور ختمی مرتبت کی سنت پاک اس دور میں اس انداز سے فراموش کر دی گئی تھی کہ انتہائی مضبوط و مستحکم اور شدید تحریک کے بغیر اصلاح احوال کی امید نہ کی جاسکتی تھی۔ تمام معاشرے میں پھیلے ہوئے انتشار اور بد اعمالیوں کا علاج عظیم حسینی انقلاب کے بغیر ممکن نہ تھا۔

وصیت نامہ کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے عہد اتم صمیم ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے آپ تمام مشکلات و مصائب برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور اس کٹھن راہ کو طے کرنے کی توفیق خدا سے مانگتے ہیں۔ اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے زندہ بچ رہنے کی کوئی صورت نہ دیکھی اور بھانپ لیا کہ اگر سر تسلیم خم کر دوں تو بھی قتل کر دیا جاؤں گا۔ تو آپ نے شہادت کو اپنے لیے چن لیا۔ ایسا لکھنا یا سوچنا صریح غلطی ہے۔ اگر ارشادات امام عالی مقام کو بغور پڑھا جائے تو ایسا بے بنیاد اور باطل خیال پیش نہیں کیا جاسکتا۔

سید الشہداء علیہ السلام نے اپنی تحریک کے اصلی اسباب اور محرکات کی واضح طور پر نشان دہی فرمادی ہے کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فروغ، اپنے نانا رسول خدا اور اپنے بابا جناب علی المرتضیٰ کی سنت کی تجدید کے لیے یہ انقلاب عظیم برپا کرنے والا ہوں۔ میں امت مسلمہ کی اصلاح کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں تاکہ اس کو تباہی و فنا سے نجات دلا سکوں۔ میں اس لیے شہید ہونے نہیں جا رہا کہ میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

غور طلب بات ہے کہ آخر امام علیہ السلام کے لیے زندہ رہنا ناممکن کیوں ہو جاتا۔ نزدیک تو



صرف بیعت اور اپنی بد اعمالیوں پر ان کی تنقید سے نجات چاہتا تھا۔ اگر آپ بیعت کر لیتے اور اس کی مخالفت سے دست کش ہو جاتے تو آپ کی پرسکون زندگی میں کوئی چیز حائل نہ ہوتی۔

محمد بن ابی طالب نے رسائل کلینی سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی امام حسین علیہ السلام کا وہ خط نقل کیا ہے جو آپ نے مدینے سے رادنگی کے وقت بنی ہاشم کے نام تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

من الحسین بن علی الی بنی ہاشم۔ ا ما بعد فانہ من لِحوق بی منکم  
استشهد ومن تخلف عنی لم یبلغ الفتح والسلام

ترجمہ

ابتدا خدائے رحمن و رحیم کے نام سے

حسین بن علی کی طرف سے بنی ہاشم کے نام "بعد از میں تم میں سے جو کوئی بھی متفق ہو کر میرے ساتھ چلے گا۔ وہ راہ حق میں جان دے کر شہید ہوگا اور جو کوئی پیچھے رہ جائے گا تو اسے فتح و کامرانی کی امید نہ رکھنی چاہیے۔"

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام عالی مقام نے اپنی اس عظیم تحریک کا آغاز فرمادیا تھا۔ آپ بخوبی جانتے تھے کہ اپنے اصحاب باوفا کے ساتھ آپ راہ حق میں شہادت سے ہم کنار ہونگے۔ آپ نے اسی لیے بنی ہاشم کو اپنی احانت کی دعوت دی تھی تاکہ وہ اپنی جان دے کر امت مسلمہ کو تباہی و بربادی سے بچالیں۔ آگے چل کر ہمیں اندازہ ہوگا کہ امام علیہ السلام کو پورا یقین تھا کہ وہ

لے بخاری ج ۴ ص ۲۲۰ طبع جدید۔ لہوت میں مید بن طاؤس نے اس خط کو امام علیہ السلام کے حالات میں اس وقت درج کیا ہے جب آپ مدینے سے جا چکے تھے لیکن علامہ مجلسی کی بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ خط مدینے سے باہر کثرفیند لے جاتے وقت تحریر فرمایا تھا۔



اور ان کے ساتھ ہی بنو امیہ کے ہاتھوں شہید ہو جائیں گے اور آپ نے اس کے باوجود بھی موت کی پروا نہ کرتے ہوئے اعلانے کلمہ حق کیا۔

## اہل بصرہ کے نام امام حسین علیہ السلام کا مکتوب

آپ کے مکتوبات میں سے آپ کا وہ خط جو اہل بصرہ کے نام ہے توجہ اور غور و فکر کے قابل ہے اور آپ کے مقدس مشن کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہم اس خط کو جو اس انقلاب اور تحریک کے اعلان کے مترادف ہے۔ تاریخ طبری سے نقل کرتے ہیں۔ طبری کے بقول (ایک مضمون کا) یہ خط بصرہ کے تمام خسرنا اور مقتدر لوگوں کو بھیجا گیا تھا۔

ابعد، فان الله اصطفى محمد صلى الله عليه وآله وسلم على خلقه واكرم  
بنبوته واختاره لرسالته ثم قبضه الله اليه وقد نصح لعباده وبلغ  
ما ارسل به صلى الله عليه وسلم ولنا واهله واوليائه واهلنا  
وورثته واحق الناس بمقامه في الناس، فاستأثر علينا قومنا بذلك  
فرضينا وكرهنا الفرقة واحببنا العافية ونحن نعلم انا احق بذلك  
الحق، المستحق علينا فمن تولاه ..... وقد بعثت رسولي اليكم  
بهذا الكتاب وانا ادعوكم الى كتاب الله وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم  
فان السنة قد اهتمت وان البدعة قد احييت وان تسمعوا قولي وتطيعوا  
امري اهدكم سبيل الرشاد والسلام عليكم ورحمة الله

بعد ازیں یہ کہ خداوند عالم نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصب رسالت پر فائز فرمایا اور نبوت سے ان کی قدر افزائی فرمائی۔ پھر انہیں اس وقت اپنے پاس بلا لیا جبکہ وہ بندگانِ خدا کو بند و نصیحت کر چکے تھے اور اس کا پیغام اس کے



بندوں تک پہنچا چکے تھے۔ ہم جو کہ ان کے اہل بیت ہیں، ان کے دوست، رشتہ دار، وصی اور وارث تھے اور ان کی جانشینی و قائم مقامی کے لیے ہر شخص سے زیادہ مناسب و بہتر تھے۔ لیکن ہماری قوم نے اس منصب کو اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ اور ہم نے اپنے حق کے حصول سے اس لیے چشم پوشی کی کہ اُمتِ مسلمہ باہمی اختلاف اور تفرقہ بازی سے محفوظ رہے۔ اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ یہ منصب ہمارے لیے ان سے زیادہ سزاوار ہے جو اس پر مسلط ہیں۔

اب میں حسین ابن علی اپنے ایک نمائندے کو یہ خط دے کر تمہارے پاس بھیج رہا ہوں اور تمہیں کتابِ خدا اور اتباعِ سنتِ پاکِ رسولؐ کی دعوت دے رہا ہوں۔ کیونکہ سنتِ رسولؐ سے ختم ہو چکی ہے۔ اور اس کی جگہ خلافِ شرع کاموں نے لے لی ہے۔ اگر تم لوگ میری دعوت پر لبیک کہو اور میرے حکم پر سرِ اطاعت خم کرو تو سعادت و نجات کی راہ پر لے چلوں گا۔

یہ خط بھی مذکورہ وصیت کی طرح ان لوگوں کا قطعی جواب ہے جو امام علیہ السلام کے اقدام کو دفاعی اقدام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام کو حکومت وقت کی غلط کاریوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ خط جو کہ اہل بصرہ کی کسی تجویز یا دعوت کے بغیر ہی لکھا گیا، اس عظیم تحریک کا اعلان نہیں تو اور کیا ہے؟

اس خط کی ابتدا میں بھی آپ نے سب سے پہلے رسالتِ ختمی مرتبتؐ کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ خود، ان کے والدِ گرامی قدر علی مرتضیٰ، ان کے برادرِ محترم حسن مجتبیٰ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی اور مسلمانوں کی سرپرستی کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ دوسروں نے ان کے حق کو غصب کر لیا ہے۔ اور زبردستی مسندِ پیغمبر پر براجمان ہو گئے ہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں: اسلامی نظامِ حکومت و طرزِ زندگی گزشتہ حکمرانوں کے ہاتھوں کلی طور پر تبدیل ہو چکا ہے۔ خلافِ شرع امور اس کی جگہ لے چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اہل بصرہ کو کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ



پر عمل کرتے ہوئے اپنی مدد کرنے کی دعوت دی ہے۔ آپ نے راہ مستقیم کی نشاندہی کی ہے۔

اسلام کے واحد و فاشعار مددگار اور حجت خدا کی حیثیت سے آپ نے اپنی اطاعت کو عوام کی فلاح و بہبود اور گم گشتہ سعادت کے حصول کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

امام حسین علیہ السلام جب مکہ معظمہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے تو عمر بن سعید حاکم مکہ نے آپ کو ایک امان نامہ لکھ بھیجا کہ شاید آپ اس کو پڑھ کر واپس آجائیں۔ اس خط میں آپ کو فتنہ و فساد، امت کے باہمی افتراق و انتشار سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی گئی۔

آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

بعد از میں جو کوئی بھی لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے اور نیکو کاری کو اپنا شعار

بنالیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں تو ایسے شخص نے خدا اور رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفانہ روش اختیار نہیں کی۔

اس خط سے بھی ظاہر ہے کہ امام عالی مقام نے لوگوں کو اللہ کی طرف مائل کرنے اور ظالم

و مطلق العنان حکومت کے خاتمے کے لیے یہ انقلاب برپا کیا تھا۔

## امام حسین علیہ السلام کا خطبہ و مشن کی ابتدا

امام حسین علیہ السلام نے وارد کر بلا ہونے سے قبل بصرہ کے مقام پر اپنے ساتھیوں اور حُرین

یزید کے لشکریوں کو خطاب فرماتے ہوئے جو خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں آپ نے اس مشن کے

اسباب و حیل پہلے سے زیادہ واضح طور پر پیش کیے۔ آپ نے فرمایا کہ ان حالات میں اس مشن

کی تکمیل میرا فرض ہے اور یہ از حد ضروری ہے۔ پھر اس مقصد کے حصول کی کوشش کے لیے اس وقت

امت مسلمہ میں سے کوئی شخص مجھ سے زیادہ بہتر و مناسب نہیں۔ ہم اس خطبے کو پہلے تاریخ

۱۔ اس خط کو عبدالوہاب بخاری نے حاشیہ کامل۔ ابن اثیر میں تیسری جلد کے صفحہ ۲۰ پر نقل کیا ہے۔ اما بعد فانہ تم

یشانق الله ورسوله من دعا الى الله عزوجل وعمل صالحا وقال اننى من المسلمين۔



طبری سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ اور اس کے مطالب عالیہ کا جائزہ پیش کریں گے۔

فحمد الله واثنى عليه ثم قال ايها الناس ان رسول الله صلى الله عليه  
 وآله وسلم قال: من رآني سلطاناً جائراً مستحلاً لحرم الله، ناكثاً لعهد الله،  
 مخالفاً لسنة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، يعمل في عباد الله بالاثم  
 والعدوان فلم يغيرها عليه ولا قول كان حقاً على الله ان يده خلة مده خلة،  
 ان هؤلاء قد لزمو طاعة الشيطان وتركوا طاعة الرحمن واظهروا  
 الفساد، وعطلوا الحدود، واستأثروا بالضيء واحلوا حرم الله  
 وحرموا حلاله وانا الحق من غير وقد اتتني كتبكم وقد مت على رسلكم  
 ببيعتمكم انكم لا تسلموني، ولا تمخذوني، فان قتمت على بيعتمكم تصيبوا  
 رشداً كرفانا الحسين بن علي وابن فاطمة بنت رسول الله، نفسي  
 مع انفسكم واهلي مع اهلكم، فليحرفي اسوة.....

مے لوگو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی ایسی حکومت کو دیکھے  
 جس نے ظلم و جور کو اپنا شعار بنا لیا ہو، قوانین الہی میں تجاوز کرتی ہو، خدا سے بزرگ و برتر کے  
 ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو درہم برہم کر رہی ہو۔ سنت رسول کے برخلاف عمل پیرا ہو اور  
 خدا کے بندوں کے ساتھ ظالمانہ و جاہرانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہو۔ تو اس پر واجب ہے  
 کہ وہ اپنے گنہگاروں کو در سے اس کے ظلم و ستم اور گناہ کا سدباب کرنے کی کوشش کرے۔ جو  
 کوئی یہ فرض پورا نہ کرے تو خداوند قدوس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کو اس حکومت  
 کے ارکان کے ساتھ عذاب میں مبتلا کر دے۔

۱۔ قرآن پاک میں لفظ "سلطان" غلبہ اور ثبوت کے معنوں میں آیا ہے۔ اس خطبے میں اس لفظ سے امام  
 کی مراد غالب و مقتدر حکومت ہے۔ بادشاہ کے لیے لفظ سلطان کا استعمال چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوا  
 ۲۔ تاریخ طبری جلد ۴ ص ۳۰۴۔



پھر ارشاد فرمایا: جان لو کہ یہ لوگ (یزید اور اس کے معاونین) شیطان کی پیروی کر رہے ہیں اور اس کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ انھوں نے اطاعتِ خداوندی سے منہ موڑ لیا ہے اس کے احکام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور کھلم کھلا دین اسلام کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کیا ہے۔ عوام کے خزانے اور مسلمانوں کے مال و دولت کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ محرماتِ الہی کو انھوں نے حلال قرار دے لیا ہے اور خدا نے جو کچھ حلال قرار دیا ہے اسے حرام کر لیا ہے۔ تمام مسلمانوں میں سے میں اس کام کے لیے بہترین ہوں کہ ان برائیوں کے سدباب کے لیے کمر بستہ ہو جاؤں۔ تم نے بے شمار خطوط لکھے۔ تمہارے نمائندے میرے پاس پہنچے، سب نے تمہاری بیعت کا یقین دلایا تھا۔ تم نے لکھا تھا کہ مجھے دشمن کے حوالے نہ کرو گے اور میری امداد کرو گے۔ اب بھی اگر تم اپنے وعدہ بیعت اور امداد کے ارادے پر قائم ہو تو سعادت و خوش نصیبی کو پا لو گے۔

میں حسینؑ جو علیؑ مرتضیٰ اور فاطمہؑ زہرا بنت رسول اللہؐ کا فرزند ہوں۔ اس جہاد میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ میری عورتیں اور بچے تمہاری عورتوں اور بچوں کے ساتھ ہوں گے۔ تمہیں چاہیے کہ اس مشن میں میرا ساتھ دو اور میری پیروی کرو۔

اس خطبے سے بھی آپ کے مشن کی روح دوسرے خطبات کی طرح عیاں ہے۔ اس کی ابتدا میں آپ نے حضورؐ ختمی مرتبت کی حدیثِ مطہرہ سے استدلال کیا ہے کہ ظالم و ستم گارِ حکومت سے ٹکر لینا ہر شخص کا فرض منصبی ہے۔ جو شخص بھی اس فرض کی ادائیگی میں سستی، کلہلی اور سہل پسندی سے کام لے گا۔ خداوندِ عالم کے غیض و غضب کا نشانہ بنے گا۔ اور اس شخص کا حشر میں وہی مقام ہوگا جو اس ظالم کا ہوگا۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: وَلَا تَطِيعُوا الْمُرْسِفِينَ الَّذِينَ يَفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يَصْلِحُونَ۔ (الشعراء آیت ۱۵۱ و ۱۵۲) حدودِ الہی سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روئے زمین پر فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح



نہیں کرتے۔ ایک اور جگہ ارشاد باری ہے: انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق۔ (شوری، آیت ۲۲) جو لوگ بھی بندگانِ خدا پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے خلاف آواز بلند کرنا ہر شخص کا فریضہ ہے۔ اس کے بعد امام عالی مقام نے آل ابی سفیان کی بددیانتیوں اور سیاہ کاریوں کو تفصیل سے بیان فرمایا کہ ان لوگوں نے اطاعتِ خداوندی سے منہ موڑ کر نفسانی خواہشات اور افکارِ شیطانی کی پیروی شروع کر رکھی ہے۔ اس کا نتیجہ فتنہ و فساد، حدودِ الہی سے تجاوز، بیت المال کے ناجائز مصرف اور اس کو صاحبانِ اقتدار کی آسائش پر صرف کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا کی طرف سے متعین کردہ حلال و حرام کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ انھیں لوگوں کی اصلاح اور فلاح و بہبود سے کوئی غرض نہیں ہے۔

بیت المال میں موجود عوام کی دولت، عوام کی معاشی مشکلات دور کرنے کے لیے صرف ہونی چاہیے۔ حلال و حرام الہی ہمیشہ محترم ہونی چاہئیں اور ان پر عمل بھی ہونا چاہیے۔ معاشرے کو فتنہ و فساد سے سرے سے پاک کر دینا چاہیے۔ لیکن حکومت جس کے ذمے ان امور کی انجام دہی ہے ان سے بالکل لاتعلق ہے اور اس کے اقدامات ان کے بالکل برعکس ہیں۔ اس دور کے ان حالات میں مجید حسین ابن علی، فرزندِ رسول سے بہتر اور مناسب کوئی شخص نہیں جو دین الہی کی امداد کے لیے میدانِ عمل میں نکل آئے اور ملتِ اسلامیہ کے زوال و تباہی کے امکانات کو ہمیشہ کے لیے سرے سے ختم کر دے۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا یزید اور بنو امیہ سے اختلاف، نماز، روزے اور مسجد کے لیے نہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو امیہ نے ظلم و استبداد کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ وہ اسلام کے ان زترین اصول و قوانین کو پیر و بتلے روند رہے تھے جو معاشرے اور فرد دونوں کے لیے ضامنِ فلاح ہیں۔ امام عالی مقام کے مشن کا مقصد صحیح اسلامی احکام کا اجرا، اقتصادی مساوات اور عدل و انصاف کا قیام تھا۔ آپ بخوبی



آگاہ تھے کہ جب تک حکومت اور نظام حکومت دینی رنگ اختیار نہ کر لیں اور دینی روش نہ اپنائیں اس وقت تک مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔

اسی بنا پر آپ بیت المال کے ناجائز مصرف، حدود الہی سے غفلت، حلال و حرام کی خلاف ورزیوں کو اپنی تحریک اور مشن کے اسباب قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد اپنے حسب و نسب کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں: میں علی مرتضیٰ اور زہرا بنت رسول کریم کا بیٹا ہوں۔ میں اس مقدس جہاد کی پاکیزہ راہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میرے اہل بیت (علیہم السلام) تمہارے اہل بیت کے ساتھ ہوں گے۔ سب ایک ہی انجام سے دوچار ہیں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ اس مشن کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ تمہیں بھی اپنے (علیہ السلام) کی پیروی کرنا چاہیے۔ فرزند پیغمبر کا ساتھ دینے میں سستی اور غفلت نہ کرو۔

یہ حقیقت ہے کہ امام حسین ابن علی علیہما السلام اسی مقصد کے حصول کے لیے دنیا میں نشانے لائے تھے۔ عبد اللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ، مسلم بن عقیل اور عباس بن علی جیسے مردان باصفا اپنی تمام صلاحیتوں کے باوجود بھی کر بلا نہ بنا سکتے تھے۔ یہ وہ انقلاب تھا جو آئندہ برپا ہونے والے تمام انقلابات کی ابتدا تھی۔ اسی نے اسلام کے دامن کو بنو امیہ کی سیاہ کاریوں سے پاک کر دیا۔

یہ امام حسین علیہ السلام ہی کا کام تھا اور جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا کہ اس میدان کا مرد ہی ہوں۔ اگر امام عالی مقام کے علاوہ کوئی اور شخص ان حالات میں معرکہ کر بلا سے دوچار ہوتا تو مہتمم حسینی مشن سے جو ثمرات عالم بشریت کو حاصل ہوتے اس کا سوداں بلکہ ہزاروں حصہ بھی حاصل ہو سکتا۔

امام حسین کے سامنے ایک ایسی دنیا موجود تھی جس پر ظلم و جور کی تاریکی محیط تھی۔ جس میں نا انصافی اور خلاف شریعت امور مروج تھے۔ یہ وہ معاشرہ تھا جہاں نور محمدی کی ضیا پاشیاں ہو جاتی تھیں۔ توحید پرستی، فضائل انسانی اور تقویٰ اپنا اعتبار رکھو چکے تھے۔ امام عالی مقام کے دیگرے پیش آنے والے حوادث سے دوچار ہوتے ہوئے اپنے اہل ارادوں اور عزائم صمیم



نی منزل کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

اپنی کتاب تذکرہ میں علامہ سبط ابن جوزی نقل فرماتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام مکہ سے راق کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں بستان بنی عامر کے قریب آپ کی مدائنات فرزدوق سے ۸ ذی الحجہ ہوئی جو عالم اسلام کے مشہور شاعر تھے۔ اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: فرزند رسول! آپ کی مجلس میں مراسم حج کی بجا آوری کے بغیر ہی کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا، اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرزدوق سے پوچھا: اہل کوفہ کے لیے یہ تمہارے پاس کیا اطلاع ہے۔ اس نے کہا: میں اہل کوفہ کو اس حال میں چھوڑ آیا ہوں کہ ان کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ خدا کے لیے اس راہ کو لے کر دیجئے۔ امام عالی مقام نے ارشاد فرمایا:

اے فرزدوق! بنی امیہ نے شیطان کی راہ اختیار کر لی ہے اور اطاعت خداوندی کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ اسلامی معاشرے کو فتنہ و فساد سے بھر کر تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے۔ خداوند روس کی متعین کردہ حدود کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ کھلے بندوں شراب پیتے ہیں۔ وہ مال جو عوام سے حاصل ہوتا ہے اور جس پر ان ہی کا حق ہے، انھوں نے اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ ملت اسلامیہ بیٹے ہیں ہی وہ مناسب ترین انسان ہوں جو دین الہی کی حمایت اور شریعت اسلامی کا وقار بلند کرنے کے لیے خدا کی راہ میں جہاد پر کمر بستہ ہو جائے تاکہ خدائے لایزال کا بول بالا ہو اپنی تحریک کے اسباب کے متعلق آپ نے جو فلسفہ فرزدوق کے سامنے بیان فرمایا۔ یہ وہی حکمت ہے جو آپ نے اپنے ساتھیوں اور سپاہِ حُر بن یزید کے سامنے بیان فرمائی تھی۔

شیخ مفید اور طبری کی بیان کردہ روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام نے منزل شراف میں اپنے ساتھیوں اور حُر کے لشکریوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور سب نے عصر و ظہر کی نماز آپ کی اقتدا میں ادا کی۔ اتنا نماز پر آپ نے اپنا شیخ پر نور لوگوں کی طرف کیا



اور خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو! اگر تم دلوں میں خوفِ خدا رکھتے ہو، اگر تم متقی و پرہیزگار ہو اور حق کو رائل حق کی ملکیت سمجھتے ہو تو خداوندِ قدوس کی رضا اس میں ہی مضمر ہے۔ ہم خاندانِ پیغمبرِ اسلام تمہاری سرپرستی اور پیشوائی کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہیں جو آج کر سٹی اقتدار پر قبضہ جاتے بیٹھے ہیں۔ وہ اس مقام و مرتبے کے دعوے دار ہیں جس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ انہوں نے تم پر ظلم و ستم اور زیادتیوں کو روا رکھا ہے۔ اگر تم کو میرا آنا پسند ہے اور تم اپنی اس رائے کو بدل چکے ہو جس کا اظہار اپنے نمائندوں اور خطوط کے ذریعے کر چکے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔“

حرمین یزید نے امام علیہ السلام کی بات کا یہ جواب دیا کہ خدا کی قسم! مجھے ان خطوط کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ اس پر آپ نے ایک صحابی عقبہ بن سمان کو حکم دیا اور وہ دو برتن اٹھا لایا جو ان خطوط سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر تمہارا اس کے ساتھیوں کے قریب یہ خطوط زمین پر ڈھیر کر دیے۔ حُرنے ان کو دیکھنے کے بعد کہا: ہم نے ایک خط بھی نہیں لکھا۔“

”ہمیں اس بات پر مامور کیا گیا ہے کہ جیسے ہی آپ سے ٹڈبھیڑ ہو آپ کا راستہ روک کر آپ کو کہیں بھی جانے نہ دیا جائے اور ابنِ زیاد کے پاس لے جایا جائے۔“ اس پر امام عالی مقام نے فرمایا: تمہارے اس کام سے موت تمہارے قریب ہو رہی ہے۔“

اس کے بعد امام نے ساتھیوں کو کوچ کا حکم دیا۔ جب سب سوار ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ”لوٹ چلو، لیکن حُرن یزید اور اس کا لشکر آپ کی واپسی میں حائل ہو گیا۔ بے انتہا کشمکش کے بعد آپ نے وہ راستہ اختیار کیا جو مدینے کو جاتا تھا نہ کوفہ کو..... اسی اثنا میں حرمین یزید ریاحی نے اپنے خیال کے مطابق خیر خواہی کرتے ہوئے ناصحانہ انداز میں آپ سے کہا: آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ جنگ نہ کریں کیونکہ جنگ کی صورت میں آپ سب شہید کر دیے جاتیں گے۔“

امام نے برہم ہو کر فرمایا: کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ کیا تم میرے مارے جانے



سے تم لوگ مطمئن و خوش حال ہو جاؤ گے؛ کیا تمہارے مصائب و مشکلات کا حل اسے لاہ  
 میں تم سے وہی بات کہوں گا جو اس مرد اوسنی نے کہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ رسول خدا کی اعات  
 کرے، اس کے چہرے بھاتی نے اسے خوف دلاتے ہوئے کہا: کہاں جا رہے ہو؟  
 اس راستے پر تو موت یقینی ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں اس راہ پر ضرور چلوں گا،  
 بہادر کو موت سے کوئی عاز نہیں۔ اگر جبری مسلمان کی نیت نیک ہو تو وہ لازماً جہاد کریگا۔  
 پھر اپنی جان بھی نیک انسانوں کی امداد کرتے ہوئے دے گا۔ ظالموں سے کنارہ کشی اختیار  
 کرے گا اور سیہ کار و پلید لوگوں کی مخالفت کرے گا۔ اس صورت میں اگر میں زندہ رہا تو  
 مجھے کوئی شرمندگی نہ ہوگی اور اگر مارا گیا تو کوئی مجھے ملامت نہ کرے گا۔ ایسے حالات میں  
 انسان کا زندہ رہنا ہی اس کی ذلت و رسوائی کے لیے کافی ہے۔

امام عالی مقام کے ان ارشادات گرامی اور طرز عمل سے اس کے علاوہ اور کیا نتیجہ اخذ  
 ہو سکتا ہے کہ آپ کا مشن اولاد ابوسفیان کی ظالمانہ حکومت کے خلاف تھا۔ آپ کے ان  
 واضح اور قطعی اقوال کے باوجود بھی کیا یہ دعوے کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی جدوجہد دفاعی تھی؟  
 اور آپ چاہتے تھے کہ اسلامی معاشرے کو پیش آنے والے حوادث سے لائق ہو کر  
 گوشہ تنہائی میں اپنے معمولات کو جاری رکھتے ہوئے زندگی گزار دیں۔ یہ بات کس

۱۵ ارشاد مفید صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸۔ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۴۔ اس مرد اوسنی  
 کے اشعار یہ ہیں:

سامضی وما بالموت عار علی المفتی  
 اذا ما ما نومی حقاً و جاہد مسلماً  
 وواسی الرجال الصالحین بنفسہ  
 وفارق مثنویاً وخالف مجرماً  
 فان عشت لہ اندم وان مت لہ العر  
 کفی بک ذل ان تعیش و ترغما

تاریخ طبری میں آخری شعر درج نہیں اور بقیہ اشعار میں بھی "نس مردون" ارشاد سے مختلف ہیں۔ یہ اشعار  
 الارشاد سے نقل کیے گئے ہیں۔



طرح قابل یقین ہو سکتی ہے کہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک و پاکیزہ دین کو نبوا منیہ کی غارتگری سے بچانے کے خواہاں نہ تھے اور آپ نے یزید کے مقابلے میں صرف اپنا دفاع کیا تھا۔ طبری اور سید بن طاووس نقل کرتے ہیں: امام حسین نے مکہ سے جب عراق کا قصد کیا تو تنعیم کے مقام پر جو مکہ مکرمہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان کی ایک قافلہ سے ٹکھیر ہوئی۔ جو یمن سے یزید کے لیے تحائف اور نذرانے لے کر شام جا رہا تھا۔ اس کے پاس زیورات اور خصوصی قسم کے رنگ موجود تھے جو لباس کی رنگائی میں استعمال ہوتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے سب اسباب ضبط کر لیا۔ پھر اونٹوں کے مالکوں اور سارے بانوں سے فرمایا: تم میں سے جو بھی چاہے ہے اسے ساتھ عراق جاسکتا ہے۔ ہم اس کے اخراجات سفر برداشت کریں گے۔ اور حسن سلوک سے پیش آئیں گے اور جو یہاں ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہیں تو جتنی مسافت طے ہو چکی ہے اُسے اسی حساب سے خرچ سفر ہم دیں گے۔ چنانچہ بعض لوگ امام عالی مقام کے شریک سفر ہو گئے اور باقی لوگوں نے اپنی راہ لی۔

یہ کارروائی آپ کی تحریک کی اصل روح کو آشکار کرتی ہے کہ آپ کا اصل مشن حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنا تھا، ناکہ محض اپنا دفاع۔

شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے آپ کی فرزوق کے ساتھ گفتگو کو علامہ سبط ابن جوزی سے متفرق انداز میں نقل کیا ہے۔ آپ کے ارشادات وہی ہیں جو آپ نے حُر بن یزید سے ارشاد فرماتے تھے۔ مختصراً آپ نے فرمایا: میں اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اگر اپنے مقام میں کامیاب ہو گیا تو بہتر۔ لیکن قضائے الہی سے اس کے برخلاف ہوا تو پھر بھی تقویٰ پر ہمیزگاری کی راہ پر گامزن، یہ خدا کا بندہ ہرگز ہلاکت سے دوچار نہ ہوگا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے:

مشہور شاعر فرزوق بیان کرتا ہے کہ سلسلہ میں میں اپنی والدہ کو فریضہ حج کی ادائیگی



کے لیے اونٹ پر سوار کیے چلا آ رہا تھا کہ حدودِ حرمِ پاک میں داخل ہو گیا۔ میں نے جناب امام حسینؑ کو دیکھا کہ اپنے اسلحہ کے ساتھ مکہ سے باہر تشریف لارہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ اونٹوں کی قطار کس کی ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ اونٹ جناب امام حسین علیہ السلام کے ہیں۔ پس میں آپ کے پاس گیا اور بعد سلام عرض کیا: خداوند عالم آپ کو اپنے مقاصد و عزائم میں دلخواہ کامیابی عطا فرمائے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اسے فرزند رسول! آپ نے اتنی عجلت کیوں فرمائی کہ اعمالِ حج کو بجالاتے بغیر ہی حرم سے باہر تشریف لے جا رہے ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا! کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: میں ایک عرب ہوں۔ خدا کی قسم! انھوں نے اس سے زیادہ میرے متعلق مجھ سے اور کچھ دریافت نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: تم اہل کوفہ کے پاس سے آرہے ہو ان کے بارے میں مجھے اطلاعات بہم پہنچاؤ۔ میں نے کہا: آپ اس شخص سے یہ سوال کر رہے ہیں جو کوفہ کے حالات سے بخوبی واقف ہے۔ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن شمشیریں آپ پر وار کرنے کو تیار ہیں۔ قضا و قدر خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ امام نے فرمایا: "صدقہ اللہ الامر وکل یوم ہونی شأن۔ ان نزل القضاء بما نحب ونرضی فنحمد اللہ علی نعمائہ وهو المستعان علی اداء الشکر، وان حال القضاء دون الرجاء فلم یبعد من کان الحق نية والتقویٰ سیرتہ۔"

یعنی، تم نے جو کچھ کہا بالکل درست کہا۔ تمام امور خداوند عالم کے دستِ قدرت میں ہیں اور وہ ہمہ وقت امور کی انجام دہی میں لگا ہوا ہے۔ اگر تقدیر اور احکام الہی ہماری مرضی و رضا کے مطابق ہوں تو پھر خدا سے لایزال کا اس کی نعمتوں کے لیے شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر ادا

۱۵ ارشاد مفید صفحہ ۲۰۱۔ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۹۰ میں یہ واقعہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے۔



کرنے کی توفیق بھی اس کی دی ہوتی ہے۔ اگر حکم خدا سے توقعات اور امیدوں کی راہ مسدود ہو جاتی ہے تو پھر بھی جس کی نیت حمایتِ حق اور جس کا باطن تقویٰ و پیرہیزگاری ہو، وہ تباہی و ہلاکت سے دوچار نہ ہوگا۔

فرزوق کا بیان ہے کہ اس وقت میں نے امام عالی مقام سے حج و نذر کے متعلق مسائل پوچھے اور آپ کے ارشادات سنے۔ اس کے بعد آپ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تشریف لے گئے۔ اس گفتگو سے بھی حسینی مشن کے اسباب واضح ہوتے ہیں۔

قارئین کرام جانتے ہیں۔ اس باب میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ امام حسین علیہ السلام کا مشن بنو امیہ کی سبھی کاریوں اور بد اعمالیوں کے خلاف جدوجہد تھی۔ آپ کے مشن کو دفاعی مشن قرار دینا غلط فہمی، کم علمی اور آپ کے ارشادات پر غور و فکر نہ کرنے کی دلیل ہے۔

ہر وہ شخص جو حق و انصاف کے ساتھ تحقیق کرے اور اس باب میں بیان شدہ مطالب کا بغور مطالعہ کرے تو اسے ہمارے اس دعویٰ کی صحت کا یقین ہو جائے گا۔ عالم بشریت کو سید الشہداء علیہ السلام نے جو ابدی درس دیا، پھر آپ نے اسلام اور کلمہ حق کی سر بلندی کے لیے جو مصائب و مشکلات برداشت کیں، یہ مقدس تحریک جو انسانیت کی عزت و آن بن گئی۔ جس نے انسانیت کو سرخ رو کر دیا۔ اپنی غیر معمولی قدر و منزلت اور عظمت کا تحفظ اسی صورت میں کر سکتی ہے کہ وہ باطل کے خلاف حق کی آواز ہو اور ظلم کے خلاف عدل و انصاف کا مطالبہ ہو۔ لیکن اگر تحقیق نہ کی جائے اور ان غلط قسم کے طریقوں اور قاعدوں سے سید الشہداء علیہ السلام کے اس مقدس مشن کا جائزہ لیا جائے جو صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ اور اس کو صرف دفاعی اقدام قرار دیں تو اس طرح ہم اس عظیم ہستی کی قدر و منزلت کو کم کریں گے۔ اور آپ نے عزم و ہمت شکن اور طاقت انسانی سے بالا جو مصائب و مشکلات برداشت کیے ان کو بحیر فراموش کر دیں گے۔



## جنگ تضاد

حُسینی مشن کی اصل حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام اور نبواً امیہ کے اختلاف کا جائزہ لیا جائے۔ اس لیے ہم اس نئے باب میں اس پر تحقیق کریں گے۔ اگرچہ گزشتہ ابواب میں کم و بیش اسی پر تحقیق کی گئی ہے اور کتاب کے دیباچے میں بھی اس کا اشارہ تا ذکر ہوا ہے۔

جب شیعیان علیؑ کو مستقل اور پائیدار حکومت حاصل ہوئی تو انھیں ایک گونہ اطمینان سکون نصیب ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں ظلم کے خلاف جا و جہد کا جذبہ بتدریج کم ہوتا گیا۔ ان کے اذہان سے وہ معرکے محو ہوتے گئے جو امویوں، عباسیوں اور دوسرے حکمرانوں کے خلاف برپا ہوئے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں اپنے ان حاکموں سے الفت و محبت کے جذبات پیدا ہوتے جو اموی اور عباسی خلفا کی مانند ان کے ائمہ اور ان کے دین کو بے ادبی کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ جن لوگوں کی سرکوبی کا درس حسینی مشن نے دیا تھا۔ ان کو مہبان حسین میں سے سمجھ لیا گیا۔ یہ لوگ جو عملی طور پر یزید کی پیروی کرتے تھے۔ انھیں یزید کا دشمن تصور کیا جانے لگا۔

ان سید کار حاکموں اور عوام کے درمیان خوشگوار تعلقات کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے مظالم کو نظر انداز کیا گیا، معرکہ کربلا کے حقیقی اسباب محدود ہو کر رہ گئے اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور بالآخر شیعوں نے یہ سوچا شروع کر دیا کہ امام عالی مقام کے مشن کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ نصیبت نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں اور فریضہ نماز کی ادائیگی سے غفلت نہ کریں۔

وہ اس حقیقت سے غافل تھے کہ امام علیہ السلام کا یزید کے ساتھ اختلاف ان مسائل کی وجہ



سے نہ تھا۔ حالانکہ ایسی برائیاں عوام میں ہمیشہ ہی ہوتی ہیں۔ ان کی اصلاح نیک اور صالح حکام اور  
 نیکو کار مقتدر ہستیوں کے موجود ہونے سے خود بخود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ الناس علیٰ دین ملوکہم  
 لوگ ہمیشہ ہی حاکموں کے مذہب پر چلتے ہیں۔

یہ حقیقت مد نظر رہنی چاہیے کہ دور نیرید میں لوگ نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، فریضہ حج ادا  
 کرتے تھے، ان کی مسجدیں آباد تھیں۔ نیرید یا اور کوئی بھی لوگوں کو ان اعمال کی بجا آوری سے نہ روکتا تھا  
 بدکار اور ظالم حاکموں کا مقصد تو اور ہی ہوتا ہے۔ وہ انفرادی اور مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کرتے  
 جو ان کے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹ نہ ہوں۔ مقام تاسف تو یہ ہے کہ یہ لوگ کوئی ایک آدھ مسجد تعمیر کروا کر  
 یا ائمہ معصومین علیہم السلام کی اولاد میں سے کسی کا مقبرہ بنا کر لوگوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے  
 ہوئے دین مبین کے حانی و طرف دار بن جاتے ہیں۔

بنی امیہ کے ساتھ امام عالی مقام کے اختلافات کی تفصیل خود سید الشہداء علیہ السلام کے  
 ارشادات اور اس دور میں اصلاح احوال کا مطالبہ کرنے والوں کے مطالبات سے ظاہر ہے۔ یہ  
 اختلاف اسلامی نظام حکومت اور اجتماعی امور کی بنا پر تھا۔ کیونکہ بنی امیہ نے اسلامی نظام حکومت  
 کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ انھوں نے جو رو استبداد کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ قوانین الہی کو پامال  
 کر رہے تھے اور سنت پیغمبر علیہ السلام سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا۔

عوام کو ان کی زندگی کے ضروری لوازمات سے کلی طور پر محروم کر کے اپنے ظلم و ستم کے خونیں  
 ہاتھوں میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ دین اسلام اور امت مسلمہ کے مفادات سے کھیلتے تھے۔ غرض کہ  
 انھوں نے ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا تھا۔ جس پر ظلم و ستم کی تاریکیاں محیط تھیں۔ جو انسانی فلاح  
 اور آسائشات حیات سے کلی طور پر عاری تھا۔

اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام کا دعویٰ یہ تھا کہ حکومت و سیاست دین کے  
 تابع ہونی چاہیے۔ لوگوں کا مقدر اہل ستم کے ہاتھوں میں نہ ہونا چاہیے۔ بیت المال جو رعایا کی  
 دولت سے معمور ہے اسے ان ہی کی مشکلات دور کرنے کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ معاشرتی



و معاشی انصاف کا دور دورہ ہونا چاہیے۔ ہر کس و ناکس پر قوانین کا اطلاق یکساں طور پر ہونا چاہیے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام اپنے خطبات و ارشادات میں خدائے بزرگ و بزرگی متعین فرمودہ حدود کی خلاف ورزی، بیت المال کے ناجائز استعمال، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت، عوام پر توڑے جانے والے مظالم اور امور زشت کے رواج کا ذکر فرماتے رہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کتب تاریخ میں نقل کیا جاتا ہے: "اذا بلغ بنو ابی العاص ثلثین رجلاً جعلوا مال اللہ دراً و عبادہ خولاً و دینہ دخلاً"

جب ابو العاص (فرزند امیہ) کے بیٹوں کی تعداد تیس ہو جائے گی تو یہ خدائے پاک کی دولت و مال کو اپنے لیے مخصوص کر لیں گے اور خدا کے بندوں کو غلام بنا کر مال تجارت بنالیں گے اور خداوند قدوس کے نازل فرمودہ دین اسلام کو سرمایہ مکر و فریب قرار دیں گے۔

بیت المال کو اپنے تصرف میں لانا، عوام کو غلام حلقہ بگوش بنانا اور دین و آئین الہی میں مکر و فریب کو جگہ دینا، ظالم و جابر حکومت کی تین بنیادیں ہیں۔ مطلق العنان اور جابر حکومت میں حکام کے نالائق و تن آسان بیٹوں کی آسائش کی خاطر محنت کش طبقے کی خون پسینے کی کمائی سے حاصل ہونے والے بیت المال کو بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔ عوام کے تمام حقوق اور اختیارات سلب کر لیے جاتے ہیں۔ غلاموں کی طرح ان کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ حکومت اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے جیسے انھیں چاہتی ہے استعمال کرتی ہے اور دین کے نام پر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث شریفین میں جس ابو العاص کا ذکر ہے وہ امیہ بن عبد شمس کا بیٹا تھا اور اس کی اولاد بنو امیہ ہے۔ اس کا اطلاق خلافت سوم، دور معاویہ اور یزید پر ہوتا ہے۔ اولاد ابوسلمیہ کی حکومت اور سیاست نے جس کا دار و مدار مذکورہ تین بنیادوں پر تھا۔ اسلامی معاشرے کو تباہی و بربادی سے دوچار کر دیا۔ سید الشہداء دین اسلام کے صحیح اصولوں کے اجرا کے خواہشمند تھے۔

لے تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۰۔ شرح ابن ابی الحدید ۲ صفحہ ۵۶۴ طبع بیروت۔



انہوں نے اس ظالم و جابر حکومت کے خلاف جہاد کیا اور حضور ختمی مرتبت کے عطا فرمودہ پاک و پاکیزہ دین کو نبو امیہ کی دستبرد سے محفوظ کر دیا۔

تاریخ کی جن کتابوں میں مرو جلیل امام حسین علیہ السلام اور مفاد پرست یزید کے حالات درج ہیں ان کے مطالعہ سے مذکورہ اسباب اختلاف بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ جن حقائق پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اس کے علاوہ بھی چند حقائق ذیل قابل غور و فکر ہیں۔ شیخ مفید، طبری اور کمال ابن اثیر نے اپنی کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ معاویہ کے انتقال کے بعد جب یزید تخت نشین ہو گیا تو کوفہ کے شیعوں نے مندرجہ ذیل مضمون کا خط امام حسینؑ کی خدمت میں ارسال کیا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ خط سلیمان بن صرد، مسیب بن نجیہ، رفاعہ شاد و بجلی، حبیب بن مظاہر اور کوفہ کے دوسرے صاحب ایمان مسلمان امام حسین بن علی علیہما السلام کی خدمت میں لکھتے ہیں۔ آپ پر درود و سلام ہو۔ ہم خدائے واحد لا شریک کی حمد و ثنا میں آپ کے ہم نوا ہیں۔ تعریف و تمجید اس خدائے لائزال کے لیے ہے جس نے آپ کے ظالم اور کینہ پرور دشمن کو پیوند خاک کر دیا۔ وہ دشمن جو اس قوم پر مسلط تھا، ناجائز طور پر اس نے حکومت کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس نے عوام کے خزانے بیت المال کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس نے امت مسلمہ کی مرضی کے خلاف اقتدار پر قبضہ کیا اور قوم کے نکو کار افراد کو قتل کروا دیا اور ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ لیکن فتنہ پروروں اور سیاہ کاروں کو زندہ رہنے دیا۔ اس نے بیت المال کو جو خدا کا مال تھا دولت مندوں اور ظالموں کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ قوم ثمود کی طرح رحمت خداوندی سے محروم ہے۔ عرضہ تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اہل عراق کا اس وقت کوئی امام یا پیشوا نہیں ہے آپ ہمارے یہاں تشریف لے آئیے ہو سکتے ہیں کہ خداؤ



قدوس آپ کے وسیلے سے ہمیں بھی حق پر مجتمع کر دے!

اس خط میں جہاں بیت المال کی تارا جی، مردانِ حُر کی سرکوبی، بدکار و بد عملوں کی آزادی کا ذکر ہے وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نبی امیہ کی حکومت امت پر زبردستی مُسلط ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام عالی مقام اور نبو امیہ کے درمیان اختلافات مذکورہ امور پر مشتمل تھے۔ مختصر یہ کہ یہ کشمکش عدل و انصاف کی علمبردار حکومتِ الہی اور ظالم و جابر حکومت کے مابین تھی۔

گزشتہ صفحات میں آپ کے اس خط کا ذکر ہوا جو آپ نے اہل بصرہ کو لکھا تھا۔ سید بن طاہر کا بیان ہے کہ جب امام عالی مقام کا گرامی نامہ اہل بصرہ کو موصول ہوا۔ تو یزید بن مسعود نے بنی تمیم، بنی حنظلہ اور بنی سعد کی ایک میٹنگ بلائی اور ان سے کہا: تمہارے نزدیک میری قدر و منزلت اور اعتبار کس حد تک ہے؟ انھوں نے جواب دیا: خدا کی قسم! آپ اس قوم کے اہل فقر میں ستون کی مانند ہیں اور اس طائفہ کے لیے فخر و مباہات کا نشان ہیں۔ آپ عزت و شرف اور فضیلت و بزرگی کا ممتاز نمونہ ہیں۔ تب یزید بن مسعود نے کہا: میں نے آپ لوگوں کو ایک مقصد کے تحت مجتمع کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ لوگوں سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بولے قسم بخدا! ہم بہترین رائے دیں گے۔ آپ ارشاد فرمائیے تاکہ ہمیں بھی کچھ معلوم ہو۔ یزید بن مسعود بولے: آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ ایسی ہستی نہیں تھی کہ ہم اس کی موت پر طول و درنجور ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ ظلم و ستم اور گناہوں کا دروازہ ٹوٹ کر گر گیا ہے اور ظلم کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ معاویہ نے اپنی موت سے قبل ہی اپنے بیٹے یزید کے لیے مسلمانوں سے زبردستی بیعت لی اور سوچا کہ اب اس کی حکومت مضبوط و مستحکم ہو گئی ہے۔ لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس نے حتی الامکان بھرپور کوشش کی لیکن پھر آخر میں اس کی کوششیں سست ہو گئیں۔ اس نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اب اس کا شرابِ خور، فاسق و فاجر اور سیاہ کار و بدکار بیٹا یزید خلافت کا مدعی ہے۔



اور مسلمانوں کی مرضی کے خلاف مسند حکومت پر مسلط ہے۔ وہ احمق اور کمزور شخصیت کا حامل انسان ہے۔ وہ اس قدر پست فطرت اور کم عقل ہے کہ احکام خداوندی کی رو سے اپنا مقابہ بھی نہیں جانتا۔ خدا کی قسم! اس کے ساتھ دین اسلام اور خوشنودی خدا کے لیے جنگ کرنے مشرکین سے لڑی جانے والی جنگوں سے بھی بہتر ہے۔

دوسری طرف امام حسین علیہ السلام فرزند رسول جو حقیقی شرف و فضیلت کے حامل اور صائب الرائے ہیں۔ علم و حکمت میں آپ کے مرتبے کا اندازہ اور آپ کے فضائل و مناقب کا تعین انسانی طاقت سے باہر ہے۔ آپ خلافت کے صحیح حق دار ہیں۔ آپ کا تابناک ماضی اور پیغمبر اسلام کیسے آپ کی قرابت اظہر من الشمس ہے۔ آپ سب انسانوں پر بلا لحاظ مقام مرتبہ مہربان ہیں۔

وہ عظیم راہنما اور سچے قائد ہیں۔ آپ لوگ نور خدا کی تجلیوں سے چشم بصیرت بند نہ کریں اور کہہ کر بھی بغیر نبوت کے اختیار نہ کریں۔ آپ کے قبیلے کا فرد صحیح بن جس جگہ جل میں جناب علی المرتضیٰ کی نصرت سے رہا۔ اس بات سے ہم شرمندہ ہیں۔ اب اس داغ شرمندگی کو اس طرح دھو سکتے ہیں کہ فرزند رسول کی نصرت کے لیے روانہ ہو جائیں۔

یزید بن مسعود کی یہ تقریر بھی انہی مطالب و معانی کی حامل ہے جو اس دور کے دیگر مصلحین و مردانِ حق سے منقول ہیں۔ اس میں یزید کا خلافت کے لیے نااہل ہونا اور انتہائی معاویہ سے بنیاد و ظلم کے متزلزل ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے واضح ہے کہ امام عالی مقام امت مسلمہ کی معاشرتی مشکلات کو حل کرنے اور اسلامی معاشی و معاشرتی عدل کو رائج کرنے کے لیے میدان میں نکلے تھے۔ آپ ہر کس و نا کس اور ہر چھوٹے بڑے پر مشفق و مہربان تھے۔ ان کے درمیان اختلاف کے اسباب بخوبی اس سے سمجھے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح منزلِ ذمی میں امام حسین علیہ السلام نے اپنے مختصر خطبے میں اپنے ساتھیوں کو اس دور کے اہل حق سے روشناس کروایا ہے۔ فرماتے ہیں:



”معاذ اللہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ آج تم دیکھتے ہو دنیا کے حالات خراب سے خراب تر ہیں۔ اس کی خوبیاں رو بہ زوال ہیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور اس دنیا کے طرف میں ذلیل و لست زندگی اور چند خوبیوں کی تلچھٹ رہ گئی ہے۔ آج دنیا وہ چراگاہ ہے جس میں مضر رساں گھاس کے علاوہ اور کچھ نہیں اگتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا، باطل کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کی جاتی۔ ان حالات میں مرد مومن موت کی آرزو کرتا ہے میں حسین بن علی (علیہما السلام) آج کے دور میں موت کو خوش نصیبی اور سعادت تصور کرتا ہوں۔ کیونکہ ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنا میرے نزدیک دل گرتھکی اور رنج و ملال کا باعث ہے۔ لوگ دُنیا نے دُنیا کے پرستار ہیں۔ دین ان کے لیے کھائے ہوئے کھانے کی مانند ہے۔ جب زندگی سکون و اطمینان سے گزرتی ہے وہ دین کی پابندی کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن جب امتحان و آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں تو اہل دین کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔<sup>۱۵</sup> ایک مرتبہ پھر آپ کے ارشادات پر غور کر لیجئے، فرماتے ہیں: ان حالات میں زندگی میرے لیے ناگوار ہے۔ میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں، آج کی دنیا وہ چراگاہ ہے جس میں نقصان دہ اور بیمار کرنے والی گھاس کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ ان حالات میں صاحبان ایمان کو موت کا آرزو مند ہونا چاہیے۔ یعنی، راہ خدا میں اپنے آپ کو شہادت کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔

امام علیہ السلام نے ان تمام برائیوں کا سبب ایک جملے میں بیان فرما دیا ہے: کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل کو چننے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یعنی آج کا معاشرہ محور فریعت پر نہیں گھومتا اور اپنے ان فطری رجحانات سے منحرف ہے جو حق پرستی اور ظالموں کی سرکوبی پر مبنی ہیں۔ دُنیا نے اسلام بنی اُمیہ کی مرضی کے مطابق ڈھل چکی ہے۔ حکومت کا تمام تر انحصار ظلم و ستم پر ہے۔ ان حالات میں زندگی گزارنا ناقابل برداشت ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ ظلم و ستم

۱۵ تحف العقول ص ۲۴۵ طبع جدید۔ ذخائر العقبی ص ۱۵۰۔ اس کا عربی متن کتاب کے آخر میں سرچ ہوگا۔



کے اس ماحول کو یکسر بدل دے۔ اور نا انصافیوں کا خاتمہ کر دے یا پھر اس کے لیے کوشش کرتا ہو اجماع شہادت نوش کر جائے۔ تاکہ وہ ان دلخراش اور افسوس ناک مناظر کو دیکھنے کے کرب سے نجات پا جائے۔

جن لوگوں کی رُوح اپنے معاشرے سے پیوست ہو ان کی کیفیت یہی ہوتی ہے وہ اپنے ہم جنسوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے ہیں۔

ابوالفرج اصفہانی نے ایک علوی سید جن کا نام محمد بن ابراہیم ہے کے حالات میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک دفعہ وہ کوفے کی گلیوں سے گزر رہے تھے۔ انھوں نے ایک ضعیفہ کو دیکھا جو تجارتی سامان کے قافلے کے پیچھے پیچھے چلی جا رہی تھی۔ ان کے سامان میں سے جو کچھ وریں گرتی تھیں وہ اٹھا کر ایک پھٹے کپڑے میں رکھ لیتی تھی۔ محمد بن ابراہیم نے اس سے پوچھا کہ وہ ان کا کیا کرے گی؟ اس ضعیفہ نے جواب دیا کہ میرا شوہر نہیں ہے جو میرے نان و نفقہ کی ذمہ داری اٹھائے۔ میری بیٹیاں اپنی کفالت نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ میں اس راستے میں آگئی ہوں اور اس سے ہی اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ بھرتی ہوں۔ محمد بن ابراہیم اس صورت حال پر بہت روتے اور کہا: خدا کی قسم! تم اور تم جیسے نادار لوگ مجھے مجبور کرتے ہو کہ کل ہی حکومت کے خلاف بغاوت کروں تا آنکہ میرا خون بہا دیا جائے۔<sup>۱۵</sup>

یہی وجہ ہے کہ امام عالی مقام ارشاد فرماتے ہیں کہ میں موت کو خوش بختی تصور کرتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو رنج و طلال اور حسرت و یاس کا سبب جانتا ہوں۔ بنی امیہ اور اولاد ابوسفیان کی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے اہل کتاب کے بارے میں نازل ہونے والی قرآن پاک کی آیت بہترین ذریعہ ہے۔ یہودیوں کے ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ وہ یہودیوں کے علاوہ کسی کے ساتھ خیانت کرنے پر جواب دہ نہ ہوں گے اور غیروں کا مال ناجائز طریقے سے کھا جائے یہودیوں کے لیے جائز ہے۔ ارشاد باری ہے: "قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأَقْمِيَيْنِ سَبِيلٌ" (ان کا

<sup>۱۵</sup> لے مقاتل الطالبین ص ۲۷۱ طبع مصر، احوال محمد بن ابراہیم بن اسمعیل - لے آل عمران آیت ۵۵۔ قرآن پاک میں یہ عقیدہ اہل کتاب کے نام سے بیان ہوا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا۔ انصار میں اسے یہودیوں سے نسبت دی گئی ہے۔



قول ہے کہ عرب کے جاہلوں کا حق مارنے میں ہم پر کوئی الزام نہیں، بنی امیہ نے بھی دولت ایمان سے خالی ہونے اور خود پسندی کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ ان کے اعمال کے مطابق یہ آیت یوں ہو سکتی ہے: لیس علیہم فی المسلمین سبیل۔

اس باب میں جو کچھ بیان ہوا اس سے واضح ہو گیا کہ امام حسین علیہ السلام اور بنو امیہ کے درمیان اختلاف اسلامی حکومت کے قیام پر تھا۔ امام چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی زندگی حضور ختمی مرتبت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گزاریں اور اسلامی حکومت انہی خطوط پر استوار ہو، جن پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے استوار کیا تھا تاکہ مسلمان سعادت و آسائش پائیں لیکن بنو امیہ کی خواہش تھی کہ وہ اسلامی شریعت سے لاپرواہی برت کر اور حکومت و عوام کے بارے میں ٹھوس حقائق کو نظر انداز کر کے اپنی ہوس پوری کر سکیں اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے عوام کے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔

اس باب کے آغاز میں اور اسی طرح دیباچہ کتاب میں ہم نے ان وجوہات و اسباب کو بیان کیا، جن کی بنا پر لوگوں نے اس مقدس مشن کو غیبت جیسی معاشرتی برائیوں کے خاتمے اور ہنگامی جیسے معاشی مسائل کی روک تھام کے لیے قرار دیا۔

## کیا امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے؟

یہ بحث بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے۔ تاہم یہاں تمہید کے طور پر دو موضوعات پر تفصیلاً گفتگو کی جائے گی اور یہ حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ امام عالی مقام کا مشن تقیہ سے کس طرح مطابقت رکھتا ہے۔
- ۲۔ یہ تحریک انقلاب اس حکم سے کیونکر مطابقت رکھتی ہے کہ اپنے نفس کو بھلا



میں ڈالو۔

رہا یہ مسئلہ کہ آیا امام اپنی شہادت سے آگاہ تھے، تو تاریخ اور روایات پر عمیق نظر ڈالنے سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ جناب سید الشہداء بنی امیہ کے ہاتھوں اپنی شہادت پر پختہ یقین رکھتے تھے اور شہادت سے آگاہی کے باوجود بھی آپ نے اعلانے کلمہ حق سے دریغ نہ کیا۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ امام عالی مقام اپنے مشن کے اس خونی انجام سے بے خبر تھے وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ قطع نظر اس حدیث کے جو امام یہ نہ جانتا ہو کہ اسے زندگی میں کیا امور پیش آئیں گے اور وہ کس انجام سے دوچار ہوگا تو وہ خلق خدا پر حجت نہیں ہو سکتا۔ ابتدا ہی سے خاندان بنی ہاشم میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت زبان زد عام تھی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس واقعے کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن چکی تھی۔ آپ کی یہ حدیث کہ میری امت میرے اس بیٹے کو شہید کرے گی۔ اور اسی قسم کی بہت سی دوسری حدیثیں مشہور تھیں۔ جو شیعہ اور سنی کتب احادیث میں آپ سے منقول ہیں۔

مثال کے طور پر علامہ یعقوب کلینی کی اصول کافی، شیخ مفید علیہ الرحمہ کی ارشاد مفید، علامہ طبرسی کی اعلام الوری، ابن حجر مکی کی صواعق محرقة اور ابن جوزی کی تذکرہ سبط سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

علامہ محمد باقر مجلسی نے بحار الانوار کی چوالیسویں جلد طبع جدید میں صفحہ ۲۲۳ سے صفحہ

۱۵ کالی جلد صفحہ ۲۵۸ باب (ان الائمة يعلمون متی یموتون) حدیث کے الفاظ میں ہیں: ای امام لا یعلم ما یصیبہ والی ما یصیر فلیس ذلک حجة الله علی خلقہ۔

۱۶ اصول کافی جلد باب مولد الحسین علیہ السلام۔ ارشاد مفید صفحہ ۲۲۲-۲۲۵۔

اعلام الوری صفحہ ۲۱۷-۲۱۷۳۔ سیرتنا و سفتنا تالیف صاحب الغدیر صفحہ ۳۰-۳۱-۳۰۔

۱۲۲۔ صواعق محرقة ابن حجر صفحہ ۱۹۰ فصل ثالث حدیث ۲۸-۲۹-۳۰۔ تذکرہ نور الابصار شبلنجی و

فصول المہمہ ابن صباغ میں بھی اس قسم کی احادیث نقل ہوئی ہیں۔



۲۲۶ تک اس موضوع پر اکثر احادیث نقل کی ہیں۔ یہاں ہم ان مواقع کا ذکر کریں گے جہاں امام علیہ السلام نے اپنی شہادت کو بیان فرمایا ہے۔ سید بن طاووس لہوف میں نقل کرتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام مکے سے عراق کے لیے عازم سفر ہوئے تو لوگوں کی ایک جمعیت کو مخاطب کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد لله ما شاء الله ولا قوة الا بالله وصلى الله على رسوله،

خط الموت على ولد آدم مخط القلادة على جيد الفتاة، وما اولهني

الى اسلا في اشتياق يعقوب الى يوسف وخير لي مصرع انا لاقيه،

كأني باوصالي تتقطعها علان الفلوات بين النواويس كربلاء فيملأون

منى اكر اشأ جوخا واجربة سفيا لا محيص عن يوم خط بالقلم رضی الله

رضانا اهل البيت، بانصبر على بلائهم ويوفينا اجر الصابرين۔ لن

تشد عن رسول الله لعمته وهي مجموعة له في حظيرة القدس تقربهم

عينه وينجز بهم وعده، من كان باذ لا فينا مهجنته وموطنا على لقاء

الله نفسه فليرحل معنا فانني راحل مصبحا انشاء الله۔ (لہوف ص ۳۵)

یعنی حمد و ثنا خداوند عالم کے لیے مخصوص ہے اور تمام امور منشاء اللہ کے

مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اس کے سوا کوئی قوی و توانا نہیں۔ رسول خدا

پر خدائے لم یزل کی رحمتیں نازل ہوں۔ موت اولاد آدم کا مقدر بن چکی ہے۔ جیسے

جو ان عورت کے گلے کا بار۔ اور انسان کو ہر صورت موت سے دوچار ہونا ہے۔ میں

اپنے جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے والد گرامی قدر جناب علی المرتضیٰ

علیہ السلام، اپنی والدہ ماجدہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور برادر بزرگ

جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دیدار کا اتنی شدت سے متمنی ہوں جتنی شدت

سے جناب یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے جناب یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے



خواہشمند تھے۔ خدائے بزرگ دربر تر نے میرے لیے جائے شہادت منتخب کر دی گئی ہے۔

اور میں اس کی طرف رواں دواں ہوا۔

۵۶۰۱۰ میں دیکھ رہا ہوں کہ دشتِ عراقی کے بھیڑیے نوادیس اور کربلا کے درمیان میرے جسم کے ایک ایک جوڑ کو توڑ رہے ہیں اور اپنے خالی شکموں اور زنجیلوں کو مجھ سے پُر کر رہے ہیں۔ کارکنانِ قضا و قدر نے قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس سے فرار ممکن نہیں۔

ہم اہلبیت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس پر راضی ہیں جس پر خدا راضی ہے۔

جو کچھ خدائے لایزال پسند فرماتا ہے ہم بھی اُسے پسند کرتے ہیں۔ خداوند عالم ہمیں جن

آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ ہم صبر سے ان کو سہتے ہیں۔ اور وہ ہمیں اس اجر و ثواب

سے نوازتا ہے جو صابروں کے لیے مخصوص ہے۔ میں رسول خدا کے جسم اطہر کا ٹکڑا

ہوں اور ان کا جزو ان سے دور اور جدا نہیں رہ سکتا۔ بہشت میں دونوں کا مقام ایک

جگہ ہوگا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہمیں دیکھ کر خوشی و مسرت سے معمور

ہوگا۔ اور ہم سے کیا گیا اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔ جو کوئی بھی اپنے سرمایہ جان کے ساتھ

ہماری مدد کے لیے کمر بستہ ہے اور اپنے آپ کو راہِ خدا میں شہادت کے لیے تیار کر چکا

ہے تاکہ دیدارِ الہی سے فیض یاب ہو سکے تو ہمارے ساتھ چلا آئے۔ ہم انشاء اللہ کل

صبح منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

اس خطبہ مبارک میں سب سے پہلے امام علیہ السلام نے اپنی شہادت کا ذکر فرمایا ہے اور

واشکاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ میرے لیے شہادت گاہ متعین ہو چکی ہے اور میں اس

کی طرف رواں دواں ہوں۔ میری نظروں کے سامنے یہ نقشِ مجسم ہے کہ عراق کے ظالم و جفا کار

اپنے شکموں اور جیبوں کو (بھاری رقوم کے انعامات سے) بھرنے کے لیے میرے ٹکڑے کر رہے

پھر آپ نے خیرِ نبی کے لفظ سے واضح فرمایا کہ یہ شہادت رضائے خدا ہے اور اس کی طرف

سے یہ طے شدہ امر ہے مجھے اس میں دخل کی مجال نہیں۔ بلکہ خداوند قدوس روزِ ازل سے ہی اس

لے کر بلا کے نزدیک واقع ہودیوں کا قبرستان۔



خواباں ہے کہ میں اس کی راہ میں بنی امیہ کی خون آشام تلواروں کا لقمہ بن جاؤں تاکہ دین اسلام ان کی دست برد سے محفوظ رہے اور بنو امیہ کے اسلام کو برباد کرنے والے اقدامات نقش بر آب ہو جائیں۔ اور قرآن حکیم کی مخالف طاقتیں نیست و نابود ہو جائیں۔ پھر آپ نے لایحیص عن یوم نخط بالقلم۔ جو کچھ کارکنان تضاد و قدر نے تحریر کر دیا ہے اس سے فرار ممکن نہیں ہے کہ کر دوبارہ حاضرین کی توجہ تقدیر الہی کی طرف مبذول فرمادی۔ آپ یہ واضح فرمانا چاہتے تھے کہ آج اسلامی معاشرہ جن حالات سے دوچار ہے اور تباہی و بربادی کے جس مقام پر پہنچ چکا ہے اس کی اصلاح باطل سے ٹکراتے ہوئے شہید ہو جانے کے سوا اور کسی طرح ممکن نہیں۔ جاں بلب اسلامی معاشرے کو شہیدانِ راہ خدا کے خون کی ضرورت ہے۔ تاکہ یہ تازہ اور پاک و پاکیزہ خون اُسے حیاتِ نو بخش سکے۔ اور آخر میں اعلان فرمایا کہ صرف وہی افراد میرے ہم سفر اور ہم کار ہو سکتے ہیں جو نقد حیات کو نذر خدا کرنے پر کمر بستہ ہوں تاکہ دیدار الہی سے جنت نگاہ حاصل کر سکیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں دین کی تحریری اور زبانی تبلیغ بے فائدہ ہے۔ مال و دولت صرف کر کے بھی ان حالات کو سنوارا نہیں جاسکتا۔ اصلاح کی صرف ایک ہی راہ ہے، ان بیماریوں کا ایک ہی دوا ہے کہ بندگانِ مخلص اپنے خون کا نذرانہ بارگاہِ الہی میں پیش کر دیں۔

آپ کے اس خطبے سے بالکل واضح ہے کہ آپ کو اپنی شہادت کا علم تھا اور تمام صورت حال سے آگاہ ہوتے ہوئے آپ عازمِ کوفہ تھے۔

ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن زبیر سے گفتگو کے دوران آپ نے فرمایا: واللہ لوان اقتل خارجا منها بشیرا حب الی من ان اقتل فیہا..... وایم اللہ لو کنت فی حجرہا مة من ہذہ الہولاء لا ستخرجونی حتی یقضوا لی <sup>لہ</sup> جنتہم یعنی قسم ہے خدائے لایزال کی کہ اگر مکہ سے ایک باشت باہر بھی مارا جاؤں تو اس سے بہتر ہے کہ میں شہر مکہ میں شہید کر دیا جاؤں۔ خدا کی قسم! اگر میں حشرات الارض کے بلوں میں بھی



پناہ لے لوں۔ تو یہ ظالم مجھے وہاں سے نکال کر بھی اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے مجھے شہید کر دیں گے۔

ابن اثیر نے کامل میں تحریر کیا ہے کہ امام عالی مقام نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا ہے: خدا کی قسم! بنی امیہ کسی صورت مجھ سے اُس وقت تک دست کش نہیں ہوں گے۔ جب تک میرا خون ناحق نہ بہا لیں۔ لیکن مسیری شہادت کے بعد خداوند عالم ان پر ایسے شخص کو مستطاب کرے گا جو انہیں انتہائی ذلیل و خوار کرے گا اور جس کے ہاتھوں وہ ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جائیں گے۔

بنی امیہ امام عالی مقام سے اس کے سوا اور کچھ نہ چاہتے تھے کہ امام علیہ السلام زید کی بیعت کر لیں اور اس کی ظالمانہ و غیر اسلامی حکومت کو تسلیم کر لیں۔ امام حسین علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ کسی قیمت پر بھی کسی صورت بھی بیعت نہ کریں گے اور پھر اس سے آگاہ تھے کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں وہ انہیں شہید کیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ مذکورہ خطبے کی طرح یہ حقائق بھی اپنی شہادت سے امام علیہ السلام کی آگہی کی دلیل ہیں۔

اثبات الوصیۃ میں مسعودی نے یہ واقعہ درج کیا ہے کہ جب امام حسینؑ نے سفر عراق

کا قصد فرمایا تو اُمّ المؤمنین جناب اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور فرمایا: بیٹے میں

تمہیں خدائے بزرگ کی قسم دیتی ہوں کہ تم عراق کا سفر اختیار نہ کرو۔ امام علیہ السلام نے پوچھا کہ

آپ مجھے عراق کے سفر سے کیوں منع فرماتی ہیں۔ تو فرمانے لگیں: میں نے رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن رکھا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ عراق میں شہید کیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا: امان جان یقیناً میں شہید کیا جاؤں گا۔ کارکنان قضا و قدر نے جس انسان

کے لیے جو کچھ متعین کر دیا ہے اس سے فرار ناممکن ہے اور کوئی ذی رُوح بھی موت سے نہیں

بچ سکتا۔ میں اپنی شہادت کے دن، وقت اور مقام سے آگاہ ہوں۔ اس قطعہ ارضیٰ سے بھی واقف



ہوں جو میری ابدی آرام گاہ ہوگی۔

سید بن طاووس نے "کوف" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جس صبح آپ عراق کی طرف روانہ ہونے والے تھے۔ اس رات آپ کے بھائی محمد حنفیہ حاضر خدمت ہوئے۔ اور کہا: بھائی جان! جن اہل کوفہ نے آپ کے والد علی المرتضیٰ علیہ السلام اور برادر بزرگوار حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ وغاد فریب کیا، مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ مصلحت اندیشی تو یہ ہے کہ آپ مکے ہی میں قیام فرمائیں۔ کیونکہ آپ کی پوزیشن یہاں زیادہ مستحکم ہے اور اہل مکہ آپ کو اہل کوفہ سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جان برادر! مجھے ڈر ہے کہ یزید بن معاویہ خفیہ طور پر کسی کے ذریعے اچانک ہی مجھے شہید کر ڈالے گا۔ اور مجھے اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے جو میت کعبہ کو بر باد کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ اور اوہن دخلہ کان اہنا کے قرآنی حکم کو پامال کر دے گا۔ اس پر محمد حنفیہ نے کہا: تو پھر آپ مین یا کسی اور ویران مقام پر تشریف لے جائیے۔ اس طرح کوئی بھی آپ پر دست تعدی دلا نہ کرے گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے جو کچھ کہا میں اس پر غور کر رہا ہوں۔

اگلی صبح جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے روانہ ہوئے تو محمد حنفیہ اس وقت پہنچے جب آپ راہوار پر سوار ہو چکے تھے۔ انہوں نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا: آپ نے میری تجویز پر غور فرمانے کا وعدہ نہ کیا تھا؟ فرمایا: ہاں! تو آپ اس قدر جلد کیوں کے سے جا رہے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: رات آپ کے جانے کے بعد میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ فرما رہے تھے: یا حسین! اخرج فان الله قد شاء ان يراك قتيلا۔

اے حسین! مکہ سے روانہ ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ تمہیں اپنی راہ میں شہید ہوتا دیکھنا چاہتا ہے۔ محمد حنفیہ

نے انا لله وانا اليه راجعون پڑھ کر فرمایا: پھر آپ ان حالات میں ان بیبیوں اور بچوں کو کیوں



ساتھ لے جا رہے ہیں؟

امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: رسول خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آت اللہ قد شاء ان یراھن سبا یا۔ خدا تعالیٰ ان کو قیدی بنا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد بھائی کو خدا حافظ کہہ کر امام روانہ ہو گئے۔

اس گفتگو سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امام عالی مقام اپنی شہادت اور اسیری اہل بیت سے بطور کلی آگاہ تھے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسین اور آپ کے اقربا و رفقا کی شہادت اور مخدرات عصمت کی اسیری منشاءے ایزدی تھی۔ حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے نانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اگر ملت اسلامیہ کی بقا منظور ہے تو ضروری ہے کہ وہ منشاءے خداوندی کے مطابق شہید ہوں اور ان کی بہنیں، بیویاں اور دیگر محترم خواتین قید ہو کر درباروں اور بازاروں میں جائیں۔ تاکہ لوگ ان اتر حالات سے آگاہ ہوں۔ اور امت مسلمہ کو خاتمے سے بچا لیا جائے۔ یہ مذکور ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت بنی ہاشم کو امام علیہ السلام نے اپنی شہادت سے ایک خط میں مطلع کر دیا تھا۔

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پوتے محمد بن عمر سے یہ روایت کتب تاریخ میں بیان کی گئی ہے۔ کہ میرے والد حضرت عمر بن علی بن ابی طالبؓ اولاد جناب عقیل میں سے میری نگہداشت کرنے والی خواتین سے فرمایا کرتے تھے کہ جب میرے بھائی جناب حسین بن علی علیہما السلام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اکیلے گھر پر تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ کے برادر بزرگوار حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے والد گرامی

۱۰ لہوف ص ۳۸ و ۳۹

۱۱ لہوف ص ۳۹

۱۲ عمر بن علیؓ فرزند ان امیر المؤمنین اور شہدائے کربلا میں سے ہیں۔



تدر علی مرتضیٰ علیہ السلام کے توسط سے مجھے خبر دی تھی..... اتنی بات کہہ کر میں آنسو ضبط نہ کر سکا اور بلند آواز سے رونا لگا۔ چنانچہ میری بات بیچ میں رہ گئی۔ بھائی جان نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور ارشاد فرمایا: میرے بھائی نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ میں مارا جاؤنگا میں نے کہا: خدا تعالیٰ آپ کو ہلاکت سے دور رکھے۔

بھائی جان نے کہا: میں تمہیں بابا کی قسم دیتا ہوں۔ کیا انھوں نے میری شہادت کی خبر نہیں دی تھی؟ میں نے کہا: جی ہاں! پھر عرض کیا کہ آپ نے یزید کی بیعت کیوں نہیں کی؟ ارشاد ہوا: میرے بابا علی مرتضیٰ نے مجھے بتایا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اور میری شہادت کی خبر انھیں دی تھی اور فرمایا تھا کہ میری قبر ان کی قبر مبارک سے نزدیک ہوگی۔ اسے بھائی! آپ کا خیال ہے کہ آپ جانتے ہیں اور مجھے کچھ معلوم نہیں؟ البتہ آپ نے یزید کی بیعت کا جو تذکرہ کیا تو جان لیں کہ میں اس ذلت و خواری پر کبھی راضی نہ ہوں گا۔ میری ماں فاطمہ سلام اللہ علیہا روز جزا اپنی اولاد پر ہولے والے مظالم کے خلاف ضرور اپنے باب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کریں گی۔ اور جو کوئی بھی میری ماں فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ان کی اولاد کے معاملے میں ازیت دے گا وہ داخل بہشت نہ ہو سکے گا۔

ثقتہ الاسلام کا مینی رحمہ اللہ نے اصول کافی میں صحیفہ مختومہ کے بارے میں کئی روایات درج کی ہیں۔ اور یہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے۔ (مستقی العلم من بیت، آل محمد) کے عنوان کے تحت جو باب قائم کیا ہے اس میں روایت درج ہے کہ منزل ثعلبہ میں ایک شخص امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا (جو آپ کو کوفے جانے سے منع کر رہا تھا اور آپ کو شہادت سے ڈرا رہا تھا) آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا اہل کوفہ میں سے۔ فرمایا: اے برادر کوفی! خدا کی قسم! اگر تم مجھے مدینے میں ملتے تو تمہیں اپنے گھر میں وہ مقامات دکھاتا جہاں جبرئیل میرے جد رسول پاک



پر وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔ اسے کوئی بھائی! کیا لوگ ہم سے بہتر جانتے ہیں جبکہ علم و آگاہی کا منبع ہم ہیں۔ یاد رکھو، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

مذکورہ دلائل و شواہد سے ثابت ہے کہ امام عالی مقام اپنی شہادت سے پوری آگاہی رکھتے تھے۔ اور اس کے باوجود آپ نے آواز حق بلند فرمائی تھی۔ اس ساری بحث کے بعد مرحوم سید مرتضیٰ علم الہندی کی اس بات میں کوئی کلام نہیں رہتا جو آپ نے تنزیہ الانبیاء میں اس سوال کے ضمن میں بیان کی ہے کہ اگر معترضین کہیں کہ امام علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکے سے کوفہ کی طرف کیوں کوچ کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام برحق کو جب یہ یقین ہو جائے کہ وہ اپنا حق پالے گا تو اس کے لیے عملی اقدام اس پر واجب ہو جاتا ہے۔ چاہے اس راہ میں اسے شدید مشکلات و مصائب کا سامنا ہو۔ اس کے بعد علامہ مرحوم نے اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ مرحوم سید مرتضیٰ کی اس دلیل میں جتنے کلام نہیں اور انھوں نے ثابت کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے لیے اپنی شہادت ایتقان کا درجہ رکھتی تھی۔

## امام حسین علیہ السلام کا اعلیٰ مرتبہ حق اور تقیہ

گزشتہ باب کی بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے اور اپنے عظیم اقدام کے نتائج سے واقف تھے۔ یہاں دو مسائل زیر بحث آئیں گے۔ اول یہ کہ امام علیہ السلام کی تحریک انقلاب کا تقیہ سے کیا تعلق ہے اور کیا تقیہ کا یہ تقاضا نہ تھا کہ



آپ خاموشی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ "ولا تعلقوا بایدیکم الی التہلکة" کے قرآنی حکم سے آپ کا یہ قدم

کیونکر مطابق ہے۔

یہ باب اس کتاب کا احساس اور دقیق ترین باب ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی مدد سے ان دونوں

مسائل سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکے تو مقدس حسینی مشن کی عظمت اور روشن ہوگی اور

اس کی آب و تاب میں اضافہ ہوگا۔

اصل مطلب پر روشنی ڈالنے سے قبل ایک اہم نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ظلم کے خلاف

آواز اٹھانا اور ستم و جور سے برسرِ پیکار رہنا چند صدی پہلے تک شیعیانِ علی کی ایک نمایاں خصوصیت

رہی ہے۔ ائمہ علیہم السلام اور حقیقی شیعوں کے سوانح حیات کے مطالعہ سے یہ بات ثابت

ہو جاتی ہے۔ بعض ائمہ مثلاً جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام نے

ظلم و جور کے خلاف تلوار کو نیام سے باہر نکال لیا تھا۔ اور اسلامی معاشرے میں اصلاح

احمال کی روح پھونک دی۔ اور دوسرے تمام ائمہ نے اس کی تائید و تکمیل کو اپنی کوششوں

کا مرکز بنائے رکھا۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے جب تک ممکن ہوا معاویہ کے ساتھ جنگ جاری

رکھی۔ اور جب اس سے مجبوراً دست کش ہونا پڑا تو معاویہ سے یہ تحریر بھی عہد لیا کہ

وہ کتاب و سنت پر عمل پیرا رہے گا اور اپنے بعد کسی کو جاننا نہیں مقرر نہیں کرے گا۔

انھوں نے یہ شرط عائد کی کہ معاویہ اپنے آپکے اخیار المؤمنین نہ کہلائے گا۔

اور وہ اس کے سامنے گواہی دینے کے پابند نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ ان کے نزدیک

امیر المؤمنین اور منصف نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ آپ نے مدینے میں نبی امی کے

۱۔ مطالب السؤل ابن طلحہ ص ۶۸۔ صواعق محرقة ابن حجر ص ۱۲۲

۲۔ حیاة الحسن تالیف باقر شریف ج ۲ ص ۱۶۲ بہ نقل از تذکرہ سبط ابن جوزی



مقابل ایک کمیٹی کی تشکیل کی اور اس کی سربراہی خود اپنے ذمے لے لی۔

جناب سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام نے دمشق کی مسجد میں یزید اور جو امیہ کی سیدہ کاریوں کا پردہ چاک کیا۔ آپ کے اس خطبے نے لوگوں کو بیدار کرنے میں اس تند و تیز موج کا کام کیا جو بحر متلاطم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ یہاں تک کہ مردان بن حکم کو یزید سے کہنا پڑا کہ ان کا شام میں یزید قیام تمہاری حکومت کے مفاد میں نہیں ہے۔

بچی بن ام طویل جو کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ انھوں نے کنا سے گرفتہ میں بلند آواز سے کہا: اے خدا کے دوستو، ہم بنی امیہ سے جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بے ادبی کرتے ہیں، بیزار ہیں جو کوئی بھی علی علیہ السلام کے لیے ناروا الفاظ استعمال کرتا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو ہم آل مردان اور ان کی سیدہ کاریوں سے متنفر ہیں۔ یہ ظالم حجاج بن یوسف کا دور تھا۔ اس کے حکم سے یعنی رحمہ اللہ کے دونوں ہاتھ اور پیر قطع کر دیے گئے۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے عم محترم محمد حنفیہ سے فرمایا:

”اے چچا جان! اگر کوئی حبشی غلام، ہم اہل بیت علیہم السلام کے لیے برسر پیکار ہوتا ہے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کا ساتھ دیں۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ زیارت کعبہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سال ہشام ابن عبدالملک اموی بھی حج کے لیے آیا ہوا تھا۔ امام صادق علیہ السلام نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حمد ثنا اس خدا کے لیے ہے جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث

۱۵ علی و بنو ہاشمہ حسین ص ۲۰۰ ترجمہ احمد احمد آرام

۱۶ کامل بہائی ج ۲ ص ۳۰۲ طبع جدید

۱۷ فرہنگ آندراج کے مطابق کوفہ میں یہ مقام ہے۔

۱۸ سفینۃ البحار ج ۱ ”حی“ میں دیکھیں

۱۹ منتخب التواریخ ص ۴۴۲



برسالت کیا اور ان کے دہلیے سے ہمیں بھی صاحبِ عز و شرف قرار دیا۔ ہم خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اس نے اپنی تمام مخلوق میں سے ہمیں چن لیا ہے اور اپنے بندوں میں سے ہمیں اپنے پسندیدہ بندے قرار دیا ہے۔ سعادت مند اور خوش بخت وہی ہے جو ہماری پیروی کرتا ہے۔ شقی و بد بخت وہ ہے جو ہمارا دشمن ہے اور ہماری مخالفت کرتا ہے۔ بعض لوگ وہ ہیں جو ہماری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ہمارے دشمنوں اور ان کے دوستوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ یہ لوگ خلاقِ عالم کے

احکامات سے خافل ہیں اور ان پر عمل پیرا نہیں ہیں۔“

خلیفہ کے بھائی مسلمہ نے اس کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام ہشام بن عبدالملک کے ہاتھوں قید ہو گئے اور اسی نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کو نہ ہر دے دے۔ سیاہ ضمیر منصور کے حکم سے امام جعفر صادق کے خانہ اقدس کو آگ لگا دی گئی۔ اور کئی بار آپ کو بالجبر مدینے سے عراق لے جایا گیا۔ منصور عباسی نے آپ کو شہید کرنے کے لیے شمشیر کو نیام سے نکال لیا۔ آپ کے درس پر ایک مدت تک پابندی لگا دی گئی ہے اور لوگوں کو آپ سے ملاقات سے منع کر دیا گیا۔

امام کاظم علیہ السلام نے ہارون الرشید عباسی کے دور میں چار سال تک قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں اور لعنتِ آزدی سے محروم رہے۔ آخر کار زہر دے کر آپ کو شہید کر دیا گیا۔ جناب امام رضا علیہ السلام جلا وطن ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار مقدس سے مرد لے جائے گئے۔ اور ایک عرصے تک سرخس میں قید رہے۔

۱۵ دلائل الامامہ تالیف محمد بن جریر بن رستم طبری امامی صفحہ ۱۰۴ طبع نجف۔

۱۶ منتہی الامال جلد ۲ ص ۷۸

۱۷ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۲۳۶ طبع جدید

۱۸ الانوار البہیہ، ص ۱۰۴۔



اور بالآخر مامون عباسی نے انھیں زہر دلوادیا۔

فوس امام حضرت تقی جواد علیہ السلام نے ان ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں بے انتہا مصائب و مشکلات برداشت کیں اور مدینے سے بغداد لائے گئے۔ اور ایک روایت کے مطابق عباسی خلیفہ کے اشارے سے انھیں زہر دے دیا گیا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ظلم و جبر کے تحت مدینہ کو خیر باد کہہ دیا۔ اور سامرا میں عباسیوں کی نگرانی میں اقامت اختیار کی۔ متوکل عباسی کا آپ سے رو یہ اہانت آمیز تھا۔ آپ نے کچھ مدت زندان میں بھی گزار دی۔

یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام نے بنی امیہ اور بنو عباس کے مظالم کے خلاف خاموشی اختیار نہیں کی۔ برسرِ پیکار رہے اور اعلیٰ کلمہ حق فرماتے رہے۔ آپ ان کے خلاف فتوے بھی دیتے تھے۔ وگرنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ حضرات ان تمام مشکلات و مصائب سے دوچار ہوتے۔ جبکہ علمائے سوا اس دور میں خلفا کو اولوالامر منکم کے مصداق قرار دے کر بھاری رقوم حاصل کرتے تھے اور بڑے تزک و احتشام سے زندگی گزارتے تھے

یہ بالکل درست ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی طرح دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام نے تلوار سے کام نہ لیا کیونکہ یہ مصلحت وقت نہ تھی۔ لیکن کھلم کھلا مخالفت، صدائے احتجاج بلند کرنے اور ظلم و جور پر تنقید کرنے سے کسی وقت دستبردار نہ ہوئے۔ اس راہ میں انھوں نے زہر کھائے، قید کی صعوبتیں برداشت کیں، جلاوطنی کی مشکلیں سہیں، ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے اور یہی وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے حسینِ مشن کا دائرہ وسیع کر کیا اور اس کی اثر انگیزی میں اضافہ کیا۔ اگر وہ اپنی علمی تحریک اور انتقاد کو جاری نہ رکھتے تو حتمی طور پر آج دین مبین کا دامن اتنا پڑیا یہ نہ ہوتا جتنا ہے۔

ہمیں ائمہ اطہار علیہم السلام کے اصحابِ با وفا کی جدوجہد اور حق کا بول بالا کرنے کے لیے ان کی کوششوں پر بھی عمیق و دقیق نظر ڈالنا چاہیے۔ کون ہے؟ جس نے حجر بن عدی، عمرو بن حمق، کبیل بن زیاد، سید حمیری کی داستان عزم و شجاعت نہ بسنی ہو۔



بہر صورت یہ بات واضح ہے کہ اموی اور عباسی دور میں جوش عمل سے بھرپور یہ مذہب ظلم و ستم کے خلاف پیکار کو رواج دیتا تھا۔ بعد میں جب شیعوں کو مصائب و مشکلات برداشت کرنے کے بعد کچھ علاقوں میں اقتدار پلیر آیا تو حکومتوں نے اس مذہب کی حمایت کی اور تشیع سرکاری مذہب قرار پایا۔

ان حکومتوں اور ہمیشہ برسر پیکار رہنے والے شیعوں کے درمیان والدین اور اولاد جیسی محبت نے فروغ پایا۔ اور ظلم کے خلاف احتجاج و جدوجہد جو ان کی خصوصیات میں سے تھی وہ امن و صلح میں بدل گئی۔ اور پھاڑ کھانے والے شیر کی طرح اہل تشیع بھی رام ہو گئے وہ راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ بلکہ ہم اُسے اس آتش نشاں سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کا دہانہ بند ہو اور کبھی کبھی وہ اپنی گزشتہ حالت کے زیر اثر تھوڑا سا دھواں باہر نکال دیتا ہو۔

ان حالات کے دیر تک قائم رہنے سے یہ نتیجہ نکلا کہ جہاد اور تقیہ سے متعلق آیات و روایات کا صحیح مفہوم اور ظلم کے خلاف جدوجہد آہستہ آہستہ اپنا حقیقی مقام کھو بیٹھی۔ انھوں نے ظلم کے خلاف خاموشی اور اس طور اس سے تعاون کو تقیہ کے لباس میں دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ جو راہِ خدا میں اصلاح معاشرہ کے لیے مشکلات و مصائب برداشت کرنے پر آمادہ رہتے تھے اور حق کے خلاف ایک نامناسب لفظ بھی سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ انھوں نے ولا تلقوا بایدیکم والی التہلکۃ کا سہارا لے کر ان فرائض سے سبک دوشی اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ وہ ائمہ علیہم السلام کے شاندار طرز عمل اور ظلم کے خلاف جرات مندانہ اقدامات کو فراموش کر بیٹھے۔ علمائے دین جو اس فریضے کو نبھانے کے ذمے دار تھے۔ اگر ان میں کسی نے حالات اور جو رد تعدی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی کوشش کی۔ تو اُسے سیاسی مُلا کا نام دیا گیا۔ اور لوگوں کے نزدیک قابلِ نفرین قرار پایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام کے خیالات کلی طور پر بدل چکے تھے۔

لوگوں کے خیالات و افکار میں ان خرابیوں نے امام حسین علیہ السلام کے مقدس



مشن سے متعلق حقائق سے انحراف کو جنم دیا اور لوگوں کے ذہنوں میں اس قسم کے مسائل پیدا ہوئے اور موضوع بحث قرار پائے کہ امام کی تحریک کو تقیہ سے کس طرح منطقت ہے؟ اور ولا تلکو بایدیکم الی التہلکۃ کے قرآنی حکم سے اسے کیا مناسبت ہے۔

اگر ہم تبدیلی افکار اور سوج کے انداز میں تغیرات کو ایک طرف رکھ کر خالی ذہن سے تقیہ سے متعلق آیات و احادیث اور ائمہ علیہم السلام کے طرز عمل کا جائزہ لیں تو واضح ہو جائیگا کہ حقیقت برعکس ہے اور تقیہ، تہلکہ اور ظلم کے مقابل اعلیٰ کلمہ حق علیحدہ علیحدہ مباحث علمی ہیں۔ اور یہ ایک دوسرے سے مزاحم نہیں۔ یہاں ہم اصل حقیقت کو جاننے کے لیے مسئلہ کا شروع سے جائزہ لیتے ہیں۔

## روایات تقیہ کا جائزہ

تقیہ سے متعلق احادیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ظلم و زیادتی کے خلاف بغاوت اور تقیہ دونوں جائز ہیں۔ اور انسان کو دونوں میں سے کوئی بھی راہ اختیار کرنے کی آزادی ہے۔ وہ راہ خدا میں طاغوتی طاقتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے شہید ہو سکتا ہے یا تقیہ اختیار کر کے موت سے اپنے آپ کو بچا بھی سکتا ہے۔ پہلا راستہ اختیار کر کے وہ حصولِ بہشت میں جلدی کرتا ہے اور دوسری صورت میں وہ خدا تعالیٰ کی وہی ہوتی رعایت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

یہاں ہم ائمہ علیہم السلام کے اقوال مقدسہ کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ شیعہ اور اہل سنت کی کتب تاریخ میں بالاتفاق یہ درج ہے کہ کفار مکہ نے ابتدائے اسلام میں عماران کے والد یا اوران کی والدہ سمیہ کو اسلام لانے کے جرم میں شکنجہ میں کس دیا تھا۔ ان کو اسلام سے بیزاری کا اظہار کرنے اور اپنے بتوں کی تقدیس و تجید بیان کرنے پر مجبور کیا تو یا سر اور سمیہ نے ان کی تعمیل حکم سے انکار کرتے ہوئے شکنجہ میں کسے کسے انتہائی و خراش حالات میں جان جا آئیں







اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمار کے والدین کے حق میں دعا فرماتے ہیں جنہوں نے تقیہ نہیں کیا تھا اور ان کو جنت کی خوش خبری دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے۔ دوسری طرف وہ جناب عمارؓ یا سر کے عمل کی تصدیق فرماتے ہیں اور آئندہ بھی اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے اسی عمل کو اختیار کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ نے دونوں قسم کے اعمال کی تصدیق فرمائی۔ انھوں نے عمار سے نہیں کہا کہ تم کو بھی اپنے والدین جیسا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے تھا یا ان دونوں کو تمہاری طرح تقیہ کر کے جان بچالینا چاہیے تھا۔ انھوں نے اپنے اصحاب سے نہیں فرمایا کہ عمار کے ماں باپ غلط رویہ اختیار کیا تم کو ایسا نہ کرنا چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو کوئی راہ خدا میں جان نثار کرتا ہے اور جو کوئی تقیہ کر کے اپنی جان بچاتا ہے وہ دونوں صحیح کرتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں امور کی تصدیق فرمائی ہے۔

۲۔ فریقین کی کتابوں میں درج ہے کہ مسیلمہ کتاب نے دو مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ اور ایک سے پوچھا: کیا تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول خدا مانتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ پھر کہا: کیا مجھے بھی خدا کا رسول مانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ اس کے بعد دوسرے شخص سے دریافت کیا کہ کیا تم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے پر یقین رکھتے ہو؟ اس نے کہا ہاں پھر کہا کیا تم میرے رسول ہونے کا بھی اقرار کرتے ہو؟ اس نے کہا میں بہرا ہوں۔ مجھے سنائی نہیں دیتا۔

مسیلمہ نے یہ سوال تین بار دہرایا اور اس شخص نے وہی جواب دیا۔ بالآخر پہلے مسلمان کو رہا کر دیا اور دوسرے کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: جو مارا گیا ہے وہ اپنے ایمان و یقین پر مارا گیا ہے اور برتری

لے یمن میں ایک شخص تھا جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔



پاگیا ہے۔ لیکن وہ دوسرا شخص بھی گناہ گار نہیں کیونکہ اس نے اپنے خدا کی وہی ہوئی رعایت اور آسانی سے فائدہ اٹھایا۔ یہ واقعہ تفسیر مجمع البیان، مرآت العقول، احکام القرآن ج ۱ ص ۱۹۶، تفسیر کشاف، بیضاوی اور دوسری بہت سی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

اس واقعہ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انسان تقیہ اختیار کرنے یا ظلم کے خلاف برسرِ پیکار ہو کر شہید ہونے کے معاملے میں آزاد ہے۔ اور دونوں میں سے جو راستہ چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ اپنی جان نثار کرنے والا زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔ کیونکہ شہید ہونے والے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے اپنے ایمان و یقین کی خاطر جان دی اور عزت و مرتبہ پایا۔ اسے یہ مقام مبارک ہو۔ اگر حقیقت اس کے برعکس ہوتی تو حضور اکرم اس کے بارے میں یہ نہ فرماتے اور کم از کم اصحاب سے یہ ضرور کہتے کہ اس نے یہ اچھا کام نہیں کیا۔ ایسا کام تم لوگ کبھی نہ کرنا۔ شیخ طبری رحمہ اللہ یہ واقعہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں: اس سے ظاہر ہے کہ تقیہ ایک رعایت اور آسانی ہے جبکہ خدا کی راہ میں شہید ہونا فضیلت ہے۔

۲۔ حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے دور کے مشہور راوی عبد اللہ بن عطاء روایت ہے کہ میں نے پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ اہل کوفہ میں سے دو افراد کو گرفتار کر کے ان سے امیر المومنین علی علیہ السلام سے بیزاری کا اظہار کرنے کے لیے کہا گیا۔ ایک نے بات مان لی۔ دوسرے نے انکار کر دیا۔ انکار کرنے والا مارا گیا اور دوسرے کی گلہ خلاصی ہو گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ان کے کہنے پر بیزاری کا اظہار کیا۔ وہ امور دینی سے واقف اور خرد مند ہے لیکن جس نے یہ کام نہیں کیا اور اپنی جان دے دی اس نے حصول بہشت کے لیے عجلت سے کام لیا۔

اس روایت سے بھی تقیہ کی اصل حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ جس نے تقیہ نہیں کیا اور اپنے

۱۔ تفسیر مجمع البیان تحت آیت ۲۸۔ آل عمران ج ۲ ص ۴۲۰۔ مرآت العقول ج ۲ ص ۱۹۶۔ احکام القرآن ج ۱ ص ۱۹۶۔ کشاف و تفسیر بیضاوی تحت آیت ۱۰۶ سورہ نمل۔

۲۔ وسائل جلد ۱۱ ص ۴۷۶ باب امر بالعرف و نہی عن المنکر جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ طبع جدید۔



عقیدے کے لیے مردانہ وار جان دے دی۔ اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس نے بہشت میں جانے کی جلدی کی۔ ذہن نشین رہے کہ ائمہ کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیتے۔ اگر یہ غلط ہوتا تو حجت خدا کا اس کی تصدیق اور اس کے وار و بہشت ہونے کی خبر دینا امر محال تھا۔ یا کم از کم وہ اتنا ضرور کہتے کہ ایسے کام کرنا مناسب نہیں۔

۴۔ ابو بکر حضرمی سے روایت ہے کہ لوگوں نے ایک مجلس میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا۔ آپ کے نزدیک امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے بیزاری کا اظہار کرنا پسندیدہ ہے یا اپنے آپ کو گردن کٹوانے کے لیے پیش کرنا؟ فرمایا: خدا تعالیٰ کی دی ہوئی رعایت اور آسانی سے مستفید ہونا میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ کیا آپ لوگوں نے عمار یا سر کے بارے میں فرمان خدا نہیں سن رکھا کہ فرماتا ہے: **الامن اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان**۔

(سورہ نحل: ۱۰۶)

۵۔ خوارج میں ایک شخص ضحاک بن قیس نامی کچھ عرصے تک حاکم کوفہ رہا۔ عبد اللہ بن عجلان کہتا ہے، میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ ضحاک اہل کوفہ کا حاکم بن گیا ہے۔ ممکن ہے وہ کچھ لوگوں کو پکڑ کر علی ابن ابیطالب پر تبرا کرنے کے لیے سکے۔ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے ارشاد فرمایا: اظہار بیزاری کرو۔ میں نے کہا: آپ کے نزدیک بیزاری کرنا یا اس کے برعکس اپنی بات پر اڑے رہ کر جان دینے میں سے کون سی صورت بہتر ہے۔ فرمایا: یہ کہ تم عمار یا سر کی طرح حمل کرو کہ اسے مکے میں پکڑ کر کفار نے کہا کہ رسول پاکؐ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ انہوں نے کیا اور جان چھڑائی۔ خدائے تعالیٰ نے اس کو قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا: **الامن اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان**۔

ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ کرنا اور خدا کی راہ میں مارے جانے پر دو جائز ہیں۔ حضرمی کی بیان کردہ روایت سے ظاہر ہے کہ حکم اولین باطل کے خلاف پیکار کرتے



رے شہادت پانا ہے۔ اور تقیہ صرف ایک رعایت ہے۔ اس لیے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "الرخصة احب الی" خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیلمہ کی نبوت کا ترار کر کے جان بچا لینے والے کے بارے میں فرمایا: "قبل رخصة الله فلا تبعه عليه"۔ کورہ حدیث میں امام علیہ السلام نے تقیہ اور اس کے وسیلے سے اپنے مجتہدوں کی حفظ جان و مصلحت وقت قرار دیتے ہوئے تقیہ کو پسندیدہ کہا ہے۔

— امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور ائمہ علیہم السلام کے اصحاب باوفا میں ایک بڑی تعداد سے حجر بن عدی اور ان کے ساتھی، یثیم ثمار، رشید ہجری، یحییٰ بن ام طویل وغیرہ بزرگوں نے تقیہ اختیار نہ کیا۔ اور راہ خدا میں شہادت پائی۔ ائمہ اطہار علیہم السلام نے خاص خاص رقعوں پر ان کے لیے دعا فرمائی اور خدا سے ان پر نزول رحمت کی استدعا کی۔ وہ ان کی ریف فرماتے ہوئے ان کے نام احترام سے لیتے تھے۔ مثلاً امام حسین علیہ السلام نے معاریب کو تحریر فرمایا:

کیا تم وہ نہیں ہو کہ تم نے حجر بن عدی اور ان ساتھیوں کو ناحق شہید کیا۔  
یہ وہ بندے تھے جو عابد و زاہد تھے جو بدعتوں کو ناجائز سمجھتے تھے اور امر بالمعروف  
و نہی عن المنکر پر عمل پیرا تھے۔

اگر تقیہ نہ کر کے شہید ہونا جائز نہ ہوتا تو ائمہ اطہار علیہم السلام ان کی تعریف نہ کرتے  
بلکہ ان پر تنقید فرماتے اور لوگوں کو ان کی پیروی سے منع فرماتے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام  
ان پاک طینت بزرگوں کی تعریف و توصیف فرمانا ان کی اختیار کردہ راہ کی دلیل شرعی ہے  
و یہ کہ انھوں نے اپنی جان اپنے ایمان اور عقیدے کی نذر کر دی۔

محمد بن مروان سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا۔  
یثیم رحمہ اللہ کو تقیہ سے کس چیز نے باز رکھا۔ جبکہ خدا کی قسم! وہ عمار اور ان کے ساتھیوں



کے لیے نازل ہونے والی آیت: "الامن اکره وقلبہ مطمئن بالایمان" سے بہ خوبی آگاہ تھے۔

اس حدیث سے عدم رضامندی کی بڑا ثبوت ہی ہے۔ اگرچہ یہ روایت مستند نہیں تاہم اس سے ظاہر ہے کہ امام نے میثم کے لیے رحمت ایزدی کی دعا فرمائی۔ آپ کا یہ کہنا کہ خدا کی قسم! وہ تقیہ سے واقف تھے۔ بتاتا ہے کہ آپ نے انتہائی دکھ اور رنج سے یہ فرمایا ہے۔ اگر ترک تقیہ خلاف شرع ہوتا تو آپ اس طرح ارشاد نہ فرماتے۔

خلافت سوم میں حضرت علی علیہ السلام تقیہ اختیار فرماتے تھے۔ جبکہ ابوذر غفاری نے احتجاج کا راستہ اختیار کر رکھا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ ابوذر کو منع نہ فرماتے تھے۔ اور نہ ہی ان پر تنقید فرماتے تھے۔ بلکہ ان کی تائید فرماتے تھے۔ اگر ابوذر تقیہ یا احتجاج کرنے میں با اختیار نہ ہوتے تو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ان کو ضرور روکتے

پس ظاہر ہے کہ امام عالی مقام کا تقیہ اور ابوذر کا احتجاج کرنا دونوں شرعی راستے ہیں۔ اور اگر ابوذر بھی اوروں کی طرح تقیہ کرتے تو بارگاہ خداوندی میں جو اب وہ نہ ہوتے۔

"مشیح کشی" بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے میثم سے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب بنی امیہ کا منہ بولا بیٹا زیاد تمہیں مجھ پر تہر کرنے کے لیے کہے گا۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم، میں یہ ہرگز نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم: وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔ وہ بولے: میں اس مصیبت پر صبر کروں گا۔ راہِ خدا میں یہ مصیبت معمولی سی ہے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت بہشت میں تم میرے جیسے مقام کے حامل ہوں گے۔

وہ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک دن رشید مجری سے امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:



س وقت کس طرح صبر کر دے جب ابن زیاد بنو امیہ کا خود ساختہ بیٹا تم سے مجھ پر تبرا کرنے کو کہے گا؟ اور پھر تمہارے ہاتھ پاؤں اور زبان قطع کر دے گا؟ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین علیہ السلام کیا اس مصیبت اور تکلیف کے پیچھے جنت ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا اور آخرت میں تم میرے ساتھ ہو گے۔

حجر بن عدی جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ان کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت موجود ہے۔ انھوں نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے جواب میں فرمایا اگر مجھے آپ پر تبرا کرنے کو کہا گیا تو میں مستقل مزاجی سے کام لوں گا اور یہ کام ہرگز نہ کروں گا۔ اس پر آپ نے ان کے لیے دعا کی خیر فرمائی۔

یہ سب اس کی دلیل ہیں کہ ترک تقیہ جائز ہے۔ ورنہ امیر المؤمنین علیہ السلام ان افتخار بشریت انسانوں کو اس کی اجازت ہرگز نہ دیتے اور وہ بھی تقیہ کر کے اپنی جان بچا لیتے۔ لازمی طور پر امیر المؤمنین علی علیہ السلام ان سے فرماتے کہ تم اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بلکہ تم پر لازم ہے کہ تقیہ اختیار کر کے اپنی جان کی حفاظت کرو۔

علامہ مجلسی رحمہ اللہ "مرآة العقول" میں فرماتے ہیں: یتیم، رشید اور قبیر خدا ان کے درجات کو بلند کرے۔ سے یہ بعید ہے کہ امام برحق علی علیہ السلام ان کی موت کی خبر دیں اور انھیں تقیہ کا حکم دیں تو وہ اس کو نہ مانیں۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ تقیہ کو ان کے لیے بیان نہیں کیا گیا تو یہ اور بھی دور از حقیقت ہے۔ واضح امر یہ ہے کہ وہ تقیہ یا عدم تقیہ دونوں کو اختیار کرنے میں آزاد تھے۔ اور انھوں نے مشکل ترین و صعوبت ترین راہ کو اختیار کیا ہے۔

۷۔ اس سے قطع نظر کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور ظلم کے خلاف ان کی جدوجہد اپنی شہادت پر ان کے کامل یقین کا ثبوت ہے۔ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ

نہ رجال کشی ص احوال رشید

۷ مرآة العقول ج ۲ ص ۱۹۴



خدا کی راہ میں شہید ہو جانا یا تقیہ کر کے جان بچانا دونوں جائز ہیں۔

اسی طرح تمام دوسرے ائمہ اطہار علیہم السلام کا تقیہ اختیار کرنا جواز تقیہ ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے روز عاشورا اپنے ساتھیوں سے فرمایا: خدا تعالیٰ نے آج کے دن مجھے اور تمہیں شہید ہونے کی اجازت دی ہے، ثابت قدمی سے جہاد میں حصہ لو۔

## احادیث نبوی ﷺ سے بھی یہی اصول وضع ہوتا ہے

المختصر یہ کہ ائمہ اطہار علیہم السلام کے طرز عمل اور ظلم و جور کے خلاف ان کے اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان تقیہ یا جہاد میں سے ایک راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ اسے آزاد چاہے کہ چاہے وہ ظلم و زیادتی کے خلاف عملی اقدام کرے اور خدا کی راہ میں مارا جائے جبکہ وہ اجنبی نا انصافیوں کا خاتمہ بھی نہ کر سکے۔ یا پھر تقیہ اختیار کرے اور اپنے قول سے مخالفت جاری رکھے جیسا کہ بعض ائمہ اثنا عشر نے یہ راستہ اختیار کیا۔ اس کے ساتھ ہی بعض نے عملی اقدامات کیے اور اپنی جانی قربانیاں پیش کیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دین اسلام کی نشر و اشاعت اور بقا کے لیے دونوں عمل ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور مصالحت دین دونوں کا تقاضا کرتی ہے۔

مسیلہ کذاب اور دو مسلمانوں کے مذکورہ واقع سے ہم یہ اصول وضع کر سکتے ہیں کہ تقیہ ترک کرنا فضیلت و برتری کا باعث ہے اور حکم اول یہی ہے۔ تقیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک رعایت اور آسانی ہے۔

عبد اللہ بن عطا کی بیان کردہ روایت سے ظاہر ہے کہ جو کوئی بھی تقیہ کرتا ہے۔ اپنے دین کے فقہی مسائل سے واقف اور دانا ہے اور جو کوئی تقیہ نہیں کرتا وہ وار و ہار ہونے میں عجلت کرتا ہے۔

معتز ضہین یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقیہ کا نام صراحت سے لیا۔



ارشاد باری ہے :

لا يتخذ المؤمنون الكافرين اولياء من دون المؤمنين  
ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء الا ان تقوا منهم تقية<sup>۱۵</sup>  
یعنی مومن کافروں کو اپنا دوست نہیں بناتے اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے  
خدا سے کچھ سروکار نہیں رہتا اور اس کا رشتہ خدا سے منقطع ہو جاتا ہے مگر وہ  
شخص جو کافروں سے خوف محسوس کرے اور ان سے بچنے کے لیے تقیہ  
اختیار کرے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کا عمومی حکم خوف جان کی صورت میں ہے۔ پس  
معترضین کہیں گے کہ یہ دعویٰ کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ انسان کو تقیہ یا کھلم کھلا احتجاج و مخالفت  
میں سے کوئی ایک راہ اختیار کرنے کی آزادی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت شریفہ میں فقط  
تقیہ کا جواز بتایا گیا ہے اس کے وجوب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ محققین نے وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی  
تقیہ نہیں کرتا اور اعلائے کلمہ حق کرتے ہوئے مارا جاتا ہے تو اس آیت کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا  
جبکہ راہ خدا میں حق کا ساتھ دیتے ہوئے شہید ہونے کی فضیلت کے لیے بہت سی دلیلیں ہیں۔  
اگر یہ کہا جائے کہ وجوب تقیہ کے لیے اہل بیت علیہم السلام سے بہت سی روایات ہیں  
اور یہ کہ تقیہ ائمہ اطہار کا طریقہ ہے۔ اور جو کوئی تقیہ نہ کرے وہ صاحب ایمان نہیں ہو سکتا۔ اور  
تقیہ تو مومن کی سپر ہے۔

تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جو ترک تقیہ کا جواز بہم

۱۵ ال عمران - آية: ۲۸

۱۵ اتقاء یا تقیہ خوف کے وقت میں محتاط رہنا ہے۔ اس کے بعد یہ خوف کے معنوں  
میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے منقول روایات کے مطابق یہ آیت جواز  
تقیہ میں ہے۔ جیسے سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ اور المیزان ج ۳ ص ۱۰۳ اور اس کے بعد۔



پہنچاتی ہیں۔ تقیہ نہ کرنے والے شہدائے راہِ حق کی مدح میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔ ان روایات میں تقیہ کو اس صورت میں واجب قرار دیا گیا جب کہ ترک تقیہ اور علم احتجاج بلند کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ یا پھر مکتب اہل بیت علیہم السلام کے سرے سے ہی ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اگر تقیہ سے کام نہ لینے اور آذوقہ بلند کرنے میں تھوڑا سا بھی فائدہ ہو تو پھر انسان کو کوئی بھی راستہ اپنانے کا اختیار ہے۔ اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ راہِ خدا میں جان دینے سے کوئی نائد نہ ہو۔

بہت سی روایات صرف اثباتِ تقیہ اور اس کی شرعی حیثیت کو واضح کرتی ہیں۔ اہل سنت

حضرات تقیہ کے اس قدر قائل نہیں ہیں۔ جس قدر اہل تشیع۔ خوارج اس کو بالکل حرام سمجھتے ہیں۔

اور ائمہ کرام علیہم السلام نے یہ سنی فرمائی ہے کہ ان دونوں گروہوں کے مقابلے میں تقیہ کا جواز اور اس کے شرعی ہونے کو ثابت کیا جائے۔ مثلاً جہاں امام جعفر صادق علیہ السلام "التقیة من دین اللہ" فرماتے ہیں: وہاں امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ التقیة من دینی و دین آباؤی...<sup>۱۵</sup>

اس سے ان حضرات کا مقصد تقیہ کو از روئے شرع جائز قرار دینا ہے۔ المختصر یہ کہ ائمہ اطہار علیہم السلام چاہتے تھے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دشمنانِ خدا و دین اور ستمگاروں کے مقابلے میں صرف شہید ہو جانا ہی ایک راستہ نہیں بلکہ تقیہ کا راستہ بھی موجود ہے اور انسان دونوں میں کسی کو بھی منتخب کر سکتا ہے۔

اس ساری بحث سے دو نتیجے برآمد ہوئے:

(۱) مسلمان و دشمنانِ خدا و دین کے مقابلے میں تقیہ کرنے یا سینہ سپر ہونے میں سے

کسی ایک راہ کو اختیار کر سکتا ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ انجامِ موت ہوگی تقیہ کر کے راہِ خدا میں اپنی جان کی قربانی دے سکتا ہے۔

(۲) اولیٰ تر یہ ہے کہ ظالموں اور ستم گاروں سے برسریکا رہا جائے اور تقیہ ایک

رعایت و آسانی ہے جیسا کہ حدیثِ رسولؐ میں "فقبل رخصۃ اللہ" اور امام جعفر صادق

<sup>۱۵</sup> کافی ج ۲ ص ۲۱۴ طبع جدید ۳۰ - وسائل ج ۱۱ ص ۴۶۴ طبع جدید حدیث ۱۸

<sup>۱۶</sup> کافی ج ۲ ص ۲۱۹ طبع جدید حدیث ۱۲



علیہ السلام کے فرمان ”الرخصة احب الیٰی ظاہر ہوتا ہے۔

آل عمران کی آیت: لا يتخذ المؤمنون الكافرين اولياء من ... الا ان تتقوا

... سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اول حکم مبارزت کا ہی ہے۔

(۲) تقیہ اسی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ جب اسے ترک کرنا اور ظلم سے برسرا پر

ہونا مطلقاً مفید نہ ہو۔ یا اس سے دین کو ضرر پہنچے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام نے اہل سنت اور خوارج کے برعکس تقیہ کو صحیح اور شرعی راستہ قرار دیا۔ اور اس کو حرام سمجھنا ناجائز بتلایا۔

وسائل الشیعہ اور کتاب کافی میں تقیہ سے متعلق احادیث سے رجوع کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو تقیہ کرنے اور اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھنے کا حکم اس لیے بھی دیا کہ خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس سے مذہب شیعہ کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ اگر شیعہ تقیہ سے کام نہ لیتے تو مخالفین انہیں نیست و نابود کر دیتے۔

اور مذہب ائمہ کو شدید نقصان پہنچتا۔

## معرکہ کربلا اور جان کو ہلاکت میں ڈالنے کا قرآنی حکم

مباحث گزشتہ سے واضح ہوا کہ حق کی موافقت میں جان دے دینا حصول بہشت

میں عجلت اور حیات ابدی حاصل کرنا ہے اور جو کوئی بھی راہ خدا میں شہادت سے ہٹنا

ہوتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی زندگی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا، بلکہ حیات جاوداں اور

ہمیشہ رہنے والی فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ پس اس سوال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ

معرکہ کربلا ولا تلقوا بیدیکم الی التهلكة کے قرآنی حکم سے کیوں کر مطابق ہو سکتا

ہے۔ لیکن اس آیت کا حقیقی مطلب اور اس کے اطلاق سے متعلق صورت حال واضح



کرنے کے لیے اس پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ممکن ہے کچھ لوگ یہ کہیں کہ ”ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ“ یعنی اپنے نفس کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو کے قرآنی حکم کی موجودگی میں امام عالی مقام علیہ السلام کا ظلم کے خلاف اقدام یہ جانتے ہوئے کہ وہ شہید ہوں گے، کیسے درست ہے؟

ہمارا جواب یہ ہو گا کہ اگر راہِ حق میں شہید ہونا نفس کو ہلاکت سے دوچار کرنے کے مترادف ہوتا تو سید الشہداء علیہ السلام جو حجتِ خدا تھے اور احکامِ دینی کے عالم تھے۔ ان سے یہ عمل ہرگز سرزد نہ ہوتا۔ کیونکہ آپ کا عمل لوگوں کے لیے حجت ہے۔ نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے معنی قرآن حکیم سے یہ نکلتے ہیں کہ ایک جماعت یا کوئی شخص سبیلِ خدا سے انصاف نہ کرے اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرنے سے دشمنوں کو اپنے پر مسلط کر لے تو ان کی بدبختی کا سامان مہیا ہو جاتا ہے اور یہ ان کی ہلاکت ہے۔ چنانچہ اس ہلاکت سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ دوسری صورت میں اگر مارے جانے سے کوئی فائدہ نہ ہو یا موت راہِ باطل میں ہو تو اس سے قرآن نے منع کیا ہے۔

سورۃ بقرہ کی یہ آیت یوں ہے: ”وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین“

یعنی راہِ خدا میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو۔ خدائے تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ وانفقوا فی سبیل اللہ اس کی دلیل ہے کہ خدا کی راہ میں انفاق نہ کرنا اور خاص طور پر جنگ کے موقع پر ایسا نہ کرنا ہلاکت اور دشمن کو غائب ہونے کا موقع بہم پہنچاتا ہے۔

یہ آیت کریمہ اس موقع پر نازل ہوئی جب مسلمانوں پر واجب تھا کہ جنگ کے موقع پر اپنی استطاعت کے مطابق وسائل مہیا کریں تاکہ مجاہدین کو لوازم ضروریہ میسر ہوں۔ اس



موقع پر ممکن تھا کہ بعض لوگ لیت و لعل سے کام لیں اور کچھ ایسا کر بھی رہے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ان کو سزائے کی کہ اس معاملے میں منجمل و کبجوسی انھیں تباہی سے دوچار کر دے گی۔

ابن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر میں ابواسحق سلیمی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے برابر بن عازب سے پوچھا کہ اگر میں اکیلا ہی دشمن پر حملہ کروں اور اس کے ہاتھوں مارا جاؤں تو کیا اس طرح میں اپنے نفس کو خود ہلاکت میں ڈالوں گا؟ برابر نے جواب دیا: نہیں۔ کیونکہ خداوند عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے: "فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلک الا نفسک"۔ راہِ خدا میں جہاد کرو اور تم اپنی جان ہی کے مکلف ہو۔ اس کے بعد برابر نے کہا: یہ ہلاکت موقع جنگ پر اتفاق نہ کرنے سے متعلق ہے۔

اسباب النزول میں واحدی نے حکم بن عمران سے روایت درج کی ہے کہ فتح قسطنطینیہ کے موقع پر جب کہ اہل مصر کا سپہ سالار عقبہ ابن عامر جنی صحابی اور اہل شام کی قیادت فضالہ بن عبید صحابی کر رہے تھے، ایک مسلمان اکیلا ہی دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور ان کو تتر بتر کر دیا اور بخیریت واپس آگیا۔ ہم میں سے ایک گروہ نے نعرہ لگایا: سبحان اللہ! اس بہادر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا۔۔۔ ابوایوب انصاری صحابی رسولؐ ہمارے ساتھ تھے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: یہ آیت ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ تم لوگوں نے اس کو دوسرے معنوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب اسلام کو وصمت ہوئی تو ہم ایک دوسرے سے پورے طور پر کہنے لگئے: ہمارا مالی نقصان ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اپنی دولت کو حاصل کریں اور جو کچھ ضایع ہوا ہے اس کو دوبارہ پالیں۔ خدائے تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کے رویں یہ آیت نازل فرمائی: "وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی لتہلکہ" اس سے



مراد یہ تھی کہ ترک جہاد اور مدینہ میں اقامت جس کا ہم ارادہ کر چکے تھے، ہلاکت ہے پس ہم جہاد پر روانہ ہو گئے۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ ہلاکت ترک جہاد ہے ناکہ جہاد اور شہادت۔ وانفقوا فی سبیل اللہ کے تحت ہلاکت کی حرمت ختم نہیں ہو جاتی اور نہ ہی یہ جملہ ترک انفاق سے مخصوص ہے۔ چنانچہ جو کوئی بھی اپنے آپ کو بغیر کسی وجہ کے ہلاکت میں ڈالتا ہے جیسے نہ ہر کھالینا یا چھت پر سے چھلانگ لگانا تو وہ اس آیت کے مصداق فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔ ظلم و جور کے خلاف آواز بلند کرنا اور اس کے لیے جان دے دینا، موضوع کے اعتبار سے ہلاکت نفس کے ضمن میں نہیں آتا۔ اور اگر کوئی اس کو ہلاکت سمجھتا ہے تو اسے چاہیے کہ غزوات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اسی میں شمار کرے کیونکہ دوسو کے مقابل بیس افراد کا جانا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

۲-۱۰ اے پیغمبرؐ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں بیس افراد صبر کر نیوالے ہو تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر سو صابر ہوں تو ہزار کافروں پر غلبہ پالینگے۔<sup>۱۰</sup>  
بنیادی طور پر راہ خدا میں شہید ہونا حیاتِ جاودانی ہے۔ ناکہ ہلاکت، خدائے تعالیٰ شہداء اسلام کے حق میں فرماتا ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ<sup>۱۱</sup>۔ خدا کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ مت سمجھو وہ تو زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں۔

۱۰ اسباب النزول ص ۳۰۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۲۹۔ تفسیر المیزان جلد ۲ صفحہ ۷۱۔

۱۱ انفال : ۴۵

۱۲ آل عمران : ۱۶۹



## کیا امام حسین علیہ السلام پر دشمنانِ اسلام

### کیخلاف عملی اقدام کرنا اور شہید ہونا واجب تھا یا جائز؟

اس وضاحت کے بعد کہ انسان تقیہ یا بغاوت میں سے کوئی راہ بھی اختیار کر سکتا ہے اور راہِ خدا میں طاغوتی قوتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا بلاکت نفس نہیں۔ ضروری ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ عملی اقدام امامِ عالی مقام پر واجب تھا یا ان کے لیے جائز تھا۔ اگر دوسرے ائمہ علیہم السلام کی مانند آپ بھی تقیہ فرماتے اور ان کی مانند ہی جدوجہد جاری رکھتے تو کیا وہ بارگاہِ خداوندی میں جو اب وہ ہوتے۔

اس سوال کے جواب میں ابتدا میں ہم پہلے امام حسین علیہ السلام کے یارانِ باصفا کے فرائض کا پھر خود امام کا اسی نکتہ نگاہ سے جائزہ لیں گے۔ اصحابِ امام ان دونوں راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے میں مختار تھے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ شبِ عاشورہ آپ نے ان کو چلے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن انہوں نے جانا گوارا نہ کیا اور آپ کی معیت میں جان و دین کو زندہ رہنے پر ترجیح دی۔ اگر وہ کربلا سے چلے جانے اور تقیہ اختیار کرنے میں آزاد نہ ہوتے تو امام علیہ السلام انہیں کبھی جانے کا مشورہ نہ دیتے بلکہ فرماتے کہ تم پر فرض ہے کہ میرا ساتھ دیتے ہوئے راہِ حق میں شہید ہو جاؤ۔ یا یہ کہ تم پر واجب ہے کہ چلے جاؤ اور اپنی جان بچالو۔ لیکن ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔

روزِ عاشورہ جب شہادتِ امام علیہ السلام کا وقت قریب سے قریب تر ہو رہا تھا تو مسعودی کی روایت کے مطابق آپ اپنے اصحاب باوفا سے فرماتے تھے: ان  
اللہ قد اذن فی قتلکم الیوم و قتلہ۔ یعنی خداوند عالم نے آج کے دن مجھے اور



تمہیں شہید ہونے کی اجازت دے رکھی ہے۔ لفظ اذن سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی جانیں نثار کرنے کا اختیار دے رکھا تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات کی ابتری اور امام وقت کے خطرات سے دوچار ہونے پر بھی وہ اس اختیار سے محروم نہیں ہوئے جو انہیں تقیہ یا حق کا بول بالا کرنے کرنے کی سعی میں سے کسی ایک کو اپنانے سے متعلق تھا۔ ورنہ حضرت یہ فرماتے کہ آج تم پر قتال خدا نے واجب کر دیا ہے۔

ضحاک بن عبد اللہ مشرقی سے منقول ہے کہ جب روز عاشورا اصحاب امام علیہ السلام جام شہادت نوش فرما گئے اور صرف دو افراد باقی رہ گئے۔ تو میں خدمت امام عالی مقام میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا بن رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میرے اور آپ کے درمیان کیا بات طے ہوئی تھی کہ جب تک آپ کے یاد و انصار باقی ہوں گے میں آپ کے پاس رہوں گا اور جنگ کروں گا۔ لیکن جب یہ لوگ شہید ہوں گے تو مجھے جانے کی آزادی ہوگی۔ آپ نے فرمایا: تم درست کہتے ہو لیکن ان تمام دشمنوں کے نرے سے تم کیوں کو بچ کر نکلو گے؟ اگر جاسکتے ہو تو چلے جاؤ۔ میں نے تمہیں اجازت دے دی۔ تم آزاد ہو۔

ضحاک کہتے ہیں: میں نے اس دن دشمنان امام علیہ السلام میں سے دو کو مارا اور ایک کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے لیے کئی بار دعا فرمائی اور کہا: تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہ ہو، تمہارے ہاتھ سلامت رہیں۔ خدا تعالیٰ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے بعد مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں خیموں میں سے اپنا گھوڑا نکال لایا۔ اس پر سوار ہوا اور اس کو زور سے ایڑ لگائی اور اس کی باگیں چھوڑ دیں۔ گھوڑا اتنی برق رفتاری سے دوڑا کہ دشمنوں نے مجھ پر اٹھے

۱۷ طبری نے اس کا نام مشرقی بہ کسریم وقاف لکھا ہے جب کہ کامل ابن اثیر نے قاف کی جگہ فا لکھا ہے۔



راستہ دے دیا اور میں ان کی صفوں سے دور نکل آیا۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آخری وقت تک انصارِ امام علیہ السلام دونوں راستوں میں سے کسی کو اختیار کرنے میں آزاد تھے اور امامِ عالی مقام کا ابتلائے آلام اور خطرات میں گھرے ہونا احکام میں تبدیلی کا باعث نہیں بنا تھا۔ ورنہ آپ ضحاک سے اس طرح نہ فرماتے اور کم از کم اتنا ضرور کہتے کہ اگر جاسکتے ہو تو چلے جاؤ۔ لیکن یاد رکھو یہ خدا کی ناراضگی کا باعث ہے۔ کیونکہ اس وقت اہل کوفہ فرزندِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ پس تمہارا فرض ہے کہ تم ثابت قدم رہو اور اپنی جاں نثار کر دو۔ مختصر یہ کہ انصارِ امام علیہ السلام کو سابقہ احکام کے تحت کوئی بھی راہ اختیار کرنے کی آزادی تھی۔ لیکن ان بزرگوں نے کٹھن و مشکل راہ کا انتخاب کیا اور دربارِ حق میں سرخ رو ہو کر حاضر ہوئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ شبِ عاشورا اور روزِ عاشورا کے ابتدائی حصے میں یہ امکان موجود تھا کہ جنگ نہ ہو اور کوئی واپس چلے جائیں تو اصحابِ امامِ عالی مقام علیہ السلام کو ان دونوں میں سے کسی ایک راہ کو اختیار کرنے کی آزادی تھی۔ لیکن جب آپ کی شہادت یقینی ہو گئی تو یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ اگر امام علیہ السلام کے یاد و انصار انہیں موت کے منہ میں اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے تو کیا وہ خدا و رسول کے نزدیک قابلِ معافی ہو سکتے تھے؟ اگر کوئی عادل و معصوم امام کو شہید ہوتا دیکھے اور پھر اس کا ساتھ چھوڑ جائے تو کیا وہ مستحقِ عذاب نہ ہوگا؟

ہم اس کا جواب یہ دیں گے یہ مسئلہ بہت ہی نازک ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب امام علیہ السلام کی شہادت یقینی ہو گئی تو آپ کے اصحاب کے لیے شہید ہونا

۱۔ تاریخ طبری جلد ۴ ص ۳۲۹ ابن اثیر در کامل جلد ۳ ۲۹۲ نے اس کا مختصراً ذکر کیا ہے۔



واجب ہو گیا۔ رہا یہ مسئلہ کہ آپ نے ضحاک کو آزاد کر دیا اور اُس سے یہ بھی نہ کہا کہ تھا جانا عذابِ خدا کا باعث ہو گا تو یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ کی خواہش تھی کہ واقعہ کرنا ضحاک کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچے۔ تاکہ یہ زبردست سعی اور کوشش جلد بار آور ہو ممکن ہے کہا جائے کہ آخری وقت تک امام علیہ السلام تقیہ یا بیعت کر کے اپنے آپ کو شہادت سے بچا سکتے تھے۔ لیکن آپ نے خود ہی راہِ حق میں موت کو گلے سے لگا لیا۔

لیے آپ کے اصحاب کو تقیہ یا شہادت میں سے انتخاب کا حق حاصل تھا۔ کیونکہ وہ اختیار سے اسی وقت محروم ہو سکتے تھے جب کہ دشمنوں کا یہ ارادہ ہوتا کہ امام علیہ السلام تقیہ کریں یا نہ کریں انہیں شہید کر دیا جائے۔ اس سوال کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے لیکن گمانِ اعلیٰ ہے کہ امام علیہ السلام کا شہید ہو جانے کا ارادہ اور اہل کوفہ کا ان کو شہید کرنے کا عزم آپ کے اصحاب پر فرض کرتا تھا کہ وہ آپ کو تنہا نہ چھوڑیں۔ یہ کوئی معمولی نہ تھی کہ فرزندِ نبیؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھن مرگ میں چھوڑ کر چل دیا جائے۔ اگر انصاف امام علیہ السلام پر نصرتِ امام میں شہید ہونا فرض کر لیا جائے تو بھی ہمارا نقطہ نظر پورے قوت سے قائم رہتا ہے کیونکہ مخصوص حالات میں اس کا واجب ہونا ثانوی حکم ہے۔

جو کچھ ہمارے علم میں ہے وہ ہم نے بیان کر دیا اور اس میں صحت یا سقم کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ کسی اور جگہ ہم نے ایسی تحقیق نہیں دیکھی۔ واللہ العالم۔

امام حسین علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ باطل کے خلاف بے سر پیکار ہو کر شہید ہو جانا ان پر واجب ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت دین اسلام کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ اور اس کی موجودگی میں تقیہ آپ پر حرام تھا۔ صحیفہٴ مختوم جس میں ائمہ برحق کے فرائض بیان کیے گئے ہیں، میں درج شدہ روایات سے یہ حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔ ان روایات سے درج ذیل جملات قابلِ توجہ ہیں۔

مثلاً یہ کہ حسین بن علی علیہ السلام نے اس صحیفہ میں سے ایک ہراٹھائی اس



کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔ "جبری اور بہادر لوگوں کے ساتھ شہید ہونے کے لیے باہر  
 آؤ۔ وہ شہید نہ ہوں گے۔ مگر تمہارے ساتھ۔ اور تم اپنے نفس کو خدا کے ہاتھ فرو  
 دو۔ یا پھر یہ کہ حسین بن علی علیہ السلام نے اس سے تیسری مہر اٹھائی۔ اس میں لکھا ہوا  
 : جہاد کرو، دشمنانِ خدا کو مارو اور خود بھی شہید ہو جاؤ۔

اگر ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شہادت آپ پر واجب تھی تو پھر گزشتہ اوراق  
 مندرج اقوال و روایات ذیل بھی اس کی تائید کریں گی۔ ان اللہ قد شاء ان یراک  
 بلاء، وخیری مصرع انا لاقیہ، لا مھیص عن یوم خط بالقلم۔

یہ بھی دعوائے کیا جاسکتا ہے کہ گزشتہ دلائل کی بنا پر آپ دونوں میں سے ایک آستہ  
 یاد کرنے میں آزاد تھے۔ لیکن آپ نے مشکل و کٹھن راہ چُن لی اور شہادت کو پسند فرمایا۔  
 یہ انتخاب آپ کی عظمت و بزرگی اور کمالِ اخلاص کی دلیل ہے۔ آپ نے رضائے خدا  
 حصول کے لیے شہادت کو سینے سے لگا لیا۔ اور اس راہ کو اختیار کیا جو آپ پر واجب تھی۔

## امام حسین علیہ السلام کی بے مثال شخصیت

(ہیہات من الذلۃ)

انسانی وجود میں چند رجحانات وہ ہیں جو اس کے ضعیف پہلو کے جا سکتے ہیں۔ جیسے  
 رت و اقتدار کی خواہش اور دولت کی محبت۔ ہر انسان ان خواہشات کے سلسلے میں  
 اور ان کے ذریعے سے اُس کے مقاصد میں اسے ٹکست دی جاسکتی ہے۔ اگر ہم انسان کے  
 دکو ایک مضبوط تفصیل سے تشبیہ دیں تو یہ رجحانات اس کے شگاف کہلا سکتے ہیں۔ جن

کافی ج ۱ ص ۲۷۹ بعد طبع جدید، باب "ان الاممۃ لریفعلوا شیئاً ولا یفعاون  
 الا بعہد اللہ" حدیث ۲۱



میں سے تفصیل میں داخل ہو کر اس پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔

انسانی وجود کا ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ وہ زندگی سے پیار کرتا ہے، موت سے

خوف زدہ ہوتا ہے اور احوال بعد مرگ کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ یہ پہلو بے حد نازک ہوتا ہے اور

اکثریت میں موجود ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس خوفناک مسئلے کے مقابلے میں اپنی

ذات کو ذلت و خواری کی گہرائیوں میں نہیں گراتے۔ جب موت انسان کے مقابل آ کر کھڑی ہو

جاتی ہے تو اس وقت قومی سے قومی دل انسان بھی اس کی ہیبت سے لرز اٹھتے ہیں۔ وہ زندہ

رہنے کے لیے اور اپنی ذات سے محبت کی وجہ سے مذلت و رسوائی کو گوارا کر لیتے ہیں۔

جب بھی کسی انسان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ یہ کمزوریاں اس کی شخصیت میں سے

محو ہو جائیں تو پھر یہ رجحانات اس پر اثر انداز نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ موت سے خوف زدہ ہوتا

ہے۔ ایسا انسان اس قدر مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے کہ اگر دنیا بھر کی طاقتیں مجتمع ہو جائیں تو بھی

اس کو مغلوب نہیں کر سکتیں اور یہ ناقابلِ تسخیر شخصیت بن جاتی ہے۔

بنی امیہ کی بنیادی اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ انھیں ایسے انسان سے سابقہ

پڑا تھا جس کو نہ تو نفسانی خواہشات کی راہ سے مغلوب کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی موت سے ڈرا کر

قابو میں کیا جاسکتا تھا؟

سید الشہداء علیہ السلام وہ جبری تھے جو مشکلوں اور مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت

کرتے تھے۔ ان میں حصول مقصد کے لیے حیران کن استقامت تھی۔ ان کا ارادہ اور فیصلہ ٹوٹنے

کی طرح مضبوط تھا کہ جس میں کسی قسم کی سختی و ناسازگاری رخنہ اندازی نہ کر سکتی تھی اور دشمن بھی

اس حقیقت کا اعتراف کرتے تھے۔

شمر بن ذی الجوشن امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ میں سخت احکام کے بعد شریک ہوا تھا

ابن سعد نے اہل کوفہ کی رسم سے آگاہ ہو کر شمر کو حکم دیتے ہوئے کہا تھا تعف ہو تم پر کہ تم نے میرا کام

خراب کر دیا ہے۔ خدا کی قسم! حسین وہ ہے جس کے دونوں پہلوؤں میں اس کے باپ علی علیہ السلام



کی روح ہے۔ وہ ہرگز مطیع نہ ہوں گے اور طبری کے مطابق ابن سعد نے کہا: خدا کی قسم! حسین علیہ السلام اپنے دونوں پہلوؤں میں مستحکم و مضبوط نفسِ ناقابلِ تسخیر رکھتا ہے۔

یہ مرد جبری روز عاشورا جب کہ وہ اپنے خون کے پیاسے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ تین دن سے اُس کا پانی بند تھا۔ شدتِ پیاس میں عورتوں اور بچوں کی آہِ دزاری دل کو ہلا دینے والی تھی۔ بیٹوں، بھائیوں اور یارانِ باصفا کی موت لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ عورتوں اور بچوں کے ساتھ مستقبلِ قریب میں جو پیش آنے والا تھا وہ ایک انتہائی مصیبت تھی، لیکن ان سب کے باوجود وہ انتہائی دلیری، جرأت و بہادری اور اپنی ذات پر مکمل اعتماد کے ساتھ اپنے اصحاب اور اعزا و اقربا سے فرما رہے تھے:

”خداوند عالم نے آج کے دن تمہیں اور مجھے شہید ہونے کی اجازت دے رکھی

ہے، جرأت و ہمت اور ثابت قدمی سے کام لو اور جہاد کرو۔“

یہ الفاظ قیامت تک چہرہٴ انسانیت کو ضیاء بخشتے رہیں گے۔ جو اس انسان کے دہن مبارک سے سے نکلے ہیں کہ جس پر صرف دو ہی دروازے کھلے تھے کہ یا تو وہ جان دے دے یا ذلت و رسوائی برداشت کرے۔ ان کے علاوہ تمام راہیں اس پر سدود ہو چکی تھیں۔ آپ کی یہ بات اس مسئلے کا جواب ہے جو مفکرین کے ذہنوں کو مشغول رکھے ہوئے ہے اور آئندہ بھی رکھے گا کہ مصلحت اہل کوز و شام کی بات ماننے میں تھی یا شہید ہونے میں۔ سید الشہدا کا جواب یہ ہے:

”یہ میرا پروردگار ہے جس نے آج مجھے اور میرے بزرگ و جوان ساتھیوں کو اپنی راہ

حق و انصاف، عظمت و فضیلت کی برقراری اور حق کا بول بالا کرنے کے لیے بنو امیہ کی

شمشیہ ان کا لقمہ بن جانے کی اجازت دی ہے اور میرے اہل بیتِ عظیم السلام کو اسیری



سے دوچار کیا ہے۔ تاکہ میری لغتِ زندگی میں ذلت کا لفظ لکھا جائے اور لوگ جان لیں کہ حقیقت یہ نہیں کہ ہمیشہ ظالم کے ہاتھ چڑے جائیں اور اس کو قوم کے مقدر سے کھیلنے کی اجازت دے دی جائے۔  
کسی نے درست کہا ہے:

مردِ خدای تن بہ ذلت نمی دهد -

انسان بہ کسبِ عزت و ذلت مجتہد است

لا یتوی القاعدون من المؤمنین غیر اولى الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم، فضل اللہ المجاہدین باموالہم وانفسہم علی القاعدین درجۃ۔ وکلا وعد اللہ الحسنی وفضل المجاہدین اجرا عظیما یعنی سوائے معذور لوگوں کے جہاد سے منہ چھپا کر بیٹھنے والے اور خدا کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والے ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھ رہنے والوں پر خدا نے درجہ کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے۔ اگرچہ خدا نے سب ایمانداروں سے (خواہ جہاد کریں یا نہ کریں) بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے۔ مگر غازیوں کو خانہ نشینوں پر بہ اعتبار ثواب برتری حاصل ہے۔

اس آیت شریفہ سے دو اہم مطلب نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ راہِ حق میں جہاد کرنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے جو جہاد کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ ان دونوں کا معاملہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ راہِ حق میں جان دینے والے دوسروں سے افضل ہیں۔ دوسرے یہ کہ جہاد نہ کرنے والے دین کی خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے دونوں گروہوں سے نیک اجر کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اگر مجاہد نہ کر نیوالے غیر شرعی فعل کے مرتکب ہوتے تو خدا یہ نہ فرماتا: "وکلوا وعد اللہ الحسنی" خدا نے سب ایمانداروں سے خواہ جہاد کریں یا نہ کریں، بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے۔



الغرض یہ کہ اگر کوئی مال اور جان سے راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے تو وہ دوسروں پر برتری رکھتا ہے۔ اس سعادت سے محروم رہنے والا اگرچہ خدا کی ناراضگی مول نہیں لیتا۔ تاہم مجاہدوں کا ساتھ و مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ گزشتہ مباحث سے واضح ہوا کہ یہ ایک اہل اصول ہے کہ آدمی ان دونوں میں سے کسی ایک راہ کو منتخب کر سکتا ہے۔ آئندہ بھی اس پر مزید بحث ہوگی۔

سطور گزشتہ میں بیان ہوا کہ جب انسان موت کے روبرو ہوتا ہے تو اس کے پاسے استقامت میں لغزش آجاتی ہے اور وہ زندہ رہنے کے لیے ذلت و خواری برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ جنگِ صفین میں عمرو بن عاص نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے مغلوب ہونے کے بعد ان کی گرفت سے بچ نکلنے کے لیے ہزاروں انسانوں کے سامنے اپنے آپ کو عریاں کر دیا اور یوں ذلیل ہو کر اس نے موت سے نجات پائی۔

یزید کی موت کے بعد امویوں کے غلام عبید اللہ ابن زیاد نے جب بصرہ سے فرار ہونا چاہا تو عورتوں کا لباس پہن لیا اور ایک شخص اس کو گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا کر لے چلا۔ وہ بانگیوں سے کہتا جاتا تھا۔ ایک طرف ہو جاؤ یہ میرے خاندان کی ایک عورت ہے جو ابن زیاد کی عورتوں سے ملنے آئی تھی۔ میں اسے واپس لے جا رہا ہوں۔ اس ذلت سے اس نے اپنی جان بچائی۔

لیکن حسین ابن علی علیہما السلام روز عاشورا اگرچہ موت کو روبرو دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنے اہل بیت کی اسیری کا پورا یقین تھا۔ لیکن جب انہیں یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ یزید کی بیعت کر کے اس کی متابعت کر لیں اور اس جان لیوا معرکہ سے نجات پالیں تو آپ نے انتہائی دلیری اور جرأت سے فرمایا:

”لا والله لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولا افرار العیب“

خدا کی قسم! میں اپنے ہاتھ کو تم جیسے ذلیل انسان کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا،

اور فلاںوں کی طرح تمہارے مقابل سے جان بچا کر فرار نہیں ہوں گا۔

۱۔ اس آیت سے حکم جہاد ہی ملتا ہے، اس کی تردید نہیں ہوتی کہ امام کے حکم سے جہاد واجب اور اس سے گریز حرام ہو جاتا ہے۔



آپ کی پُر شکوہ اور غیر متزلزل ثابت قدمی اور آپ کے پر جلال و پر شکوہ الفاظ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ہمارے پاس مناسب الفاظ نہیں۔ اہل بلاغت کے بقول کسی مرد جرمی کی عظمت و شوکت "لا یدرک ولا یوصف" ہے یعنی اس کا ادراک اور اس کی تعریف و توصیف ممکن نہیں۔

امام عالی مقام ان مصائب سے دوچار ہوئے جن میں ایک چھوٹی سی مصیبت بھی انسان کے پائے استقامت کو ڈگمگا دیتی ہے۔ لیکن اس مرد حق نے اپنی ذات پر مکمل بھروسے اور اپنے خدا پر بے پناہ اعتماد سے ان تمام منازلِ آلام کو کامیابی و کامرانی سے طے کر لیا اور اہل دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور اس عظمت و بزرگی کے حامل قرار پائے جو انسانی عظمت سے ماورا تھی۔ شب عاشورا۔ جب آپ کی ہمیشہ جناب زینب سلام اللہ علیہا آپ کی شہادت کی خبر سے محو آہ و بکا تھیں تو آپ نے ان سے فرمایا:

"خوابِ عزیز! مبادا شیطان آپ کو حلم و بردباری سے محروم کر دے، جانِ برادر! صبر کیجئے تقویٰ سے دست کش نہ ہو اور صبر و رضا کو مت بھولیں۔ جان لیں، کہ اہل دنیا سب موت سے دوچار ہوں گے۔ اہل آسمان بھی باقی نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ بجز اس خدا سے بزرگ کے جس نے مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ اے بہن! میرے جد رسول خدا اور میرے بابا علی المرتضیٰ مجھ سے افضل تھے۔ میری ماں فاطمہ اور بھائی حسن مجتبیٰ بھی مجھ سے بہتر تھے۔ پس مجھ پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے۔ جانِ برادر! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرے بعد اس طرح عمل کریں کہ میری شہادت کے غم میں گریبان چاک نہ ہوں۔ ماتم اور آہ و فریاد نہ کریں!"

یہ گفتگو اس عظمت و جلال کی منظر ہے جس کی وسعت و سر بلندی سے بجز خدا کوئی واقف نہیں۔



امام حسین علیہ السلام پروردگار عالم اور فطرت کے قوانین اٹل پر ایمان مکمل دایقانِ کامل کے ساتھ  
راہِ حق میں اپنی جان نثار کرنے کو معمولی بات سمجھتے تھے شدید مصائب کے مقابلے میں آپ کو وہ  
عزم و ثبات تھے۔ معاصر محقق حسن صدر کے بقول آپ کی داستان پُر خون نے باطل کے خلاف مبارز  
در مردانِ حق کے جہاد کی تاریخ کو ابدیت اور عظمت جاودانی بخش دی ہے۔ اگر مردانِ حق کی فداکاریوں  
لی داستان مرتب کی جائے تو حق و انصاف کا تقاضا ہے کہ اس دفتر کے دیباچے کو کربلا و عاشورے  
کے خونیں واقعہ سے زینت بخشی جائے۔

روز عاشورا جب انصارِ ابنِ امام عالی مقام خاک و خون میں غلطان منصبِ شہادت پر فائز  
و گئے تو بجائے اس کے کہ آپ ہمت ہار دیتے اندان ذلیل انسانوں کی بیعت کرنے کے لیے اپنا  
تھوڑا ہڈی دیتے۔ انھوں نے اپنے ثباتِ مکمل اور ایمانِ کامل کے تحت فرمایا:

” اما والله لا اجیبھوالی شیء ہما یریدون حتی القی اللہ وانا مخضب  
بدھی“

” خدائی قسم! میں ان میں سے کسی ایک کی خواہش کو بھی پورا نہ کروں گا جیسی کہ اپنے خون  
میں غلطان ہو کر میں اپنے پروردگار سے ملاقات کروں۔“

حسین ابن علی علیہما السلام کا واحد آسرا اور تکیہ گاہ خدائے بزرگ و برتر کی ذاتِ بے نظیر و بمثال  
ی۔ وہ اس مبدرا اعلیٰ کی طرف لوگا کر اپنے دل کو تسلی اور حوصلہ دیتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ غلبہ حق کو  
مٹانا ہے۔ آپ کو علم تھا کہ خدا کے جرمی و دیر بندوں کی لغت میں ضرورت کا لفظ نہیں ہوتا۔

میدان کربلا میں روز عاشورا ہر اماں کو دینے والے معرکے کا آغاز عمر ابن سعد نے امام حسین علیہ السلام  
کے لشکر کی طرف تیر چلا کر کیا۔ پھر اپنے سپاہیوں سے کہا: اسے اپیل کو فہ گواہ رہنا، میں وہ شخص ہوں جس  
کے حسین علیہ السلام کی طرف پہلا تیر چلا یا۔

مردناقتنا ہی ص ۲۰

نفس انہوم ص ۶۲۲

ارشاد مفید ص ۲۲۰۔ کامل ابن اثیر ص ۲۸۹



اس نے یہ بات اس لیے کی کہ یہ لوگ اس کی فداکاری اور قربانی سے متعلق بنی اُمیہ کے حلقہ بگوش غلام ابن زیاد کے سامنے گواہی دے سکیں تاکہ کوفہ کا یہ ظالم حاکم اسے "ری" کی چند روزہ حکومت سونپ دے۔ یا اس کی خدمات کے اعتراف میں اس قسم کے جملے کہے: "میرے جہاں نثار غلام میں تمہارا ممنون ہوں، تشکر ہوں۔" ابن سعد نے ان لوگوں کو گواہ بنا کر کمزور و مفلس اور زبوں حال عوام پر حریمانہ نظریں لگائی تھیں۔ جو انتہائی ذلت و پستی سے بھی دوچار تھے۔

دوسری طرف امام حسین علیہ السلام ان بزدلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی ذلت سے دوچار ہونے کی بجائے ہنگام جنگ سے قریب تر ہو گئے۔ اور تاریخ کو عالم بشریت کا عظیم ترین اور الم ناک و خونی واقعہ رقم کرنے کا موقع دیا۔ انھوں نے عظمت و بزرگی کی اعلیٰ حدوں کو چھو لیا۔ وہ اپنے خدا سے یوں کہتے تھے:

"اللهم انت ثقتی فی کل کرب وانت رجائی فی کل شدة وانت لی فی کل امر  
نزل بی ثقة وعدة کم من هم بضعف فیہ الفواد وتقل فیہ الحیلہ ویتخذ ل  
فیہ الصدیق ولیشمت فیہ العدو، انزلنہ بک وشکونہ الیک رغبہ منی الیک  
عن سواک فصرجتہ عنی وکشفته فانت ولعی کل نعمة وصاحب کل حسنة  
ومنتہی کل رغبۃ ۛ"

"یعنی، خدایا! تو ہر اندوہ و غم میں میرا سہارا ہے تو ہر مصیبت و مشکل میں میری امیدوں کا مرکز اور میرا آسرا ہے جو ہم بھی مجھے پیش آتی ہے اس کے مقابلے میں میری قوت کا منبع تو ہے تو ہی میری طاقت ہے۔ جب کبھی مجھ پر ایسے غم ٹوٹتے ہیں جن کا کوئی چارہ میں نہیں کر سکتا، جن میں دوست بھی میرا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور دشمن طعنہ زنی کرتے ہیں تو میں دوسروں سے منہ موڑ کر تیری بارگاہ میں ہی عرض کرتا ہوں تو پھر ان مصائب و آلام سے تو ہی مجھے نجات دیتا ہے۔ پس تو ہی ہر نعمت کا عطا کرنے والا، تمام نیکیوں کا مالک اور تمام آرزوؤں کا منتہی ہے۔"



## ھیہات منالذلة : یہ عنوان امام حسین علیہ السلام کے اس خطبے کا ایک جملہ

ہے جو امام عالی مقام نے کربلا کے پتے ہوئے میدان میں روز عاشور کی ٹھلسا دینے والی دھوپ میں بل کوفہ کے درمیان ارشاد فرمایا: ذرا اس مرد جبری کو چشم تصور سے دیکھیے جو انگشتری میں جڑے ہوئے ننگینے کی طرح دشمنوں کے زرخے میں ہو۔ موت خوفناک اثر دے گی طرح انہیں اور ان کے ساتھیوں کو ننگینے کے لیے منہ کھولے کھڑی ہو۔ جس کی ساتھی خواتین اور معصوم بچے جو عترت و ناموس رسول ہوں، زمانے کے وحشی ترین انسانوں کے ہاتھوں اسیر ہونے والے ہوں۔ جس کے خیمہ مقدسہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ ہو اور بچوں کے دہنوں سے فریاد العطش اور طلب آب کے سوا در کوئی بات منہ سے نہ نکلتی ہو۔ اہل بیت کی آہ وزاری اور نالہ و فریاد دل سنگ کو بھی پگھلا سکتی ہو، لیکن ان حالات و ان نازک ترین لمحات میں حسین ابن علی علیہ السلام خدا کی مدد و ثنا، اس کے رسولؐ، انبیاء اور فرشتوں پر درود و سلام بھیجنے کے بعد مردہ ضمیر، سیاہ دل ورجاہل کو فیوں سے اس طرح خطاب فرماتے ہیں:

اے گروہ مردم تم پر افسوس ہے، تم پر ہلاکت اور اندوہ و غم نازل ہو، تم نے بے حد اشتیاق سے ہمیں اپنی مدد کے لیے بلایا تھا اور ہم بھی تمہاری امداد کے لیے چلے آئے ہیں۔ جو شمشیر ہم نے تمہارے ہاتھوں میں دی ہے وہ تم نے ہم پر اٹھالی ہے۔ جو آگ ہم نے تمہارے اور اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے فرزیاں کی تھی۔ وہ تم نے ہمارے لیے مخصوص کر دی ہے اور یوں تم اپنے دشمنوں کے ہی مددگار بن گئے ہو، اور تم نے اپنے خیر خواہوں اور دوستوں کا محاصرہ کر لیا ہے۔ یہ سوچنے کے بغیر کہ انھوں (دشمنوں) نے تمہارے درمیان عدل و انصاف کو رواج نہیں دیا۔ کیا تم مستقبل میں ان سے اس کی امید رکھتے ہو؟

افسوس ہے تم پر! کہ تم نے اس وقت جب تلواریں نیام میں تھیں، دلوں میں عداوت پیدا نہ ہوئی تھی ہم سے دست برداری کیوں کرتا نہ کیا؟ اور اب



اس قدر عجلت سے نوخیز مٹی کی طرح تیزی سے حرکت میں کیوں آگئے ہو؟ اور کس لیے آتشِ فتنہ میں پروانہ وار گر رہے ہو۔ خدا کے کہ تم (بدبختی و تباہی کے سنگ گراؤ تے) ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پس جاؤ۔

اسے ذلیل انسانو! اسے اس گروہ کے باقی ماندہ افراد جو پیغمبر سے برسرِ جنگ رہا تھا۔ اسے بزدلو! تم نے کتابِ خدا کو اپنے سے دور پھینک دیا ہے اور اس کے مطالب میں رو دبل کر لیا ہے۔ اسے وہ لوگو! جو کہ گناہوں کے شایق اور شیطان کے دوست ہو۔ اور اسے کہ تم نے پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستے کو برباد کر دیا ہے۔

کیا تم نے یزید اور بنی امیہ کی معاونت میں آلِ پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے؟ ہاں، خدا کی قسم! یہ مکاری و عیاری تمہارا ماضی ہے۔ تمہارا تار و پود مکر و فریب ہے۔

تم اس شجر کے پلید ترین پھل ہو جس کی نشوونما آبِ مکر سے ہوئی ہے۔ تم باغبان کے لیے لقمہ لگو گیر تھے۔ اب خاصب دشمن کے لیے خوشگوار لقمہ بن گئے ہو۔ اور اس کے حلق میں فرحتِ بخشش بن کر اتر رہے ہو۔

الا وان الدعی بن الدعی قدر کفی بین اثنتین بین السلة والذلة وهیها  
منا الذلة یا بی الله ذلک لنا ورسوله والمؤمنون وحجوس طابت و طهرت و  
انوف حمیة و نفوس آبیة من ان نوثر طاعة اللتام علی مصارع الکرام۔

بنی امیہ کے منہ بولے بیٹے ابن زیاد نے جس کا باب زیاد بھی بنی امیہ کا ساختہ بیٹا اور ایک ناپاک و پلید انسان تھا، مجھے اس دور ہے پر کھڑا کر دیا ہے جہاں سے عزت کی موت یا ذلت کی زندگی کی طرف راستے جاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ میں ذلت و خواری کو اپنے لیے منتخب کروں۔ خدا تعالیٰ میری ذلت پر راضی ہے نہ اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مومنین جبری اور میری تربیت کرنے والی باعصمت ہستیاں، دلیر و غیور، بلند نظر



عالی طبع اور روشن ضمیر انسان کبھی اس پر راضی نہیں ہو سکتے کہ عزت و غیرت پر قربان ہونے کی بجائے پست و ذلیل لوگوں کی اطاعت قبول کی جائے۔

جان لو، کہ میں اپنے ان چند ساتھیوں کے ساتھ تم سے نبرد آزما کر دوں گا۔ اور اس بعد فرود بن مسیک صحابی کے وہ اشعار پڑھے جن میں انتہا درجہ کی عظمت و فضیلت کا اظہار ہوا ہے۔ ان کا مفہوم حسب ذیل ہے:

اگر ہم نے تمہیں شکست دے دی تو یہ ہمارے ماضی کی ترحمانی ہوگی۔ اور کوئی انوکھی بات نہ ہوگی۔ لیکن اگر شکست سے ہم دوچار ہوتے تو پھر بھی ہم مغلوب نہ ہوں گے۔ کیونکہ جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ ہم کم حوصلگی اور بزدلی سے سروکار نہیں رکھتے۔ اور اگر ہم تمہارے ہاتھوں مارے گئے تو یہ مشیت ایزدی ہے کہ ہم شہادت پائیں اور دوسرے کو اس سے مال و زر حاصل ہو۔ دنیا نے دنی میں ہیں رسم کہن ہے۔ جب موت ایک شخص پر حملہ آور ہو کر لوثی ہے تو وہ دوسری جماعت پر لوث پڑتی ہے۔ اسی بنا پر موت نے بزرگان قوم کو زمانہ گزشتہ کی طرح فنا کر کے رکھ دیا ہے۔

اگر دنیا کے صاحب اقتدار ہمیشہ رہتے عظیم و صاحب فضیلت انسان موت کی زد میں آتے تو ہم بھی جو کہ عظمت و بزرگی کے پیکر ہیں۔ ابد الابد تک زندہ رہتے۔ اگر کوئی ہمیں آج بتلائے آلام دیکھ کر طعنہ زنی کرتا ہے تو اس سے کہو ہوشیار رہنا تم پر بھی یہ دن جلد آئیگا۔

۴. (خدا کی قسم، تم میرے بعد اتنی مدت بھی نہ رہو گے، جتنا وقت گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے لگتا ہے) یہ فتنہ تمہیں چکی کی طرح چکر میں ڈال دے گا اور اس کے محور کی طرح تمہیں بھسکونی و اضطراب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ خبر میرے والد بزرگوار نے میرے جد رسول خدا سے مجھ تک پہنچائی ہے۔

پس تم اپنی قوت کو جمع کر لو اسے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر لو تاکہ بعد میں تمہیں طال نہ ہو اور تم ندامت سے بچے رہو۔ اس کے بعد مجھ سے جو سلوک کرنا چاہو کرو اور مجھے مہلت دو۔



میں نے خدا پر توکل کیا ہوا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ کوئی سجدہ کرنے والا ایسا نہیں جو اپنی پیشانی کو اس کے علاوہ کسی اور کے سامنے جھکانے اور میرا پروردگار سراپا حق ہے۔"

آپ کا یہ کلام بلاغت نظام آزادی کا نقیب اور آپ کی عزت و شرف کا منہ بولتا ثبوت ہے آپ اپنے خونِ مطہر میں نہا کر سُرخ رُو دیدارِ الہی کے لیے بڑھے اور ننگِ ذلت رسوائی کو اپنے لیے پسند نہ فرمایا۔ ملت کی جہالت اور نادانی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے خیر خواہوں اور مصلحت اندیشوں کو لقمہٴ اجل بناتی ہے یا انھیں طاقِ نسیاں میں رکھ دیتی ہے اور ان کے وجودِ بابرکت سے فیض حاصل نہیں کرتی۔ اس کے برعکس سیاہ کاروں اور بدطینتوں کی مدد کرتی ہے اور یوں اپنے ہاتھوں سے اپنی بدبختی و بربادی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ اہل کوفہ کی جہالت اور وحشی پن کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ وہ بنی امیہ کے ظالموں کی خوشنودی کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو ان کے قلیل ساتھیوں کے ساتھ شہید کرنے کے لیے مجتمع ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے خطبے میں ان پر واضح فرمایا کہ انھیں شہید کر کے وہ خوش بختی و سعادت حاصل نہ کر سکیں گے۔

یقیناً جو لوگ اپنے مصلحین کو قتل کرتے ہیں اور اپنا مقدر غلط کاروں اور خٹا کاروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ سعادت و خوش بختی نام کی کوئی چیز انھیں حاصل نہیں ہوتی۔ ان کے متعلق ہی ارشادِ باری ہے: **حَبَطَتِ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَهَالِكُمْ مِمَّنْ نَّاصِرِينَ**۔ یہی وہ بد نصیب لوگ ہیں جن کا دنیا و آخرت دونوں میں کیا کرایا اکارت گیا۔ اور کوئی ان کا مددگار نہیں۔

اس خطبے کے اہم نکات جو امام علیہ السلام نے ایمان سے منور اور شرقِ جہاد سے معمور دل کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں یہ ہیں:

۱۔ لہرت سید بن طاہر ص ۵۷-۵۸، تحف العقول میں ص ۲۸۰ پر یہ خطبہ نقل ہے۔ اس کا مکمل عربی متن کتاب کے آخر میں درج ہوگا۔  
۲۔ آل عمران آیت ۲۲



کہ ذلّت کا ظالم اور ظلم پرورد حاکم جو نہ خود پاک نسب رکھتا ہے نہ اس کا باپ، چاہتا ہے کہ مجھے  
ذلّت و خواری اختیار کرنے پر مجبور کرے، لیکن یہ اس کی مجھول ہے۔ وہ غافل ہے کہ میری فرہنگ  
حیات میں مذلت و پستی کا لفظ ہی نہیں۔ مجھے کم ہمتی اور بزدلی سے کوئی واسطہ نہیں، میں جنگ  
کے سوا اور کوئی راستہ اختیار نہ کروں گا۔ میں عزت و سر بلندی کی موت کو پست و کمینہ انسانوں کی  
متابعت میں زندگی گزارنے پر ترجیح دیتا ہوں۔

یہ حقیقت ہے کہ مردانِ خرد اور با غیرت انسان جو کسی غیر اللہ کی طاقت سے مرعوب نہیں  
ہوتے۔ اس وقت تک ذلت و خواری کو اپنے لیے منتخب نہیں کرتے جب تک شہادت اور عزت  
کی موت کا دروازہ ان کے لیے کھلا رہے۔ مقتدرائے احرار جہاں کے یہ حرارت سے بھر پور الفاظ جو  
انہوں نے فولادی چٹان کی طرح مضبوطی سے دشمن کے مقابل کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے تھے راقم  
کو ان اشعار کی یاد دلاتے ہیں جو اس کائنات کے گوہر بے بہا اور ذریعہ نایاب کی عظمت و بزرگی اور عالی  
طبعی کی ترجمانی کرتے ہیں۔

خوش دولتی مست سرخوش دولشا در زیستن

آزادگی گزیدن و آزاد زیستن

مرگ است گرچہ زندگیش نام کردہ اند

در زیر تازیانہ بیداد زیستن

نگ است چند روزہ کوتاہ عمر را

باتلخی شکنجہ جلا د زیستن

شیریں ملک در کف خسرو گزاشتن

وز زخم تیشہ شاد چو فرہاد زیستن

روی سحر ندیدن و در تیرہ شام عمر

لرزاں چو شمع در گزر باد زیستن



مردی بمرمی و شرف جان سپردن است  
نہ باخیال ماندن و با یاد زیستن

امام حسین علیہ السلام کی بے مثال و بے عدیل شخصیت اور بے نظیر شجاعت کا یہ ایک گوشہ تھا۔ جنہوں نے کربلا کے حریت آفریں معرکہ جہنم دیا اور خود کو نورانی لباس میں جس کا تار و پود عظمیٰ بزرگی سے بنا تھا، یوں جلوہ فگن کیا کہ اس کی روشنی آنکھوں کو چکا چوند کرتی ہے اور تا ابد کرتی رہے گی۔

## وہ صاحبانِ فضیلت جنہوں نے تاریخِ بشریت کو شکوہ جاودان بخشا

کربلا کے مقدس معرکہ کو امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے جانیں قربان کر دیں اور یہ اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کی سعی سے بار آور ہوا۔ ابتدا میں ہم امام عالی مقام کے و انصار اور اس کے بعد اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کے قائم کردہ نقشِ محکم کا جائزہ لیں گے۔ اس کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے کہ شہدائے کربلا کون لوگ تھے؟ ان کا کیا مقصود تھا؟ انہوں نے شہادت کو زندگی پر کیوں ترجیح دی؟

اصحابِ امام علیہ السلام تمام کے تمام صاحبانِ بصیرت و ایمان تھے۔ کتابِ خدا کی محافظت اور خاندانِ رسالت کی محبت میں اپنے مقصود و مطلوب سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ ظالموں سے مبارز اور اپنے مقصود کے لیے جان قربان کرنے کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ شبِ عاشورا امام عالی مقام نے ان سب کو مجتمع فرمایا۔ آپ کے بھائی، بیٹے اور دوست سب ہی حاضر تھے، یہ آگ چھوٹا سا اجتماع تھا۔ لیکن ان کی بلند نظری اور عالی حوصلگی حیرت ناک تھی۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: اگرچہ میں بیمار تھا لیکن اپنے والد گرامی قدر کے فرامینِ عالیہ کو سننے کے



چلا گیا۔ میں نے سنا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے فرما رہے تھے:

وہ میں بہترین طریقے سے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالاتا ہوں۔ راحت و تکلیف میں اس کا شکر ہے۔ انے خدا میں تیرا سپاس گزار ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے، ہمیں علم قرآن، علم دین اور علم فقہ عطا فرمایا، ہمیں گوش شنوا، چشم بینا اور دل دانا دیا ہے تو نے ہمیں آلائشِ شرک سے پاک رکھا۔ پس ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

میں اپنے یارانِ باصفا سے زیادہ باوفا اور بہتر ساتھی اور اپنے اہل بیت سے زیادہ صالح اور پیکرِ اخلاص و محبت اہل بیت کسی کے نہیں دیکھتا۔ خدا تعالیٰ تم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ کل دشمنوں سے مجھے جنگ کرنا ہوگی۔ میں تم سب کو جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں نے اپنی بیعت سے تم کو آزاد کر دیا ہے۔ اپنی اپنی مرضی کے مطابق جو راستہ چاہو اختیار کر کے چلے جاؤ۔ رات کا پردہ پڑا ہے اسی کو اپنا مرکب بنا کر روانہ ہو جاؤ۔

عوام کے ذہنوں میں یہ خیال راہ پاچکا ہے کہ امام علیہ السلام کے اس خطبے کے بعد آپ کے متعدد ساتھی چلے گئے اور صرف وہ باقی رہ گئے جو رہنا چاہتے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ شیخ مفید، طبری اور ابوالفرج جیسے قدامت جہوں نے واقعہ کربلا کو تمام و کمال بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس موقع پر آپ کے ساتھیوں کے جانے کے متعلق کچھ تحریر نہیں کیا۔ مدینہ سے واپس کر بلا کی طرف سفر میں جب مسلم، ہانی اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر آپ نے سنا تو جانے والے اسی وقت چلے گئے تھے۔ اور آپ نے ان کم علم اور

۱۔ تاریخ طبری میں "راثیتکم" اور ارشاد مفید میں "اذنتکم" تحریر ہے۔

۲۔ تاریخ طبری ج ۴ صفحہ ۲۱۴



نا آشنا لوگوں کے نام پر دُعا اخفا میں رہنے دیے۔

جب امام عالی مقام کا خطبہ تکمیل کو پہنچا تو بتدایں آپ کے بھائی، بیٹے اور بھتیجے،  
عبداللہ بن جعفر کے صاحب زادے اور سب سے پہلے آپ کے برادر عزیز جناب عباس  
سب بیک آواز بولے: ہم کیوں چلے جائیں؟ تاکہ آپ کے بعد زندہ رہیں، خدا تعالیٰ  
ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ آپ شہید ہوں اور ہم زندہ رہیں۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے خاص طور پر اولادِ عقیل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:  
اے فرزند ان عقیل! تمہارے لیے تو مسلم کی شہادت ہی کافی ہے میں تمہیں جانے کی اجازت  
دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: سبحان اللہ، لوگ کیا کہیں گے؟ یہی ناکہ ہم اپنے آقا و مولا اور  
اپنے عم محترم (علی مرتضیٰ علیہ السلام) کی اولاد کو چھوڑ کر چلے آئے۔ ان کے ہمراہ دشمنوں  
کوئی تیر چلایا نہ کوئی نیزہ مارا اور نہ ہی شمشیر زنی کی۔ اور ہم نے یہ پروا نہ کی کہ دشمن کے  
ساتھ مقابلے میں ان کا کیا بنا؟ خدا کی قسم، ہم یہ کام ہرگز نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنی جان  
مال اور سب خاندان کو آپ پر قربان کر دیں گے۔ ہم آپ کے ساتھ ہی لشکرِ باطل سے  
نبرد آزما ہوں گے۔ تاکہ جس منصبِ شہادت پر فائز ہو کر آپ سر بلند ہوں گے۔ اس  
کے وسیلے سے ہم بھی عزت و توقیر پائیں۔ خدا تعالیٰ اس زندگی کو تلخ کر دے۔  
آپ کے بعد آپ کے بغیر ہو۔

بعد ازاں اصحابِ امام حسین علیہ السلام میں سے مسلم بن عوسجہ جو بنی ہاشم میں  
تھے۔ اٹھے اور بارگاہِ امام علیہ السلام میں بصد ادب و احترام عرض کیا:  
”کیا ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں؟ آپ کے حق کی ادائیگی کے بارے میں خدا  
سامنے کیا جواب دیں گے؟ خدا کی قسم! میں ان دشمنوں سے جنگ کروں گا۔ یہاں تک  
کہ میرا نیزہ ان کے سینوں میں ٹوٹ جائے۔ اس وقت تک تلوار چلاؤں گا۔ جب تک“



ہاتھ میں اس کا قبضہ ٹھہر سکے اور ان کے خون سے رنگین ہو جائے۔ میں کسی طرح آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اگر ہتھیار میرے پاس نہ ہوں گے تو میں اُنھیں پتھر ماروں گا۔ خدا کی قسم! میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا تاکہ خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ ثابت ہو جائے کہ ہم نے پیغمبر اسلام کی غیبت میں ان کے فرزند کا حق ادا کر دیا ہے۔ بخدا! اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا، پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے گی اور ستر مرتبہ میرے ساتھ دُہرایا جائے گا۔ تو تب بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ جب تک کہ آخری مرتبہ بھی آپ کے قدموں پر موت نہ آجائے۔ چہ جائیکہ یہ تو ایک مرتبے کا قتل ہونا ہے اور اس کے بعد دائمی عزت ہے جو لافانی ہے۔ جب مسلم بن عوسجہ نے بات ختم کی تو زہیر بن قین اُٹھ کھڑے ہوئے، یہ کبھی امام عالی مقام علیہ السلام کے دشمن تھے۔ لیکن راستے میں آپ کی معیت اختیار کر کے آپ کے ساتھ شہادت پائی اور سعادت ابدی حاصل کی۔ یہ اس طرح گویا ہوئے:

بخدا! مجھے یہ بہت پسند ہے کہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ اور ایسا ہزار مرتبہ ہو۔ اور کسی طرح یہ آپ کو اور جو انان بنی ہاشم کو ہلاکت سے محفوظ رکھ سکے۔ دوسرے تمام انصار ان امام علیہ السلام نے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔ اور اپنی وفات کا یقین دلایا۔ ان کی یہ گفتگو ان کی پاک نیت، کامل بصیرت اور ثبات قدم کا مظہر ہے۔ ان میں سے ہر کوئی دُور شوق سے اپنے امام اور اپنے دین کی راہ میں جان نثاری اور موت کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔

یہ بہت ضروری ہے کہ شہدائے کربلا کی عظمت و شرف، حق سے عشق اور اس کے لیے اپنی جان و مال نثار کرنے کے قابل قدر جذبہ کا مزید جائزہ لیا جائے۔ اگرچہ ہم ان مباحث سے



پوری طرح عمدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

حسینی کا رداں کو فہ کی طرف منزل بہ منزل رداں رداں تھا۔ دوران سفر میں امام علیہ السلام نے اپنا ایک خواب یوں بیان فرمایا: میں نے خواب میں ایک سوار کو یہ کہتے سنا ہے کہ یہ گروہ اپنی راہ چلتا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ موت بھی ان کی طرف بڑھتی آئیگی۔ آپ کے فرزند ارجمند علی اکبر نے عرض کیا: بابا جان خدا برادوں نہ دکھائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہاں بیٹے، خدا کی قسم کہ جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے ہم حق پر ہیں۔ (ہمارا مشن، ہمارا عقیدہ، ہمارے ارادے سب ہی حکم خداوندی کے مطابق ہیں۔) علی اکبر علیہ السلام نے کہا: پھر ان حالات میں ہمیں موت سے کیا خوف؟ موت آتی ہے تو آئے۔ امام عالی مقام نے فرمایا: خدا تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ وہ فرزند رشید تھے کہ جنہوں نے روز عاشور میدان کربلا میں اپنے جد فلاح خیر علی مرتضیٰ علیہ السلام کی بے مثال شجاعت کے تھوڑے سے جوہر دکھائے اور ان کی یاد تازہ کر دی اور جلد ہی اپنے مقدس عقیدے و ایمان کے لیے اپنے پاکیزہ لہو کو نذر کر دیا۔

## عباس علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے لیے امان نامہ،

عباس ابن علی علیہ السلام اپنے بھائیوں عبداللہ، جعفر اور عثمان کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کی معیت میں کربلا میں وارد ہوئے تھے۔ عبداللہ بن ابی المحل بن حزام ام البنیہ کے بھتیجے نے ابن زیاد کے سامنے یہ درخواست کی کہ اے امیر! میرے چھوٹے زاد بھائی عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے ہمراہ وارد کربلا ہو رہے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کے لیے ایک امان نامہ تحریر فرمادیں۔ ابن زیاد نے یہ قبول کر لیا۔



عبداللہ بن ابی الملح نے اپنے تئیں اپنے پھوپھی زاد بھائیوں کے لیے بہت بڑی خدمت انجام دی اور خواہش ظاہر کی کہ وہ اس امان نامہ سے استفادہ کرتے ہوئے، اپنے امام علیہ السلام کو دشمنوں میں تنہا چھوڑ کر اپنے آپ کو اس خونیں معرکے کی ہلاکت آفرینیوں سے محفوظ کر لیں۔ لیکن وہ اس سے غافل تھا کہ اس کے پھوپھی زادوں کی رگوں میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا خون رواں ہے اور ان ہمدردوں نے بصیرت کاملہ کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہوا ہے۔ وہ اپنے مقصد سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ اپنی جان نثار کرنے کی فکر میں تھے۔ جب کہ عبداللہ ان کی جان کو بچانے کی سوتھ رہا تھا۔

میدان کربلا میں یہ امان نامہ عبداللہ بن ابی الملح کے غلام نے فرزند ابن ام البنین کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ عبداللہ کی تعریف کریں گے اور ابن زیاد کی درازنی عمر کے لیے دعا کریں گے۔ لیکن علی ابن ابی طالب کے بیٹوں نے کمال لاپرواہی سے جواب دیا کہ ہمیں تمہاری امان کی ضرورت نہیں۔ خدا کی پناہ۔ اور امان مسمیہ کے بیٹے کی امان سے بہت بہتر ہے۔ "امان اللہ خیر من امان ابن سمیہ"۔

عبداللہ کے غلام کے جانے کے بعد شمر لعین کربلا میں آیا۔ تو اس نے فرزند ابن ام البنین سے قرابت داری کی وجہ سے انہیں بھانجا کہ کر مخاطب کیا اور ان کے لیے امان کا اعلان کیا۔ جناب عباس علیہ السلام نے اور ان کے بھائیوں نے بیک آواز ہو کر کہا: تم پر اور تمہاری دی ہوئی امان پر لعنت ہو۔ تم ہمیں امان دیتے ہو اور فرزند ابن پیغمبر علیہ السلام کو شہید کرنے پر آمادہ ہو۔

انسان کو جب تک موت کا یقین نہ آجائے۔ اپنے آپ کو تختہ دار پر دیکھے یا خود کو زیر شمشیر برتاں پائے تو اسی وقت وہ امان اور موت سے نجات کی لذت کو صحیح طور

۱۔ ام البنین زوجہ علی المرتضیٰ اور شمر لعین دونوں قبیلہ بنی کلاب میں سے تھے۔



پر محسوس کر سکتا ہے اور اس کی اہمیت سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ راہِ حق میں اپنی جانِ عزیز سے دست کش ہونے والے اس قسم کی امان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ اپنے مقصد کے یہ متاعِ حیات کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔ ان کا ثباتِ قدم اور طاقتِ بشری سے برتر طاقت کا مظاہرہ انسان کو انگشتِ بدندان کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر اصحابِ امام علیہ السلام کو عام انسانوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ انھیں تو مافوق البشر انسانوں کی فہرست میں محسوب کرنا ہوگا۔

شبِ عاشورہ تاریخِ انسانیت میں بے نظیر و بے عدیل ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے بھتیجے جنابِ قاسم بن حسن علیہما السلام نے آپ سے کہا: چچا جان! موت میرے نزدیک شہدے سے بھی شیریں تر ہے۔

روزِ عاشورہ دن ہے کہ جس میں انسانی عظمت و فضیلت کو لافانی بنانے اور حق و انصاف کو حیاتِ تازہ بنانے کے لیے شہدائے کربلا اپنے خونِ مقدس سے اپنے چہرہ اقدس کو فروزاں کر کے بارگاہِ باری میں حاضر ہوئے۔ اس دن آپ کے اصحاب باوفا ہیں سے عمرو بن قرظہ انصاری نے لشکرِ ابن زیاد میں سے بہت سے سپاہیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ تیر اور تلواروں کے جو دار امام علیہ السلام کی طرف آتے تھے۔ وہ ان کو اپنے جسم پر روکتے تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو امام عالی مقام کے لیے سپر بنا لیا۔ یہاں تک کہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے اور امام علیہ السلام کے رخ پر نور پر نظر ڈالتے ہوئے عرض کیا: یا ابنِ رسول اللہ! کیا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تم مجھ سے پہلے ہی داخلِ بہشت ہو رہے ہو، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ حسین بھی ابھی ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔

ہمارا سلام ہو ان مردانِ جبری پر جنہوں نے فرزندِ پیغمبر علیہ السلام کی معیت میں حریت



اور ایمان کی راہ جہاد کیا۔ انھوں نے تاریخ بشریت کو عظمت و جلال اور نزہت و پاکیزگی عطا فرمائی اور عالم انسانیت کے چہرے کو پُر نور کر دیا۔

غالباً ابھی روزِ عاشور کی ابتدا ہی تھی کہ آپ کے یاران باصفا میں سے مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں غلطاں ہو گئے۔ امام عالی مقام ان کے بالین پر جب پہنچے تو وہ زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلم! تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: **منہم من قضی شعبہ و منہم من ينتظر و ما بدلوا تبدیلاً**۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو مر کر اپنا رقت پورا کر گئے اور بعض حکم خدا کے منتظر ہیں اور انھوں نے اپنی بات ذرا بھی نہیں بدلی۔

آپ کے بعد حبیب بن مظاہر ان کے سر ہانے آئے اور کہا: اے مسلم! تمہاری شہادت میرے لیے شدید صدمہ ہے لیکن تمہیں بشارت ہو کہ تم جنت میں جا رہے ہو۔ مسلم بن عوسجہ نے نحیف آواز میں کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و خوبی عطا فرمائے۔

حبیب بولے: اگر حالات ایسے نہ ہوتے کہ تمہارے بعد جلد ہی میں بھی دنیا کو خیر آباد کہوں گا تو تم سے وصیت کرنے کی خواہش کرتا تاکہ اس پر عمل کرتا اور اسے فراموش نہ کرتا۔ مسلم بن عوسجہ نے فرمایا: میں وصیت کرتا ہوں کہ امام عالی مقام کی اعانت سے دستکش نہ ہونا۔ یہاں تک کہ ان کے ہمراہ شہید کر دیئے جاؤ۔ حبیب گویا ہوئے، خدا کی قسم، میں بالکل اسی طرح عمل کروں گا۔

اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم بن عوسجہ کو اپنے آخری وقت بھی ایک ہی غم تھا اور وہ یہ کہ حسین علیہ السلام تنہا نہ رہ جائیں۔ اس لیے حبیب بن مظاہر کو آخری وصیت بھی یہی کی



کہ امام علیہ السلام کا ساتھ کسی قیمت پر نہ چھوٹا جائے۔

نافع بن ہلال جو آپ کے یار باوفا اور مہذب انسان تھے، انھوں نے تیروں کی سو فارہ پر اپنا نام کندہ کر رکھا تھا۔ روز عاشور دشمن پر تیروں کی بارش کر رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا بن ہلال البجلی انا علی دین علیؑ

میں ہلال بجلی کا بیٹا ہوں، میں دین علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر ہوں۔ وہ اس معرکہ داروگیر میں امیر المومنین علیہ السلام کا نام لے رہے تھے اور مبلغانہ انداز میں ان کے دین کو سراہ رہے تھے اور اپنے عقیدے کا کھلم کھلا اظہار فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ابن سعد کے بارہ لشکریوں کو مارا اور کئی ایک کو زخمی کیا۔ بالآخر ان کے بازو زخمی ہو کر شکستہ ہو گئے اور وہ مبارزت کو جاری نہ رکھ سکے۔ دشمنوں نے ان کو پکڑ لیا اور عمر بن سعد کے رو بروئے گئے۔ اس نے کہا: تم نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ نافع نے جواب دیا: اس کام میں میری نیت سے پروردگارِ عالم بخوبی آگاہ ہے۔ آپ کی ریش مقدس سے لہو ٹپک رہا تھا اور آپ کہہ رہے تھے: بخدا! میں نے تم سے بارہ افراد کو داخل جہنم کیا ہے اور کئی ایک کو زخمی کیا ہے اور میں اپنی اس کارگزاری سے ہرگز شرمندہ نہیں ہوں، نہ ہی اپنے نفس کو ملامت کرتا ہوں۔ اگر میرے بازو شکستہ نہ ہو جاتے تو تم مجھے گرفتار نہ کر سکتے تھے۔ شہر نے عمر سعد سے کہا: اسے قتل کر دو۔ ابن سعد نے کہا: تم اسے قتل کرو۔ جب نافع نے تیغ ستم کو اپنے سر پر دیکھا تو کہا: خدا کی قسم! اگر تم مسلمان ہوتے تو خدا کے حضور ہمارے خون سے ہاتھ رنگ کر نہ جاتے، میں خدا کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے ہماری موت خلافت کے بدترین افراد کے ہاتھوں میں قرار دی۔ آپ یہ کہہ رہے تھے کہ خنجر ستم اپنا کام کر گیا اور آپ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔

۱۔ ارشاد میں (بجلی) اور طبری میں (جلی) درج ہے۔

۲۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۳۳۶، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۲



حدیث مرد مومن باتو گویم ،

کہ چون مرگش رسد خنداں بمیرد

عظمت و جلال انسانیت کی راہ کے یہ شہید اپنے ایمان و دین کے لیے موت کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ بوڑھے اور جوان کسی قسم کے خوف کے بغیر سر بکف میدان جنگ میں جا کر اپنا اپنا نذرانہ حیات پیش کر رہے تھے۔ کہ نماز ظہر کا وقت قریب آ گیا۔ اصحاب امام علیہ السلام میں سے ابو ثمامہ صائری نے عرض کیا: یا ابا عبد اللہ! میری جان آپ پر نثار ہو دشمن آپ کو اس وقت تک شہید نہیں کر سکتا جب تک کہ میں بھی آپ کی معیت میں نہ مارا جاؤں لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ نماز ظہر کا وقت قریب ہے۔ اس کو ادا کر کے اپنے خدا کے حضور حاضر ہو جاؤں۔

امام علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور ان کی تعریف کرتے ہوئے دعا دی۔ کہ تم نے نماز کو یاد کیا ہے اللہ تعالیٰ تم کو عابدوں اور اپنا ذکر کر نیوالوں میں محسوب فرمائے، یہ نماز کا اول وقت ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا: دشمنوں سے کہو کہ یہ ہمیں نماز پڑھنے کی مہلت دیں اور اتنی دیر جنگ موقوف کر دیں۔ لیکن ان مردم خور درندوں نے لڑائی بند نہ کی اور ادائیگی نماز کا موقع نہ دیا۔ سید الشہداء کے حکم سے زہیر بن قین اور سعید بن عبد اللہ آپ کے اور دشمن کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے اجسام مطہرہ کو امام عالی مقام اور دیگر اصحاب کے لیے ڈھال بنا دیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اصحاب کے ہمراہ نماز خوف ادا کی۔ سعید بن عبد اللہ دشمن کے تیروں سے ڈھال ہو کر ریگ گرم پر گر پڑے۔ آپ اس حالت میں کہ رہے تھے، خدا یا اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا سلام پہنچا دے اور میرے زخموں کی تکلیف سے انھیں آگاہ فرما، میں نے اس کا عظیم میں اولاد رسول کی معاونت کی ہے۔ یہ کہا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ان کے جسم میں تیرہ تیر پائے گئے۔ بہر صورت فرزند رسول صلی اللہ نے

۱۔ تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۲۲  
۲۔ غنئی الامال جلد ۱ ص ۲۶۳۔ مفہوم نقل کیا گیا



نماز ظہر ادا فرمائی:

یک سجدہ کر دو داد سر اندر رضای تو

اہل نماز را دو جہاں سرفراز کرد

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب با وفا کی عظیم و قوی روح، خلوص مکمل، ایمان کامل اور حق گوئی و بیباکی ان چھوٹے چھوٹے واقعات سے بخوبی روشن و آشکار ہے جو تاریخ کے صفحات میں ہمارے لیے محفوظ رہ گئے ہیں۔ یقیناً یہی وہ مردان حق ہیں جنہوں نے تاریخ بشریت کو شکوہ و جلال عطا کیا۔ اور انسانیت کے وقار کو حتی المقدور بلند کر دیا۔ حق تو یہ ہے کہ اگر دنیا ان مردان جبری و پرستان حق سے خالی ہوتی اور دنیا کے ہیر و صرف چنگیز، تیمور اور بنی امیہ ہوتے تو انسانیت کی تاریخ کتنی خوف ناک اور شرمناک ہوتی۔ طبری کے مطابق نماز ظہر کے بعد امام عالی مقام کے صمیمی دوست زہیر بن قین نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا زہیر وانا ابن القین ازودکم بالسیف عن حسین

میں زہیر قین کا فرزند ہوں، میں اپنی تلوار سے اپنے امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کو ان سے دفع کرتا ہوں، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ آپ کے شانہ اقدس پر رکھ دیا اور کہنے لگے:

اقدم ہدیت ہا دیا مہدیًا فالیوم تلقی جدک النبیًا

وحسنًا والمرتضی علیًا وذوالجناحین الفتی الکمیًا

واسد اللہ الشہید الحیا

یعنی قدم آگے بڑھائیے آپ وہ امام ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں اور دوسروں کی ہدایت فرماتے ہیں۔ آج آپ اپنے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے بابا علی المرتضیٰ علیہ السلام اپنے چچا جعفر بن ابی طالب اور اپنے والد کے چچا جناب حمزہ کے دیدار سے خوشی و مسرت حاصل کریں گے۔ یہ زہیر کے قلب کی پاکیزگی، معرفت حق اور نیک نیتی



داخل اس درجے تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ اپنے آقا و مولا کو تسلی دے رہے تھے۔ کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں روز عاشورا امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب با وفانے وہ عظیم الشان انقلاب برپا کیا کہ وہ آئندہ رونما ہونے والے انقلابات کا مرکزی نقطہ بن گیا اور حیات بشری کے لیے درس عمل قرار پایا۔

حظلمہ بن اسعد شہابی اس واروگیر میں امام علیہ السلام کے آگے کھڑے ہوئے اور دشمنوں سے یوں گویا ہوئے:

اے میری قوم! مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس روز بدکا، جو بہت سی دوسری قوموں کو نصیب ہوا۔ جیسے قوم نوح، عاد اور ثمود وغیرہ اور وہ جو ان سے بھی قبل تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اے لوگو! میں ڈرتا ہوں اس روز قیامت سے جس دن تم کو نار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ جب کہ تم اس سے فرار چاہو گے۔ لیکن اس وقت عذاب الہی سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ بس کی ہدایت سے خدا ہاتھ اٹھالے پھر اس کی ہدایت کون کر سکتا ہے۔ اے میری قوم! حسین بن علی علیہما السلام کو شہید نہ کرنا ورنہ خدا کا عذاب تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اور جو کوئی باطل سے تعاون کرے، اُسے خدا سے کوئی نیک امید نہ رکھنی چاہیے۔

امام حسین علیہ السلام نے اس مرد مومن سے کہا: اے ابن اسعد! یہ تو اسی وقت مستحق عذاب ہو گئے تھے۔ جب تم لوگوں نے ان کو قبولِ حق کی دعوت دی تھی۔ اور انھوں نے اس کو رد کر دیا تھا۔ اور تم لوگوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اب جبکہ تمہارے بہت سے نیکو کار ساتھیوں کو شہید کر چکے ہیں تو تمہاری بات کب سنیں گے؟ حظلمہ نے عرض کیا: آپ نے بجا فرمایا۔ آپ سے بڑھ کر ان باتوں کو اور کون سمجھ سکتا ہے! اچھا تو اب اجازت دیجئے کہ میں جنگ کروں اور اپنے چلے جانے والے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:



”جاؤ رحمت ایزدی کی طرف اور دنیا و عقبیٰ کی نعمتیں اور نیکیاں پاؤ۔ اپنے خالق

و مالک لایزال کی طرف جاؤ اور سکون و اطمینان سے بہرہ ور ہو۔“

اس وقت غنظلہ نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ، آپ پر سلام ہو اور خدا کی رحمتیں

آپ پر اور آپ کے پاکیزہ خانوادے پر نازل ہوں۔ خدا تعالیٰ جنت میں ہمیں آپ کا قرب

نصیب کرے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان دوستی قائم ہو۔ آمین ثم آمین۔ یہ کہا اور میدان

جنگ میں کود پڑے اور اس بہادری سے جنگ کی کہ شہید ہوئے۔

اس عبادت گزار مجاہد کے یہ کلمات کتنے با صفا اور رُوح پرور ہیں۔ وہ وحشی کوفیوں

کو ان کی بدبختی اور عذاب خدا سے ڈراتے تھے۔ اور ان مصیبتوں اور مذلتوں کی یاد دہانی

کرواتے تھے جو ظالموں اور قاتلوں پر ٹوٹ پڑنے کو تیار ہیں۔ لیکن افسوس ان ابن الوتوں

کے پاس گوش شنوائی نہ تھا۔ ان کے ضمیر مردہ ہو چکے تھے وہ اپنا دین و ایمان زر و دولت کی

دیوی کے قدموں پر نچاؤ کر چکے تھے۔ ان کے بیمار اور نارسا دماغ انسانیت کی اعلیٰ قدر

اور حیات انسانی کے اصل مفہوم کو ورک کرنے سے قاصر تھے۔

یہ صاحب ایمان مجاہد اپنی بابرکت زندگی کے آخری لمحات میں کیا خوب فرماتے ہیں:

”فرزند رسولؐ! آپ پر میرا سلام ہو۔ اللہ کی رحمتیں آپ کا قرب نصیب

کرے اور ہمارے اور آپ کے درمیان دوستی قائم ہو۔“

ان جملات کی تکرار انسان کو ایک گونہ مسرت و خوشی دیتی ہے۔

عابس بن شیبیب ثنا کر می: یہ بھی ناصران امام علیہ السلام میں سے تھے۔ انھوں

نے اپنے خادم شوذب سے کہ وہ بھی یاوران امام عالی مقام میں سے تھا کہا: اے شوذب!

تم کون سا عمل پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ آپ کے ہمراہ نواسہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کی معاونت کرتے ہوئے دشمنوں سے جنگ کرنا اور پھر شہید ہو جانا۔ عابس نے کہا: مجھے آپ



سے یہی امید تھی۔ اب امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ تاکہ وہ دوسروں کے ساتھ تمہیں بھی شہدا میں شمار کر لیں۔ میں بھی تم کو شہیدانِ راہِ حق میں سمجھوں گا۔ اگر میرے ساتھ تمہارے علاوہ در کوئی بھی ہوتا تو اس کے لیے بھی یہی پسند کرتا کہ وہ میرے ساتھ راہِ خدا میں جہاد کر کے شہید ہوتا کہ میں اسے شہدا میں شمار کروں۔

حقیقت میں آج وہ دن ہے کہ ہم اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے نصرتِ امام میں زیادہ سے زیادہ کوشش کریں اور اپنے خدا سے اجر کے طلب گار ہوں۔ آج کے بعد عمل کے دروازے بند ہو جائیں گے اور صرف جزا و سزا باقی رہ جائے گی۔

شوذب امام علیہ السلام کی خدمت حاضر ہوئے، سلام عرض کیا اور میدانِ جنگ میں ذہر شجاعت دکھاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد عابس بارگاہِ امام عالی مقام میں عرض گزار ہوئے:

”اے فرزندِ رسول! خدا کی قسم، مجھے روئے زمین پر اپنوں یا بیگانوں میں سے کوئی بھی آپ سے زیادہ عزیز و محبوب نہیں۔ اگر مجھے مقدور ہوتا کہ میں آپ کے عزیز و محبوب و جود سے ظلم و جور سے اور ہلاکت کی مصیبت کو اپنی جان اور اپنا خون دے کر دور کر سکتا تو ہر صورت میں یہ عمل سرا انجام دیتا۔ آپ پر میرا سلام ہو۔ خدا تعالیٰ گواہ ہے کہ میں آپ اور آپ کے با با علی (علیہما السلام) کے دین پر ہوں۔ جس تلوار اٹھائی اور جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔“

معرکہ کربلا کے ہیرو حسین بن علی علیہما السلام ان صاحبانِ ایمان، روشن ضمیر، پاک دل اور فرض شناس انسانوں کی معیت میں دینِ خدا کی یادری کے لیے کربستہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے شبِ عاشورہ اپنے ارادے مضبوط کر لیے تھے اور صبحِ عاشورہ کے منتظر تھے۔ وہ رسولِ خدا اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو پورا کر رہے تھے۔



علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ بجا میں نقل کرتے ہیں کہ روز عاشورہ کی صبح بریر بن خضیر ،  
 عبدالرحمن بن عبد ربیع (یہ دونوں اصحاب امام علیہ السلام ہیں سے تھے) سے مزاح کر رہے  
 تھے۔ اور ان کو ہنسانے کی کوشش کر رہے تھے۔ عبدالرحمن نے کہا: اسے بریر! یہ مذاق اور  
 بیہودہ گوئی کا کون سا وقت ہے؟ بریر تو کہ حضرت علی علیہ السلام کے عابد و زاہد اور صاحب  
 وقار صحابی خاص تھے گویا ہوئے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں نے جوانی یا پیری میں کبھی  
 بھی بے ہودہ گوئی اور باطل کو پسند نہیں کیا اور آج اگر میں مذاق اور مزاح کر رہا ہوں تو  
 یہ اس مقام و مرتبہ کی خوشی میں ہے کہ جو ہمیں حاصل ہونے والا ہے۔ قسم ہے خدا نے  
 لائیزال کی، کام تو صرف اتنا ہے کہ ہم اپنی تلواروں کے ساتھ ان دشمنان دین کے روبرو  
 چلے جائیں اور تھوڑی سی مبارزت کے بعد حورالعین بہشت سے ہم آغوش ہو جائیں۔

دو مادری بھائی سیف بن حارث اور مالک بن عبد خدمت امام علیہ السلام میں گریہ  
 کناں حاضر ہوئے۔ آپ نے سبب گریہ دریافت فرماتے ہوئے کہا: بچھا، مجھے پوری امید  
 ہے کہ تھوڑی دیر بعد تمہاری آنکھیں دیدار الہی سے روشن ہو جائیں گی۔ انھوں نے عرض کیا:  
 خدا تعالیٰ ہمیں آپ پر قربان کرے۔ خدا کی قسم، ہم اپنی وجہ سے اٹکبار نہیں ہوئے بلکہ  
 آپ کے لیے رورہے ہیں کہ دشمن کو آپ کا محاصرہ کیے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور ان  
 سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی جانبیں  
 تیار کر کے میری نصرت کر رہے ہو، خدا تعالیٰ تمہیں متقیوں کا سب سے بہترین اجر عطا فرمائے۔  
 حنظلہ بن اسعد کی شہادت کے بعد یہ دونوں پھر خدمت امام علیہ السلام میں حاضر ہوئے اور  
 السلام علیک یا ابن رسول اللہ! آپ نے فرمایا: وعلیکما السلام ورحمات اللہ، اس کے بعد میدان  
 جاد کا رخ کیا اور دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔



یزید بن زیاد جنہیں ابوالشمار کہتے تھے اور وہ ایک ماہر تیر انداز تھے۔ امام حسینؑ علیہ السلام کے پہلو میں زمین پر گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گئے اور سوتیر چلاتے جن میں سے صرف پانچ خطا گئے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی: خدا یا اس کے تیروں کو صحیح نشانے پر لگا دے اور اس کا اجر بہشت عطا فرما، جب وہ سوتیر چلا چکے تو اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: میرے پانچ تیر نشانے پر نہیں لگے اور میں نے پانچ دشمنوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر رجز پڑھنا شروع کر دیا:

”میں یزید ابن معاصر ہوں، ان شمروں سے زیادہ بہادر ہوں۔ پروردگارا میں حسین بن علی (علیہما السلام) کی نصرت کر رہا ہوں، میں ابن سعد سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔“

اس کے بعد جنگ کرتے ہوئے منصب شہادت فائز ہو گئے۔

سیاہ فام غلام جناب جون بھی ناصرِ امام علیہ السلام میں سے تھے۔ آپ نے اس سے کہا: تم ہمارے پاس آرام و سکون اور حوادثِ زمانہ سے محفوظ رہنے کے لیے آئے تھے، اب ہماری وجہ سے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا نہ کرو۔ میں تمہیں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔“

جون نے کہا: یا ابن رسول اللہ! میں عافیت اور راحت کے دنوں میں آپ کا کاسہ لیس تھا اور آج جبکہ مصائب و آلام کا دن ہے کیا آپ کو تنہا چھوڑ جاؤں، خدا کی قسم، میرا رنگ سیاہ ہے، میرے جسم سے بڑھتی ہے۔ میرا حسب گھٹیا ہے تو کیا آپ مجھے بہشت سے دور رکھنا جاہتے ہیں؟ کہ میرے جسم سے خوشبو آنے لگے، میرا حسب بہتر ہو جائے اور میرا چہرہ سفید و نورانی ہو جائے۔ بخدا، میں اس وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ جب تک میرا سیاہ خون آپ کے خون میں نہ مل جائے۔ اس کے بعد جنگ کرتے



ہوتے شہید ہو گئے۔

حُربینِ یزید جس نے امام عالی مقام کی راہ روک لی تھی اور آپ کے بچوں اور خواتین کو ہراساں کر دیا تھا اور دو محرم الحرام سے صبح عاشور تک آپ کے دشمنوں کا مدد و معاون بنا رہا تھا، ایک گھنٹے سے کم وقت میں متغیر ہو گیا۔ اس نے ہاجرین اوس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم، اپنے آپ کو بہشت و دوزخ کے دروازے پر دیکھ رہا ہوں۔ لیکن بخدا، چاہے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نذر آتش کر دیا جائے میں کسی چیز کو بھی بہشت پر ترجیح نہ دوں گا۔

اس وقت اس نے امام علیہ السلام کے لشکر کا رخ کیا۔ اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور توبہ کی۔ امام عالی مقام نے فرمایا: خدا تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرے اور تمہاری مغفرت کرے، اپنا نام تباؤ۔ اس نے کہا۔ میں حُربینِ یزید ہوں (حُرب یعنی آزاد) امام علیہ السلام نے فرمایا: تو آزاد ہے جیسے تیری ماں نے تیرا نام حُرب یعنی آزاد رکھا ہے۔

حُرب نے اپنی بصیرت سے کام لے کر امام حسین علیہ السلام کی معیت اختیار کی۔ ابن سعد کا ساتھ چھوڑ کر امام علیہ السلام کی ہمراہی میں راہِ حق میں شہید ہونا ایک دینی فریضہ تھا۔ جس سے حُرب بطور احسن عہدہ برآ ہوئے۔ شہید ہو کر نارِ جہنم سے رہائی پائی۔ جیسا کہ انھوں نے ہاجر بن اوس سے کہا تھا۔ انھوں نے جنت پالی۔

یہ سب کچھ فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شہید ہو کر معرکہ کربلا کو معرضِ وجود میں لانے والے اصحابِ باوفا کے ایمان و بصیرت اور پاکیزگی قلب و روح کی طرف ایک اشارہ ہے۔ چونکہ اس انقلاب میں امام علیہ السلام کا مقصد احیاءِ دینِ خدا اور سنتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو از سر نو زندہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اس لیے

۱۷ لہر صفحہ ۶۴

۱۷ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۲۵۔ ارشاد ص ۲۱۹



آپ کے یاد و انصاف بھی آپ سے پوری طرح متفق تھے اور جو کوئی مال و زر کے لالچ میں آپ کے ساتھ آگے تھے وہ راہ ہی میں لوٹ گئے تھے اور وہ لوگ باقی رہ گئے تھے جو امام علیہ السلام کے مقام و مرتبہ سے آگاہ تھے۔ ان کی نیت اور ان کے نظریات سے واقف اور صحیح معنی میں تربیت یافتہ مسلمان تھے۔ انھوں نے تاریخ انسانیت کو عزت و آبرو اور ابدی پاکیزگی بخشنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ راہ میں اس مشن کی رُوح سے نا آشنا اور نادان لوگوں کا چلے جانا بہتر ثابت ہوا اور یہ مقدس مشن ہر قسم کے نقص سے پاک ہو گیا۔ کربلا میں برپا ہونے والا یہ مقدس انقلاب ہر لحاظ سے بے مثال اور مستحکم و مضبوط تھا۔ یہ حسین ابن علی (علیہما السلام)؛ فرزند فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کے ہاتھوں پر وہ ان چڑھا تھا جو امام برحق تھے جن کی اطاعت سب کا فرض تھی۔ اور جن کے وجود بابرکت میں تمام بشری فضائل و کمالات یکجا ہو گئے تھے۔ تقویٰ کے اعلیٰ معیار، بشر دوستی، زہد و دوسرے، لذائذ مادی سے بے اعتنائی، اعمال صالحہ، عدل و انصاف کے لحاظ سے آپ سب سے برتر و افضل تھے۔ زیادہ واضح الفاظ میں اس معرکہ حق و باطل کے راہبر و راہنما امام معصوم اور تمام بشری کمالات کا مجموعہ تھے۔ آپ کے باوفا اور شایستہ اصحاب جو اس معرکہ میں آپ کے معاونین کار تھے۔ تمام کے تمام عابد، زاہد، مومن، عادل اور فرض شناس تھے۔ وہ راہ خدا میں خدا کے لیے حق و انصاف کو حیات ابدی بخشنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے تھے۔

## شہدائے راہِ عدل کے اسماء

یہ بعید از انصاف ہو گا کہ شہدائے کربلا کی شخصیتوں کا جائزہ لینے کے بعد ان کے اسمائے گرامی کو ان ادباق کی زینت نہ بنایا جائے۔



## شہیدانِ بنی ہاشم کے اسماء

- ۱- حسین بن علی صلوات اللہ علیہما ۲- علی بن الحسین ۳- عبد اللہ بن الحسین
- ۴- عباس بن علی ۵- عبد اللہ بن علی ۶- جعفر بن علی ۷- عثمان بن علی ۸- ابوبکر بن علی
- ۹- عبد اللہ بن علی ۱۰- قاسم بن حسن ۱۱- عبد اللہ بن حسن ۱۲- ابوبکر بن حسن
- ۱۳- محمد بن عبد اللہ بن جعفر ۱۴- عون بن عبد اللہ بن جعفر ۱۵- عبد اللہ بن عقیل ۱۶- جعفر بن عقیل
- ۱۷- عبد الرحمن بن عقیل ۱۸- محمد بن ابی سعید بن عقیل

## امام حسینؑ کے اُن ناصرین کے نام جو بنی ہاشم سے نہ تھے

(اُن کے نام حروفِ تہجی کے حنا سے لکھے گئے ہیں)

- ۱- ابراہیم بن حصین اسدی ۲- ابوالمحتوف بن حارث انصاری ۳- ابو ثمامہ صائری
- ۴- عمرو بن عبد اللہ شیبہ ۵- ابو عامر نیشلی ۶- احمد بن محمد ہاشمی ۷- ادہم بن امیہ عبری ۸- اسلم بن
- غلام حسین ۹- امیہ بن سعد طائی ۱۰- انس بن حارث کالی صحابی ۱۱- انیس بن معقل اصبحی

۱۲- یہ وہ ہیں جو آغوشِ امام میں گوشہٴ خیمہ شہید کیے گئے۔ ارشاد ۲۲۴

۱۳- یہ چاروں بھائی ام البنین زوجہ علی مرتضیٰ کے بطن سے تھے۔

۱۴- ابوبکر اور عبد اللہ دونوں لیلیٰ دختر مسعود ثقفی زوجہ امیر المؤمنین علی کے بطن سے تھے۔

۱۵- قاسم، عبد اللہ اور ابوبکر جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

۱۶- محمد و عون عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کے صاحبزادے تھے۔ عون کی والدہ زینب کبریٰ اور

محمد کی ماں بنی بکر بن وائل قبیلے کی خواہر تھیں۔ نفس المہوم ص ۱۶۸-۱۶۹

۱۷- ارشاد مفید ص ۲۳۳- شہدائے بنی ہاشم کی تعداد میں اختلاف ہے شیخ مفید نے امام عالی مقام کے ہمراہ

۱۸ نفر لکھے ہیں اور ہم نے ان سے نقل کیا ہے۔ مقال الطالبین، تاریخ طبری، تاریخ الخلفاء، عقائد

مروج الذهب اور مناقب میں بالترتیب ۲۲، ۲۰، ۱۶، ۱۳ اور ۱۲ افراد کو شمار کیا ہے۔

۱۹- شہدائے غیر بنی ہاشم کے اسماء ارشاد مفید، طبری، مناقب ابن شہر آشوب، اعیان الشیعہ (بقیہ اگلے صفحہ)



- ۱۱۔ بریر بن خضیر ہمدانی ۱۲۔ بشر بن عمرو ۱۳۔ بکر بن حی تیمی ۱۴۔ جابر بن حارث ۱۵۔  
 جابر بن حجاج تیمی ۱۶۔ جبلة بن علی شیبانی ۱۷۔ جون ابو مالک غلام ابو ذر غفاری۔  
 ۱۸۔ جویں بن مالک تیمی ۱۹۔ جنادة بن حارث انصاری ۲۰۔ جنادة بن کعب انصاری۔  
 ۲۱۔ جنذب بن حجر کندی ۲۲۔ حارث بن امری القیس کندی ۲۳۔ حارث بن نہان ۲۴۔  
 حباب بن حارث ۲۵۔ حباب بن عمر شعی ۲۶۔ حبشی ابرقاسم نہمی ۲۷۔ حبیب بن مظاہر ہمدانی  
 ۲۸۔ حجاج بن بدر سعدی ۲۹۔ حجاج بن مسروق مؤذن امام ۳۰۔ حرث بن نہان ۳۱۔ حُر بن  
 یزید (یہ وہی ہیں جو روز عاشورا امام سے معافی کے خواستگار ہوئے اور آپ کی نصرت میں شہید  
 ہوئے)۔ ۳۲۔ حلاس بن عمرو راسبی ۳۳۔ خنظلہ بن سعد شبامی ۳۴۔ خالد بن عمرو بن خالد۔  
 ۳۵۔ زہاد بن عمرو غلام عمرو بن حنن خزاعی ۳۶۔ زہیر بن نضر شعی ۳۷۔ زہیر بن سلیم ازوی۔  
 زہیر بن قین بکلی ۳۸۔ زیاد بن عریب صامدی ۳۹۔ سالم غلام عامر عبدی۔ ۴۰۔ سالم بن عمرو۔  
 ۴۱۔ سعد بن حرث ۴۲۔ سعد حضرت علی کے آزاد کردہ ۴۳۔ سعد عمر بن خالد صیداوی کے  
 آزاد کردہ ۴۴۔ سعید بن عبد اللہ حنفی ۴۵۔ سعید بن خنظلہ تیمی ۴۶۔ سلمان بن مضارب بکلی۔  
 ۴۷۔ سلیمان بن حسین علیہ السلام کے آزاد کردہ ۴۸۔ سوار بن منعم نہمی ۴۹۔ سوید بن عمرو بن مطاع  
 (طبری کے مطابق وہ ناصران امام ہیں سے آخری شہید تھے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جلد ۴ حصہ اول تالیف محسن جبل عالی، نفس المہوم اور غمگینی الآمال محدث قمی سے  
 جمع کر کے لکھے گئے ہیں۔

۱۵ اعیان الشیعہ میں عمرو بن کعب درج ہے۔ ۱۶ اعیان الشیعہ میں بشر بن عبد اللہ لکھا گیا ہے۔  
 ۱۷ صرف تاریخ طبری میں مذکور ہے۔

۱۸ اعیان الشیعہ میں جنادة بن حارث سلمانی درج ہے۔

۱۹ اعیان الشیعہ کے مطابق جنذب بن حجر خولانی ہے۔

۲۰ مفید اور طبری نے ان کے والد کا نام مظاہر لکھا ہے۔

۲۱ خنظلہ کے والد کا نام شیخ مفید نے سعد طبری نے سعید اور دوسروں نے عمرو لکھا ہے

۲۲ اعیان الشیعہ میں سعد بن حارث درج ہوا ہے۔



- ۵۱۔ سیف بن حارث بن سریع ۵۲۔ سیف بن مالک عبدی نیری ۵۳۔ شوذب  
 (بنی شاکر کے آزاد کردہ) ۵۴۔ ضرعامتہ بن مالک ۵۵۔ عاتذہ بن مجمع عاندی ۵۶۔  
 غالب بن شیب شاکری ۵۷۔ عامر بن حیان بن شریح ۵۸۔ عامر بن مسلم عبدی ۵۹۔  
 عباد بن مہاجر جہنی ۶۰۔ عبدالاعلیٰ بن زید کلبی ۶۱۔ عبدالرحمن بن عروہ غفاری ۶۲۔ عبدالرحمن  
 بن عبداللہ زینی ۶۳۔ عبدالرحمن بن مسعود تیمی ۶۴۔ عبداللہ بن ارجی ۶۵۔ عبداللہ بن ابی  
 بکر ۶۶۔ عبداللہ بن بشر نخعی ۶۷۔ عبداللہ بن عروہ غفاری ۶۸۔ عبداللہ بن عمیر کلبی -  
 ۶۹۔ عبداللہ بن زید عبدی بن زید بصری ۷۰۔ عبید اللہ بن زید عبدی بن زید بصری  
 ۷۱۔ عقبہ بن سمان ۷۲۔ عقبہ بن صلت جہنی ۷۳۔ عمارة بن صلحہ ازدی ۷۴۔ عمار بن  
 حسان طائی۔ ۷۵۔ عمار بن سلامت والانی ۷۶۔ عمران بن کعب بن حارث حارثہ ۷۷۔  
 عمرو بن عبداللہ جندی ۷۸۔ عمرو بن خالد ازدی ۷۹۔ عمرو بن خالد صیداوی ۸۰۔ عمرو بن  
 قزحہ انصاری ۸۱۔ عمرو بن مشیعہ (ضبیعہ) ۸۲۔ عمرو بن خارہ انصاری ۸۳۔ عمرو بن  
 مطاع جفی ۸۴۔ عمیر بن عبداللہ مذحجی ۸۵۔ قارب بن عبداللہ دہلی ۸۶۔ قاسطنہ میر  
 تغلبی ۸۷۔ قاسم بن حبیب ازدی ۸۸۔ قرۃ بن ابی قرۃ انصاری ۸۹۔ قنہ ۹۰۔  
 عمرو کردوس ۹۱۔ تغلبی کنانہ بن عقیق تغلبی (عتیق) ۹۲۔ مالک بن انس کابلی ۹۳۔  
 مالک بن دودان (دودان) ۹۴۔ مالک بن عبداللہ بن سریع ۹۵۔ مجمع جہنی ۹۶۔ مجمع  
 بن عبداللہ عاندی (عاندی) ۹۷۔ محمد بن بشر حضرمی ۹۸۔ مسعود بن حجاج تیمی ۹۹۔ مسلم  
 بن عوسجہ ۱۰۰۔ مسلم بن کثیر ازدی

۱۔ اعیان الشیعہ میں اس کی بجائے عبدالرحمن بن عبد ربہ انصاری کا نام لکھا ہے۔

۲۔ اعیان الشیعہ میں عبدالرحمن ارجی ہے

۳۔ اعیان الشیعہ میں کتاب النبیون تالیف حافظ کے حوالے سے اسے شہدائے کربلا  
 میں سے شمار کیا گیا ہے۔



- ۱۰۱- مسقط بن زہیر قلبی ۱۰۲- منج بن سہم ۱۰۳- موقع بن شامہ اسدی ۱۰۴- نافع بن ہلال بجلی ۱۰۵- نصر بن ابی نیرد ۱۰۶- نعمان بن عمرو راسبی ۱۰۷- نعیم بن عجلان انصاری ۱۰۸- واضح رومی حارث سلمانی کے آنا ذکر کردہ ۱۰۹- وہب بن عبد اللہ کلبی ۱۱۰- یحییٰ بن سلیم مازنی ۱۱۱- یزید بن ثبیط عبدی ۱۱۲- یزید بن زیاد ابوالشعار ۱۱۳- یزید بن مفضل جعفی۔

اس تعداد میں شہدائے بنی ہاشم کی تعداد یعنی سترہ نفوس مبعہ امام عالی مقام بھی شمار کر لیے جائیں تو کل تعداد ۱۳۰ ہو جاتی ہے۔

کتب رجال و احوال مردم سے رجوع کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام مردان با بصیرت اور با ایمان تھے۔ یہ لوگ رسول پاک اور علی المرتضیٰ کے صحابی یا صحابیوں کی اولاد سے تھے۔ زیارت ناحیہ میں جو سید بن طاؤس نے کتاب اقبال کے چودھویں باب میں نقل کی ہے۔ امام علیہ السلام نے قریباً اسی افراد پر سلام بھیجا ہے۔

سید بن طاؤس کی تصریح کے مطابق یہ زیارت ۱۵۲ ہجری سے متعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی بیان کردہ زیارات میں سے ہے اور امام زمان مہدی آخر الزماں عجل اللہ فرجہ ابھی متولد نہ ہوئے تھے۔ اس زیارت میں شہدائے بنی ہاشم کی تعداد ۱۷ ہے۔ اور ریان بن شبیب کی روایت میں امام رضا علیہ السلام سے ۱۸ افراد مروی ہیں۔

نفس المہوم میں محدث قمی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ناصران امام حسین علیہ السلام ۲۵ سوار اور ۱۰۰ پیادہ نفوس پر مشتمل تھے۔



## نقش اسیران اہل بیت علیہم السلام

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا انقلاب کر بلا کو امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب با اہل بیت نے وجود بخشا تھا۔ اس کو اسیران اہل بیت علیہم السلام نے بار آور فرمایا۔ بلا خوف تر وید یہ کہا جاسکتا ہے اگر یہ قید نہ ہوتے اور انتہائی صبر و سکون اور بزرگی و عظمت کے ساتھ ساتھ انہیں کو کوفہ و شام میں لوگوں کے سامنے بیان نہ کرتے تو شہادت امام حسین علیہ السلام کا عظیم واقعہ اس قدر شہرت نہ پاتا اور آئندہ انقلابات کی بنیاد نہ بنتا۔ امام علیہ السلام نے اپنے بھائی محمد حنفیہ سے اپنے بچوں اور عورتوں کے متعلق فرمایا تھا: ان الله قد شاء ان يواهن سبا ياء — خداوند عالم چاہتا ہے کہ میرے اہل بیت قید ہوں۔ آپ کے امر فرمان کی حقیقت اس وقت معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان اسیران اہل بیت ہی نے انقلاب کر بلا کو مکمل کر کے بار آور فرمایا۔

امام حسین علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے دین مقدس کی سر بلندی کے لیے شہادت پائی تھی لیکن اس کے بعد خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں اور عورتوں خاص طور پر جناب امام سجاد علیہ السلام اور زینب والا گھر سلام اللہ علیہا پر اس سے متعلق عظیم ذمہ داری عائد کر دی۔

محققین میں سے ایک اس سوال کے جواب میں کہ دنیا میں کسی اور انقلاب یا تحریک کو حسنینت کے عظیم انقلاب کی سی شہرت اور عظمت کیوں نصیب نہیں ہوتی؟ کہتا ہے اس سے قطع نظر کہ اس انقلاب کے رہبر و رہنما ہی اس کی دوسری تحریکوں سے افضلیت کا باعث ہیں۔ حسینی مشن کی فضیلت و برتری کے دیگر اسباب و عوامل میں سے ایک اہم سبب وہ فصل ہے جو امام علیہ السلام اور اصحاب با وفا کی شہادت کے بعد وجود میں آئی اور باب شہادت کا ضمیر بن گئی۔ یہ فصل خود دشمن نے اصرار اور جبر سے تحریک



نادانستہ طور پر اپنی ذلت و رسوائی کے اسباب بہم پہنچائے۔ نتیجتاً ایک طرف سے اسیران بیت کی اسیری اور دوسری طرف سے شہدائے کربلا کی شہادت نے ہی اس معرکہ حق و باطل کی حقیقت و اہمیت سے دنیا کو متعارف کروایا۔ شہادت شہیدان کربلا کے بعد دشمن حتی الوسع بربریت کا مظاہرہ کیا۔ اجسام مظاہرہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ان کے لباسوں کو نکال لیا۔ خیام حسینی کو نذر آتش کر دیا اور ان کے لاشہائے مبارک کو گھوڑوں کی ٹاپوں تلے لٹا کر دیا۔

یہ اعمال زشت جس کے تمام تر نتائج دشمن کے مفادات کے خلاف تھے۔ کربلا سے بع ہو کر شام تک جاری رہے۔ یزید نے وحشت و بربریت پر مبنی ان غیر انسانی افعال میں تہ خود بھی شکت کی اور شام میں اپنا حصہ ادا کیا۔ دوسری طرف اسیران کربلا نے کمال مت و بزرگی اور صبر و سکون کا ایسا مظاہرہ کیا کہ گویا ان پر کوئی مصیبت آئی ہی نہیں۔ ان کے اعزاء و اقربا تبیع ستم کا لقمہ نہیں بنے۔ وہ جہاں بھی لے جاتے اپنی دکامرانی اور دشمن کی ذلت و رسوائی کا تذکرہ کرتے تھے۔ طاقت کے نشے میں چور بغرور دشمنوں کا تعارف تاریخ کے بدنام ترین و بدبخت ترین انسانوں کی حیثیت سے داتے تھے۔

ابن زیاد اور بنی امیہ کے سرکردہ امرا کی سب سے بڑی سیاسی غلطی شہادت حسین علیہ السلام کے بعد عترت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کربلا سے کوفہ پھروا ہاں سے دوسرے شہروں میں تشہیر کرتے ہوئے دمشق و دربار یزید میں لیجانا۔ اس نے بنی امیہ کی حکومت کے پیکر فاسدہ پر ایک جھلک ضرب لگائی۔ اس سیاسی شے نے آل ابی سفیان کے خلاف علم بغاوت جو کربلا میں بلند ہو چکا تھا، سرنگوں نہ ہونے۔ مذکورہ محقق بیان کرتے ہیں:

فلیس از بررسی تاریخ عاشورا ص ۸۷، خطاب مرحوم دکتر آینی۔



”اگر ابن سعد اور ابن زیاد چاہے اپنی بہتری کی خاطر ہی سہی سانحہ کربلا کے بعد خاندان رسالت سے ادب و احترام سے پیش آتے اور جو مصیبت عظیم ان پر انھوں نے خود نازل کی تھی اس میں ان کی دلجوئی کرتے۔ ان کے شہدائے کی تدفین میں مانع نہ ہوتے بلکہ ان کو اپنے کشتگان سے قبل ہی دفن کرتے اور اہل بیت علیہم السلام کو عزت و احترام اور تکریم و تجلیل سے مدینے بھجوا دیتے اور دشمن سے یہ اعمال سیاہ سرزد نہ ہوتے اور دوسری طرف اہل بیت کو بنیادِ ظلم متزلزل کر دینے والی تبلیغات کا موقع نہ ملتا تو لازمی طور پر شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور کربلا کے خونیں واقعے کو دنیا میں اتنی مقبولیت و شہرت نہ ملتی اور امام علیہ السلام کے دشمن اس حد تک دنیا میں بے آبرو اور رسوا نہ ہوتے۔ یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ دشمن نے اپنے ہاتھوں سے کربلا میں ہونے والے ظلم عظیم کی پوجہ درمی کرنے والے مبلغین کو قیدی بنا کر مختلف شہروں میں گھمایا اور اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کر دیا۔“

یقیناً خدا تعالیٰ کبھی اس کی اجازت نہ دیتا کہ بنی امیہ سید الشہداء فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خونِ ناحق سے بھی ہاتھ رنگیں اور تاریخ میں عزت و آبرو سے ان کا تذکرہ ہو۔

خاندان رسالت کے یہ اسیر اپنے مقصد سے پوری طرح آشنا تھے۔ وہ ان تمام مصائب و آلام میں حماسِ بااختہ نہ تھے، اور ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ وہ جس گروہ کے روبرو ہوتے، اپنے مقصد سے متعلق گفتگو کرتے۔ انھیں اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے آخری الرداع کے موقع پر ایمان و ایقان سے بھرپور دل کے ساتھ اہل حرم کو یوں خطاب فرمایا:

لے تلخیص از بررسی تاریخ عاشورا ص ۸۷ خطاب مرحوم و کتر آیتی



”مصائب و مشکلات برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ، لیکن جان لو کہ خدائے مہربان ہمیشہ تمہارا نگہبان رہے گا اور تمہاری حمایت کرتا رہے گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ آخر کار ان دشمنوں کے شر سے تمہیں نجات دے گا۔ اور تمام کام بخیر و خوبی انجام پائیں گے۔ تمہارے دشمن مصائب و مشکلات میں مبتلا کیے جائیں گے۔ ان مصیبتوں کے عوض جو تم پر نازل ہوں گی عزت و تکریم اور نعمات گونا گوں سے نوازے جاؤ گے۔ شکوہ و شکایت نہ کرو اور وہ بات زبان پر لاؤ جو خدا تعالیٰ کے نزدیک تمہارے مراتب کو کم کر دے۔“

امام عالی مقام کے اس پُر از حقایق خطبے نے خواتین حرم اور خواہران و دختران کو حوصلہ نصت اور تحمل و بردباری بخش دی۔ انہوں نے اپنے فرض سے مکمل آگاہی پالی۔ چنانچہ اپنے نفس کو انہوں نے کمال صبر اور بے پناہ حوصلے کے ساتھ پورا کیا۔

## اعدائے خود کو کچھ کیا جو نہ چاہتے تھے

دشمنانِ امام علیہ السلام بخوبی جانتے تھے کہ تمام تر قدرت و حکومت کے باوجود بھی سلام کی عظیم ہستی حسین ابن علی علیہم السلام کو قتل کر آسان کام نہیں۔ یہ ظلم عظیم اور بیدروانہ بے رحمانہ گشت و خون ان کے لیے مصیبت بن جائے گا اور مسلمان اس خونیں سانحے کے بعد موشی اختیار نہ کریں گے۔ لہذا ابتدا میں ان کی کوشش یہی رہی کہ امام علیہ السلام کو زندہ گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جائیں اور اس واقعہ کو معمولی بنا دیں اور لوگوں کے لیے ن کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ جب وہ اس مقصد میں کامیاب اور آپ کے خونِ ناحق سے نھر رنگ لیے تو کوشش کرنے لگے کہ وہ اس ظلم پر پردہ ڈال دیں اور مسلمانوں کو اس سے



بے خبر ہی رکھیں تاکہ لوگوں کے متوقع ردِ عمل اور بغاوت سے بچے رہیں۔ وہ اس سعی میں تھے کہ حسین ابن علی علیہما السلام کا نام بھی نہ لیں۔ ان کے فضائل کا کوئی تذکرہ نہ ہو اور ان کو مختصراً معمولی لفظوں میں یاد کیا جائے۔

اسی وجہ سے شہدا کے اجسام پاکیزہ کو ان لوگوں نے دفن نہ کیا۔ نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ وہ لوگوں کو بتانا چاہتے تھے کہ (معاذ اللہ) یہ مقتولین تدفین کے قابل بھی نہیں ہیں۔ ان کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین کا انتظام فرائض دینی میں سے نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اسیران اہل بیت علیہم السلام کو انتہائی دردناک اور سبقت و خراب حال میں وارد کوفہ کیا تاکہ لوگ ان کو کسی عظیم خاندان کے افراد نہ سمجھیں۔

۱۷۰۲ (سنان بن انس) امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد عمر بن سعد کے پاس گیا اور چند شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا:

میرے رکاب تک سونے بچاندی کے ڈھیر لگا دو۔ میں نے اس عظیم ہستی کو قتل کیا ہے جو ماں اور باپ دونوں طرف سے اعلیٰ نسب میں بہترین تھا۔  
ابن سعد نے کہا: تم پاگل ہو، ہاں یقیناً تم اس قدر دیوانے ہو کہ گویا تم ہمیشہ ہی حساب خرد نہ تھے۔ اس کے بعد کہا: اُسے میرے سامنے لاؤ۔ جب وہ آیا تو اپنی چھڑی سے اسے زور سے ضرب لگائی۔ اور کہا: اے احمق! تو اس قسم کی بات کرتا ہے! حسین علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتا ہے۔ بخدا اگر تو نے ایسی بات ابن زیاد کے سامنے کی تو تیری گردن مار دی جائے گی۔

ابن طلحہ مطالب السؤل میں لکھتے ہیں کہ بشر بن مالک امام علیہ السلام کے سر مبارک کو ابن زیاد کے پاس لے گیا اور وہی شعر پڑھے جو سنان نے ابن سعد کے سامنے پڑھے تھے۔ ابن زیاد اس سے سخت برہم ہوا اور کہا: جب تمہیں معلوم تھا کہ حسین (علیہ السلام) ان فضائل کا حامل ہے تو تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ خدا کی قسم، تم مجھ سے کوئی معاوضہ اور انعام



نہ پاؤ گے اور تمہیں بھی ان کے ساتھ ملائے دیتا ہوں۔ پس تلوار سنبھالی اور اس کا سر قلم کر دیا۔  
 اس سے دشمنانِ امام علیہ السلام کے اس جذبہ کی نشان دہی ہوتی ہے کہ وہ حتی الامکان  
 اس سعی میں تھے کہ امام حسین علیہ السلام کا نام نہ لیا جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ قاتلینِ امام علیہ السلام  
 آپ کو بہترین خلق نہ کہیں۔ وہ اپنے مقتول کو ایک معمولی انسان ظاہر کریں۔ اور کہیں کہ ہم نے  
 ایک چھوٹی سی بغاوت کو کچل دیا ہے جو امن عامہ کو تباہ کرنے والی تھی۔ باغیوں کا قتل کرنا جائز  
 بلکہ واجب ہوتا ہے۔

ان تمام تدابیر اور احتیاطوں کے باوجود بھی انہوں نے اپنے ہاتھوں ہی سے وہ اسباب  
 ہم پہنچائے کہ اسیرانِ کربلا اپنے تمام فضائل، واقعاتِ کربلا، تمام مظالم اور ذلت و رسوائیوں کو  
 لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ کوحوں، بازاروں، میدانوں اور گھروں کے دروازوں پر جہاں کسی  
 سننے والے کو دیکھا اس سے اپنے آپ کو متعارف کر دیا اور بنی امیہ کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ حتیٰ کہ  
 مجلس ابن زیاد، یزید کا محل اور دمشق کی جامع مسجد بھی بعض اوقات ان مبلغوں کے لیے منبر بنا رہا۔  
 آخر یزید اپنے کیے پر پشیمان ہوا اور اُسے احساس ہو گیا کہ اہلبیت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو  
 کوفہ اور شام لانا ایک غلطی تھی اور بہتر یہی تھا کہ ان کے ذریعے سے ایک اور سردرد می مول نہ  
 لی جاتی اور انھیں شہروں اور بازاروں میں ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا موقع  
 نہ دیا جاتا۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ لوگوں کے دلوں سے ان مظلوموں کی  
 باتوں کو محو کر دیا جائے اور ان کے ذہنوں سے ان دلخراش مناظر یاد مٹا دی جائے کہ وہ اہل  
 بیت علیہم السلام کو آیتِ تطہیر کے حامل سمجھنے کی بجائے خارجی، مفسد اور فتنہ پرور قرار دیکر  
 واجب القتل محسوب کریں۔

عزرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اسیری کے دوران عاشورا کی تاریخ کو  
 حرف بہ حرف لوگوں کے دل و دماغ پر ثبت کر دیا، اب خلافت میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ



اپنی سبھی کاریوں اور دولت و رسوائی کو مسلمانوں کی یادوں سے نکالنے یا کم از کم تاراجی خیا  
اور اطفال شیرخوار کے قتل کو جو ان کی بربریت کی مستند مثال تھی۔ صفحات تاریخ سے محو کر دیے

جب مورخین نے تاریخ نویسی کے لیے قلم سنبھالا اور واقعات کو اور ان تاریخ  
درج کرنے کی کوشش کی تو جو کچھ لوگوں کی مدد سے معلوم ہو سکا۔ اس کو بہ تفصیل آئندہ نس

کے بوڑھوں اور جوانوں کے لیے تحریر کر دیا۔ مثلاً انھوں نے اس طرح لکھا ہے کہ امام حسین علیہ  
کا پیرا بہن مبارک اسحق بن حیوہ حضرمی نے آپ کے جسم پاک سے اتارا تھا۔

۲۰۲ زیرجامہ ابجر بن کعب نے لیا تھا۔ اخنس بن مرثد نے آپ کا عمامہ مبارک قبضہ میں  
آپ کی شمشیر بنی دارم کے کسی فرد نے حاصل کر لی۔ آپ کا اونٹ کے بالوں سے بنا ہوا

قیس بن اشعث نے لیا۔ بعد میں یہ عمل اس کا لقب ہو گیا اور اس کو قیس قطیفہ کہنے لگے۔  
آپ کی نعلین پاک اسود بن خالد اور انگشتر ہی بجدل بن سلیم کلبی نے لوٹ لی تھی۔

امام عالی مقام کے جسد مبارک میں تینتیس زخم نیزے کے اور چونتیس گھاؤ تلوار کے شہ  
کیے گئے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ابن سعد کے حکم سے دس افراد آپ کے جسم مبارک

بے ادبی کرتے رہے ان کے نام حسب ذیل ہیں: اسحق بن حیوہ، اخنس بن مرثد، حکیم بن طفیل، عمرو بن صبیح، رجا بن منقذ، سالم  
نخیمہ، واحظ بن ناعم، صالح بن وہب، ہانی بن شبت، اسید بن مالک کفرم اللہ۔ ان

بارے میں تحقیق کے بعد یہ لکھا گیا ہے کہ یہ سب ناجائز اولاد تھے۔

۱۵ طبری و لہوت میں بجر بن کعب اور ارشاد میں بجر کعب لکھا ہے۔

۱۶ ارشاد مفید ص ۲۲۹

۱۷ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۹

۱۸ لہوت ص ۴۴-۴۹

۱۹ لہوت ص ۸۱-۸۰ طبری ج ۴ ص ۳۴۶ پر اور مفید ارشاد میں ص ۲۲۷ پر دس نفوس

تذکرہ کر کے صرت پہلے دو کا نام لکھتے ہیں۔ اخنس بن مرثد کو طبری میں اجیش لکھا گیا ہے۔



اہل تاریخ نے یہ بھی متعین کیا کہ امام علیہ السلام کے طفل شیرخوار کو تیر کس نے مارا ؟  
 کن لوگوں نے پانی بند کر دیا، اس کا حکم دینے والے کون تھے ؟ اسیران اہل بیت علیہم السلام  
 کو کون لوگ شام تک لے گئے وغیرہ..... یہ اس کا نمونہ ہیں کہ تاریخ نے اس واقعہ کو خیریت  
 کے ساتھ اپنے دامن میں محفوظ کر کے دشمن پران میں رد و بدل کے راستے مسدود کر دیے  
 ہیں۔

ایسے مظالم اور سیہ کاریوں نے بنی امیہ اور اسلام کو متفرق کر کے ایک دوسرے سے  
 بہت دور کر دیا تاکہ آئندہ کوئی اس بوڑھے آدمی کی طرح غلط فہمی کا شکار نہ ہو جس نے  
 نام میں جناب سجاد علیہ السلام سے کہا تھا: میں اس خدا کی حمد و ثنا بجالاتا ہوں جس نے شاخ  
 تنہ انگیزی اور ہنگامہ خیزی کو قطع کر دیا اور امیر المؤمنین یزید کو کامیاب و باہر اکیا۔  
 حالاتِ کوفہ کا دیگر گوں ہونا: اسیران اہل بیت علیہم السلام کو سب سے پہلے وارد  
 کوفہ ہونے کا موقع ملا۔ اہل کوفہ قیدی بچوں کی تباہ حالی اور حرمان نصیبی کو دیکھ کر انھیں  
 صدقہ کی روٹیاں اور کچھو رہیں دینے لگے جناب ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے یہ  
 دیکھ کر باواز بلند فرمایا: یا اهل الكوفة ان الصدقة علينا حرام — اے  
 اہل کوفہ صدقہ ہم آل محمد پر حرام ہے۔ خاندان رسالت کے بچوں کو صدقہ نہ دو اور اس کے  
 مدد آپ نے بچوں کے ہاتھ سے بلکہ ان کے دہنوں سے نکال کر نان و خیرما زمین پر پھینک دیا۔  
 عالی حوصلگی کے اس کام نے تماشا دیکھنے والوں کی نہج فکر کو بدل کر رکھ دیا اور اسیران  
 اہل عظمت و عظمت کو واضح کر دیا۔ غالباً اس واقعہ کے بعد ہی ”سید طاؤس“ کے بقول ایک  
 صحیفہ نے سقفِ خانہ سے آواز دی اور کہا: تم کس خاندان کے اسیر ہو؟ اپنی معرفت کرواؤ۔  
 اہل بیت علیہم السلام ایسے ہی سوال کے منتظر تھے۔ جواب میں کہا ہا ہم قیدی آل محمد ہیں۔ خداوند  
 عالم جانتا ہے کہ اس مختصر سے جملے کو سن کر اہل کوفہ کے دل ان کے سینوں میں اپنی جگہ سے



ہل گئے اور بقول سید مذکور انھوں نے باواز بلند گریہ شروع کر دیا۔

امام زین العابدین علیہ السلام، جناب زینب کبریٰ، ام کلثوم اور فاطمہ صغریٰ کو گفتگو کرنے کا یہ بہترین موقع ہاتھ آیا تو انھوں نے داستانِ ظلم اس طرح سنائی کہ تماشے کے لیے آنے والے یہ لوگ باواز بلند رونے چلانے لگے۔ امام چہارم نے ان گریہ کنوں عورتوں، مردوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور ان کی خاموشی کے بعد آپ نے خدا تعالیٰ کی حمد اور رسول پاک پر درود و سلام بھیج کر فرمایا:

”میں علی الحسین بن علی بن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی

بے حرمتی کی گئی ہے جس کے جسم مبارک کو ان کا لباس و اثاثہ لوٹ کر عریاں کر دیا

گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں کہ جس کا سر لبِ فرات پر قلم کر دیا گیا۔ بغیر اس کے کہ

انھوں نے کسی کا خون بہایا ہو یا کسی کا حق غصب کیا ہو۔ میں ان کا نورِ نظر ہوں۔

جنھیں ظلم و ستم سے قتل کر دیا گیا۔ جب ان میں مقابلے کی تاب نہ رہ گئی تو انھیں

شہید کر دیا۔ ہمارے لیے یہی فخر کافی ہے کہ ہم نے دوسروں کی طرح یزید کی بیعت نہ

کی اور باطل کے خلاف خاموشی اختیار نہیں کی۔ راہِ خدا میں ایسا ثباتِ قدم دکھایا

کہ ہمارا خون بہا دیا گیا اور ہم دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔

اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ کہ تم نے ہی میرے والد

گرامی قدر کو خط لکھے اور انھیں فریب دیا۔ ان کی بیعت کی اور ان کے ساتھ عہد و

پیمان کیا اور پھر ان سے ہی جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ تم پر بربادی و تباہی ہو اس

عمل کی بنا پر جو تم نے پیش کیا ہے۔ تم نے جو تدبیر کی اس سے تم پر بدبختی نازل ہو

کل قیامت میں رسولِ خدا کے روبرو کس منہ سے جاؤ گے۔ جب وہ تم سے کہیں گے

تم نے میرے اہل بیت کو قتل کیا ہے اور میری بے حرمتی کی ہے۔ اس کے بعد اب

تم میری امت نہیں رہتے“



راوی کہتا ہے جب آپ کا کلام یہاں تک پہنچا تو ہر طرف سے آواز بلند ہوئی۔ لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ تم نے بہت برا کیا، اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور کچھ پتہ ہی نہ چلا۔

امام علیہ السلام نے اس شور گریہ اور آہ و بکا میں جو بلند سے بلند تر ہو رہا تھا۔ فرمایا: خدا تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرمائے جو میری نصیحت کو قبول کر لے اور خدا اور رسولؐ و اہل بیت کے بارے میں میری وصیت پر عمل پیرا ہو۔ کیونکہ ہم پر رسولؐ خدا کی پیروی ضروری ہے۔ لوگوں نے آواز بلند کہا: اے فرزند رسولؐ! ہم آپ کی باتوں کو سن رہے ہیں اور آپ کی اطاعت پر راضی ہیں۔ ہم آپ سے کیے گئے وعدوں پر کسی دوسری طرف متوجہ ہونے بغیر قائم رہیں گے۔ آپ پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو آپ جو فرمائیں گے ہم مانیں گے۔ جس سے جنگ کا حکم دیں گے جنگ کریں گے۔ جس سے صلح و آشتی کا فرمان دیں، وہی کریں گے۔ ہم ضرور نیرید (لعنہ اللہ) کو گرفتار کریں گے اور جس نے بھی آپ پر ظلم کیا ہے اس سے ہم بیزار ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”دانسوس صدانسوس، اے پیمان شکن اور بہانہ ساز لوگو تم کو اپنے

مقاصد حاصل نہ ہوں اور تمہاری خواہشات پوری نہ ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھ سے وہی سلوک کرو جو میرے بزرگوں کے ساتھ کیا ہے۔ خدا کی قسم، ہرگز نہیں، میرا زخم دل ابھی تازہ ہے، ابھی کل ہی تو میرے والد بزرگوار صلوٰۃ اللہ علیہ اور ان کے اہل بیت کو قتل کر دیا گیا ہے۔

ہنوز رسول خدا، والد بزرگوار اور ان کے یاور و انصار اصحاب کا داغ

میرے دل سے دور نہیں ہوا اور اس غم سے میرا دم میرے سینے میں رکتا ہے اس کی تلخیوں نے میری زندگی کو تلخ کر دیا ہے ان کے غم سے میرا سینہ معمور ہے اور اس کی گنجائش بھی میرے دل میں نہیں ہے، میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ نہ ہمارا



ساتھ دو نہ ہماری مخالفت کرو۔ نہ ہماری حمایت کرو اور نہ ہی ہمیں قتل کرو۔  
اس کے بعد آپ نے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم حسب ذیل ہے:

”میرے والد بزرگوار حسین کی شہادت تعجب انگیز نہیں کہ ان کے والد علی ابن ابی طالب کو جو ان سے بہتر تھے، کیا شہید نہ کیا گیا تھا؟ اسے اہل کوفہ، شہادت حسین بن علی (علیہما السلام) سے خوش نہ ہو کہ یہ گناہ عظیم تھا جس کا ارتکاب تم نے کیا ہے۔ میری جان ان پر فدا ہو جو لب فرات پر مارے گئے۔ ان کے قاتلوں کو سزا نارہنہم ہے۔ پھر فرمایا:  
ہم تم سے اس وقت بالکل راضی ہوں گے کہ نہ ہمارا ساتھ دو اور نہ ہماری مخالفت کرو، نہ ہماری مدد کرو اور نہ ہی ہم سے جنگ پر آمادہ ہو جاؤ۔“

آخری جملے میں وہی بات پھر فرمائی جو اشعار پڑھنے سے قبل فرمائی تھی۔ آپ کی یہ خواہش نہ تھی کہ اہل کوفہ اسی وقت ان کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور ظالموں سے بدلہ لیں۔ اور آل ابی سفیان کی حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ کیونکہ ان دنوں یہ ممکن نہ تھا۔ بلکہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ سانحہ کربلا آب تاب حاصل کر کے تاریخ کا درخشاں باب بن جائے۔ اور لوگ اس مقدس مشن کی حقیقت اور امام حسین علیہ السلام کی عظیم قربانی کو سمجھیں اور جان لیں کہ ان کا مقصد دین اور حق و انصاف کے احیا کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ بصورت دیگر وہ دوسروں کی طرح خاموشی اختیار کر لیتے۔ یزید کے ساتھ ان کی جنگ فوراً ہی ظلمت باطل سے پیکار تھی اور یہ ظلم و عدل کے درمیان کشمکش تھی۔ لوگ آگاہ ہو جائیں کہ عوام کی فلاح و رہبری کا دعوے کرنے والے بنی امیہ ظالم اور دنیا پرست ہیں۔ انھوں نے ظلم و ستم کے ریشوں سے بنے ہوئے کوئی نہیں پناہ لے رکھی ہے اور اس پر مزید تاریخیں روز بنتے رہتے ہیں اور اس کے جال میں لوگوں کو جکڑ کر ان کے دین و دنیا کو برباد کر رہے ہیں۔

آپ کے کلام بلاغت نظام نے لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر کیا۔ ان کے بشاش چہرے جو تاشا دیکھنے کے تصور میں خوشی سے معمور تھے، مر جھا گئے اور اپنے کیے پر نادم ہو کر ایک دوسرے پر لعنت ملامت کرنے لگے۔ انھوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور امام چارم کے ساتھ مدد کا  
ما نفس الہوم ص ۲۱۳



دعدہ کرنے لگے۔ یہ سب اس کی دلیل ہے کہ ان میں فکری انقلاب آگیا تھا اور ان کی نظر میں عدل و انصاف کے پیکر حسین علیہ السلام تھے۔

## جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کا کوفہ میں خطبہ

کوفہ میں اہل کوفہ کے سامنے خطبہ ارشاد کرنے والوں میں سے اس دن جناب زینب علیا امام حسین علیہ السلام کی جان نثار بہن بھی تھیں۔ انھوں نے اپنی رواں و موثر گفتگو میں کربلا کے خونیں واقعہ امام عالی مقام سید الشہداء علیہ السلام کی عظمت و سر بلندی اور ان کے اعلیٰ مقاصد اور ان کے قاتلین کے ظلم و ستم کو بہترین انداز میں بیان فرمایا۔ بشیر بن خزیم کے بقول زینب (سلام اللہ علیہا) سے زیادہ با کمال مقرر اور عالم کسی اور عورت کو نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم اس انداز میں خطاب فرماتی ہیں جیسے ان کے آتشیں الفاظ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی زبان مقدس سے ادا ہو رہے ہو۔ لوگوں کے سانس سینوں میں رک گئے۔ اونٹوں کی گردنوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں تک خاموش ہو گئیں۔ پھر اس کرمہ و مخدرہ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول خدا اور اہل بیت پر درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا:

”اما بعد اے اہل کوفہ، اے مکارا و فریب کارو! اب تم ہمارے لیے آنسو بہا رہے ہو۔ تمہاری آنکھیں ہمیشہ اشکبار رہیں اور تمہارے لب نالہ و فریاد سے رہائی نہ پائیں۔ تمہاری داستان اس عورت کی داستان ہے جو سوت کو مضبوط کات کر پھر اپنے ہاتھوں سے توڑ دے۔ تم اپنے وعدوں سے دوسروں کو دھوکہ دیتے ہو۔ کیا خود پسندی، عیب جوئی، کینہ پروری، کینیزوں جیسی چاپلوسی اور دشمنوں کی طسرح طعنہ زنی کے علاوہ بھی کچھ تم جانتے ہو؟

تم اس گھاس کی مانند ہو جو کڑا کرکٹ کے ڈھیر زراگ آتی ہے۔ تم وہ چونا ہو جو



قبروں کو سفید اور نرین کرنے کے کام آتا ہے۔ تم نے آخرت کے لیے بدترین زاد سفر تیار کیا ہے۔ خداوند عالم تم سے ناراض ہو کر تمہیں داخل جہنم فرمائے گا اور تم اس میں ہی رہو گے۔ کیا تم ہم پر رورہے ہو اور ہمارے لیے آنسو بہا رہے ہو۔ ہاں، ہاں بخدا خوب روؤ اور بہت کم ہنسو، کیونکہ اپنے دامن پر تم نے ذلت و رسوائی کا داغ لگا لیا ہے جو کسی صورت بھی دھل نہ سکے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم اس خوارمی و مذلت سے اپنا دامن پاک کر سکو جو تم نے خاتم النبیین کے فرزند، معدن رسالت اور جو انان بہشت کے سردار کو قتل کر کے اپنے لیے مقدر کر لی ہے۔ یہ وہ ہستی تھے جو نیکو کاروں کی پناہ گاہ، راہنمائے دین اور آموزگار شریعت تھے۔

آگاہ ہو جاؤ، کہ تم نے آخرت کے لیے عذاب کا ذخیرہ کر لیا ہے۔ تم پر بربادی ہو۔ حوادث زمانہ کی چکی کے پاٹ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پس جاؤ۔ تم نے اپنی کوشش و سعی میں ناکامی و ناکامی پاتی ہے۔ تم نے اپنے لیے ہلاکت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ اس سو دے میں تمہیں نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔ غضب الہی کا تم پر نزول لازم ہے اور ذلت و رسوائی یقینی ہے۔

تم پر ٹف ہے، کیا تم جانتے ہو کہ تم نے جگر گوشہ رسولؐ کے قتل سے رسولؐ کو کتنی اذیت دی ہے؟ کس کی ذریت کو تم نے قیدی بنا لیا ہے؟ کس کا خون مقدس تم نے ریگزار کر بلا میں بہا دیا ہے۔ کس کی عزت و ناموس کی بے حرمتی کی ہے؟ تم نے ایسے عجیب واقعہ اور ایسے عظیم ایسے کو جنم دیا ہے جو اپنی عظمت و بزرگی میں کوہن میں بے مثال و بے نظیر ہے۔ کیا تم متعجب ہو گے اگر اس سانحے اور ظلم عظیم پر آسمان سے خون برسے لگے۔ آخرت کا عذاب رسوا کن ہے؟ وہاں کسی کی مدد حاصل نہ ہوگی۔ تم اس عارضی غلبے سے مغرور اور خوش نہ ہو جاؤ۔ کہ خداوند عالم اعمال کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اسے انتقام کا موقع ہاتھ



سے نکل جانے کا خوف نہیں ہے۔ اس کا عذاب ظالموں کے تعاقب میں ہے۔  
 راوی کہتا ہے خدا کی قسم، میں نے لوگوں کو اس دن حیرت و استعجاب میں غرق پایا۔ وہ  
 مسرت و ندامت سے انگشت بدنداں تھے۔ میرے پاس کھڑا ہوا ایک ضعیف آدمی اس خطبے  
 کو سن کر اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ خاندان رسالت تم  
 میرے ماں باپ نثار ہوں۔ تمہارے بوڑھے سب بوڑھوں سے افضل، تمہارے جوان بہترین  
 دان۔ تمہاری خواتین سب عورتوں سے افضل، تمہاری نسل سب نسلوں سے بہتر نسل ہے  
 جو کبھی اپنی قدر و منزلت سے محروم نہیں ہو سکتی۔

اس دن کے بہترین اور شعلہ بیان مقررین میں فاطمہ صغریٰ اور جناب ام کلثوم بنت علی  
 رضی علیہا السلام بھی تھیں۔ ان دونوں نے بھی امام حسین علیہ السلام اور خاندان رسالت کی  
 عصمت و عظمت اور بنی امیہ کے مظالم اور قاتلین امام کے جو روستم کو بہترین اور مؤثر ترین انداز  
 میں بیان فرمایا۔ عترت پاک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان بیانات کا یہ اثر ہوا کہ اہل  
 رفقہ نے واقعہ کربلا کو خوش دلی اور مسرت سے قبول نہ کیا بلکہ ان کے نہج فکر میں عمومی تبدیلی نے  
 بن زیاد کو مشوش و پریشان اور لرزہ بر اندام کر دیا۔

## دربار کوفے میں مجلس ابن زیاد پر ایک نظر

اب اس کا موقع آ گیا ہے کہ دیکھا جائے کہ عترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربار  
 یوں کس ہمت و حوصلہ اور جرأت و زہاد سے کام لے کر گفتگو فرمائی اور اس سے کس سر باندگی  
 فتح و کامرانی سے باہر آئے۔ آپ اس مرد کو چشم تصور دیکھیں جو حبیب، ظالم، انسان دشمن،  
 خود پسند، ناپاک و نجس، مغرور، بظاہر فاتح و غالب ہوا اور اپنے احباب و ملازمین اور فرمان بردار



جلادوں کے جھرمٹ میں اپنے محل میں بیٹھا ہوا ہو۔ ایسے ظالم کے سامنے حق گوئی اور اس کی سیدہ کاریوں پر اعتراض شیریولی اور بشری طاقت سے برتر طاقت کا تقاضا کرتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ زینب علیا نے کس طرح اس کو شرمندہ و سرفگندہ کر دیا۔

ابن زیاد کے کارندے اسیرون کو اس کے روبرو لاتے۔ اس دن ہر شخص کو دارالامارہ میں جانے کی اجازت تھی۔ جو بھی چاہتا وہ گورنر کے محل میں جا کر اسیرون کی حالت تباہ اور ابن زیاد کا ان سے سلوک دیکھ سکتا تھا۔ یہ ظالم نشہ غرور و تمکنت میں پورا ان افعال کا ترکیب ہوا کہ جس سے اس کی انتہا درجے کی پستی و فرومانگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے سید الشہداء علیہ السلام کے سر مبارک کو تخت پر اپنے پہلو میں رکھ لیا اور مسکراتے ہوئے اپنی ناپاک چھڑی سے آپ کے دندان سے بے ادبی کرنے لگا۔

۵۱۹ زید بن ارقم صحابی وہاں موجود تھے۔ وہ اس انتہائی بے ادبی کو نہ دیکھ سکے اور کہا: اپنی

ناپاک چھڑی کو ابا عبد اللہ (علیہ السلام) کے لبوں سے اٹھا لو۔ قسم ہے اس خدا کی جو لا شریک ہے۔ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہونٹوں کو حسین (علیہ السلام) کے ہونٹوں پر اتنی مرتبہ دیکھا ہے کہ جس کا شمار نہیں۔ اس کے بعد وہ ضبط کر یہ نہ کر سکے اور ان کی بات منقطع ہو گئی۔

ابن زیاد اس پر سخت برہم ہوا اور کہا: خدا کرے تم روتے ہی رہو۔ کیا اس پر روتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں فتح و کامرانی سے نوازا ہے۔ اگر تو کم خریدیر فرقت نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ زید بن ارقم اس سے زیادہ صبر نہ کر سکے اور اس منحوس مجلس سے اٹھ کر چلے آئے۔ ابن زیاد نے اس دن زید بن ارقم کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور اسے قتل کی دھکی دی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ صفحات تاریخ اس مجلس کی زوئاد کو محفوظ کر لیں گے۔ اور بعد میں آنے والے ہی اس سلسلہ میں انصاف کریں گے۔ دنیا والے زید اور اس کو ظالم و ستم گار



کے علاوہ اور کوئی مقام نہ دیں گے۔ اور تاریخ اسلام میں انہیں حلقہ اسلامی سے خارج تصور کیا جائے گا۔ لیکن ایک جابر و ظالم حاکم کا بیاروفہن ان حقائق کا تصور کیسے کر سکتا ہے جو انسانیت اور عزت و شرافت کو اقتدار اور دولت و زر کے لیے قربان کر چکا ہو جس کی فکر ناقص اور فہم کج، لذا تذو شہوت دنیا کی کثافتوں کے دائرے سے باہر ہی نہ نکل سکے۔ وہ ان واقعات کے دور رس نتائج کا کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا بہت سادے اور پرانے لباس میں داخل ہو کر قصر امارت کے ایک گوشے میں تشریف لائیں، وہیں۔ اور کنیزوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ ابن زیاد نے پوچھا کیا بونے ہیں کنیزوں کے ساتھ جانے والی خاتون کون ہے؟ اس مخدرہ نے وہی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر سوال کیا تو کنیزوں میں سے ایک نے کہا: یہ زینب بنت فاطمہ بنت رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ ظاہر تھا کہ ابن زیاد خاموش نہ رہے گا۔ اور بیہودہ گوئی کرے گا۔ چنانچہ جناب زینب کے لیے لازم تھا کہ وہ کمال صبر و سکون اور تحمل و بردباری سے اس کا جواب دیں۔ کیونکہ جواب نہ دیا جاتا تو اس کی لاف زنی اسیروں کی شکست پر دلالت کرتی۔

بعض ظالم و ستم گار اپنی سنگدلی و شقاوت کے باوجود۔ بنی ذاتی طور پر کینہ اور پست فطرت نہیں ہوتے یعنی انسانی اصولوں کو کاٹنے پر بیروں تلے نہیں روند دیتے۔ بطور مثال اگر کسی کو قتل کریں تو اس کا لباس نہیں اتارتے یا پھر کسی پر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے یا کسی کو قتل کرتے ہوئے اگر کوئی بچہ یا عورت ان سے اس کام سے دست کش ہونے کی اپیل کرے تو وہ مان لیتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ستمگار ہونے کے ساتھ ساتھ بنیادی طور ذلیل و کینہ ہوتے ہیں اور انسانیت کا کوئی احترام نہیں کرتے۔

مشہور ہے کہ ایک دن چنگیز نے اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ آیاتم میں سے کسی کو



دوران جنگ کبھی کسی پر رحم آیا؟ ایک سپاہی نے جواب دیا: میں ایک گھر میں داخل ہوا اور شیر خوار بچے کے منہ میں نیزہ کی انی داخل کر دی۔ وہ بچہ سمجھا کہ میری ماں مجھے دودھ پلانے لگی ہے۔ وہ اس کو چوسنے لگا۔ میں نے اس کا گلا چیر دیا۔ لیکن مجھے اس سے دلی دکھ ہوا۔ چنگیز نے حکم دیا کہ اس سپاہی کو فوراً قتل کر دیا جائے کیونکہ جو اس قسم کی معمولی صورت حال پر رحم کھائے وہ جنگ میں نہیں چل سکتا۔

معروف فرانسیسی سپہ سالار بوژو نے الجزائر کے حریت پسندوں کے متعلق جنہوں نے استعمار کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ حکم دیا کہ جو غار جنگ اور فرار میں ان کی پناہ گاہیں ہیں۔ ان میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے راستوں کو ایندھن اور لکڑیوں سے پُر کر کے ان پر تیل اور آتش گیر مادہ چھڑک کر آگ لگا دی جائے تاکہ یہ لوٹریاں چل کر خاکستر ہو جائیں سپاہیوں نے اس پر عمل کیا اور بہت سے مجاہدین کو زندہ جلا ڈالا۔

لٹریوں فرانسیسی نے الجزائر کی خونیں تحریک انقلاب کو دبانے کے لیے محنت کش غریب مزدوروں اور حواس باختہ لوگوں کو اس پر مامور کیا۔ جب ان کو اس مقصد کے لیے ناکافی پایا تو حکم دیا کہ دو ہزار پھاڑ کھانے والے کتوں کو تربیت دی جائے تاکہ یہ مزدور سپاہی جہاں بھی قیام کریں ان کو تربیت کردہ کتوں کو عورتوں اور جنگجو جوانوں پر چھوڑ دیں۔ یہ سب کچھ دوسرے درجے کے ظالموں کا نمونہ عمل ہے۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف پھر لوٹتے ہیں۔ ابن زیاد ظالم و ستمگر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پست اور نحس و ناپاک آدمی تھا۔ سید الشہداء علیہ السلام نے کربلا میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ابن زیاد کو (دعی بن الدعی) کہا۔ دعی اس کو کہتے جو ساختہ اور منہ بولا بیٹا ہو۔ اور پاکیزہ نسب کا حامل نہ ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس کا باپ زیاد زنا کی پیداوار تھا۔ اس کی ماں مرجانہ ایک بدکار اور آوارہ عورت تھی۔ سراقہ باہلی اپنے شعر میں اس کی ماں کی طرف اشارہ کر کے

ابن زیاد الجزائر از حسن صدر



بتا ہے: زیاد جہاں کہیں بھی ہو اس پر خدا کی لعنت ہو اور اس کے بیٹے پر اور اس عورت جس کے نام شروع شوہر بہت سے تھے۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ زینبؓ بکری جب اس محفل میں داخل ہوئیں تو ایک گوشے میں نریف فرما ہوئیں تاکہ پہچانی نہ جائیں کیونکہ جانتی تھیں کہ وہ ایک کینے ظالم کے روبرو ہیں۔ ان زیاد میں اگر مردانگی اور نجابت کی کوئی رمق بھی ہوتی تو وہ ان اسیروں سے حسن سلوک سے پیش آتا۔ ان کے زخموں پر نمک پاشی نہ کرتا۔ طعنہ زنی نہ کرتا اور فرزند پیغمبر صلی اللہ یہ داکہ وسلم کی شہادت کو اپنی فتح و کامرانی محسوب نہ کرتا۔

بہر صورت جب زینبؓ علیا کو اس نے پہچان لیا تو کہا: خدا کا شکر ہے کہ جس نے تمہارے دل کو قتل کیا اور تمہیں ذلیل و رسوا کیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید آپ اس کے جواب میں انگنڈہ و خاموش رہیں گی۔ لیکن علی مرتضیٰ علیہ السلام کی جبری بیٹی نے کمال جرأت و دلیری سے اس کے جواب میں کہا: الحمد للہ الذی اکرمنا بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سلم و طہرنا من الرجس تطہیراً۔ انما یفتضح الفاسق و یکذب الفاجر و هو رنا و الحمد للہ۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں پیغمبری سے سرفراز فرمایا، ہر قسم نجاست اور آلودگی سے ہمیں پاک و پاکیزہ کر دیا۔ فاسق و فاجر کے لیے رسوائی ہے اور کار انسانوں کا کام دروغ گوئی ہے۔ شکر ہے پائیاں ہے خدا کے لیے، فاسق و فاجر دوسرے ہیں نہ کہ ہم...."

ابن زیاد آپ کے اس سخت جواب سے حواس باختہ ہو گیا۔ اس کی بدطینتی کی رگ رگ اٹھی اور کہا: تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کیا۔

تحفة الاحباب ص ۲۰۴

لعن اللہ حیث حل زیاد او ابنہ والعجوز ذات البعول

ارشاد مفید ص ۲۸۸



شہزادی کو نین نے جواب دیا: میں بھلائی اور بہتری کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ ان کی شہادت کوئی نیا کام نہیں۔ ہمارے افراد خاندان کی شہادت مشیت ایزدی تھی۔ وہ خواب گاہ میں ہیں لیکن عنقریب ہی روز قیامت میں خدا انہیں اور تمہیں ایک جگہ پر جمع فرمائے گا تاکہ اس ظلم کا جواب دو۔ اس دن کا انتظار کرو۔ جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخر وہی فلاح اور نجات کس کے لیے ہے؟ اسے مرجانہ کے بیٹے! تمہاری ماں تمہارے لیے سوگوار ہو۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے یہ گفتگو فرمائی اور فاسق و فاجر کو بے نقاب کر دیا۔ انھوں نے خاندان رسالت کا تعارف پیکر ہاتے نورانی اور پاک و پاکیزہ انسانوں کی حیثیت سے کروایا۔ ابن زیاد کو ایسے جواب اور رد عمل کی توقع نہ تھی۔ وہ انتہائی ذلیل ہوا۔

”ہبنتك املك - تمہاری ماں تمہارا ماتم کرے“ عربوں میں یہ بات سخت تکلیف دہ اور حوصلہ شکن ہوتی ہے۔ جب کسی کو دوسرا یہ بات کہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمہاری ماں نے تم جیسے نالایق اور نااہل بیٹے کو جنم دیا جو باعث فخر و مباہات ہونے کی بجائے اس قابل ہے کہ مر جائے اور ماں اس کے غم میں نوحہ کناں ہو۔

بنت علی علیہ السلام نے اس پر ایک اور ہولناک ضرب یہ لگائی کہ اس کی ماں مرجانہ کا نام سرور بار لیا کہ جس کی ذلت و رسوائی کی داستان سے سب آگاہ تھے۔ مؤلف جس وقت بھی اس مجلس اور اس میں ارشاد کیے گئے جناب زینب سلام اللہ علیہا کے خطبے کو پر وہ بصیرت پر مجسم دیکھتا ہے تو ان کی عظمت و شجاعت اور استقامت اسے بحر حیرت میں غوطہ زن کر دیتی ہے۔ تصور کیجئے کہ ایک قیدی خاتون کو ابن زیاد جیسے ظالم کے روبرو ایسا سخت اور درشت اور مہنی بر حقیقت جواب دینے کے لیے کس دل گردے اور جرأت و دلیری کی ضرورت ہوگی۔ صفحات تاریخ کی ورق گردانی سے بطور نمونہ بھی کوئی ایسا واقعہ نہ ملے گا کہ جب جناب زینب سلام اللہ علیہا یا امام زین العابدین علیہ السلام نے ابن زیاد یا زید کو امیر المؤمنین کہ



کہ خطاب کیا ہو۔ ان بزرگوں نے جب بھی کلام فرمایا تو انھیں صرف ”یا بن زیاد“ اور ”یا نیرید“ کہہ کر مخاطب کیا۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ ابن زیاد نے جب یہ سخت و درشت اور کھرا جواب سنا تو آگ بگولہ ہو گیا۔ اگر حاضرین میں سے عمرو بن حریت سفارش نہ کرتا تو ممکن تھا کہ وہ خواہے یا نام کے قتل کا حکم دے دیتا۔ اس شفاعت کے باوجود بھی وہ شدید غیض و غضب میں حواس باختہ ہو چکا تھا اور سرور بار اس رسوائی اور شرمندگی نے اسے بد حواس کر دیا تھا۔

وہ زور سے چلایا: ”خدا نے تمہارے بھائی اور تمہارے خاندان کے دوسرے سرکشوں کے قتل سے میرے دل کو شفا دی ہے۔“

جناب زینب نے جوا ب فرمایا: ہاں مجھے اپنی جان کی قسم، تم نے میرے بہادروں کو قتل کر دیا۔ خاندان کو نیست و نابود کر دیا۔ تم نے ہماری شاخیں قطع کر دیں اور جڑیں اکھاڑ دیں اگر تیرے دل کی شفا و تسلی اس میں مضمر تھی تو یقیناً تو نے وہ پالی۔

اس کے بعد سید سجاد کو اس کے رو برو لائے۔ اس نے آپ سے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا: میں علی بن الحسین ہوں۔ وہ بولا: کیا خدا نے علی بن الحسین کو قتل نہیں کیا؟ فرمایا: میرے علی نامی بھائی کو کہ بلا میں لوگوں نے قتل کر دیا۔ (یعنی ان کے قتل کو خدا سے نسبت نہ دے بلکہ ان کے قاتل تو انسان تھے۔) بولا: نہیں۔ خدا نے انھیں مارا ہے۔ امام علیہ السلام نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی: ”اللہ یتوفی اراہ نفس حین موتھا“ یعنی خدا رُوح کو ہنگام مرگ قبضے میں کر لیتا ہے، لیکن اس کا مارنے والا خدا نہیں ہوتا۔ جب آپ نے اس کی باتوں کا مدلل جواب دیا تو وہ غصے میں آگیا اور کہا: تم میں اب بھی اتنی جرأت ہے کہ میری باتوں کا جواب دیتے ہو؟ انھیں لے جاؤ اور سر قلم کر دو۔



سید بن طاووس لہوف میں لکھتے ہیں کہ اس پر امام سجاد نے جواب دیا: ابن زیاد، موت سے ڈراتے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ راہِ حق میں مارا جانا ہماری سیرت و عادت ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ شہادت ہمارے لیے سرفرازی اور عزت و تکریم کا باعث ہے۔  
 المختصر یہ کہ مجلس کوفہ کا واقعہ ابن زیاد اور بنی امیہ کی رسوائی پر منتج ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ یہ ظالم و سیدہ کار بالآخر سید سجاد اور زینب کبریٰ سلام اللہ علیہما کے مدلل جوابات کے مقابلے میں لاجواب ہو کر شرمندہ ہو گیا۔ اور آپ کو قتل کروانے کی دھمکی دی۔

## قصر زید کا ایک جہاز

شام میں جناب سید سجاد علیہ السلام اور اسیران کربلا کو کوفے جیسے بلکہ اس سے بہتر و مناسب مواقع میسر آئے اور انہوں نے ہر ایک سے بطور احسن استفادہ کیا۔ اہل شام آل ابی سفیان کے محب و معتقد تھے۔ بنو امیہ کے زہریلے پراپیگنڈے نے اہل شام کے دلوں میں خانوادۂ نبوت کے لیے کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی۔ بلکہ وہ ان سے فتنہ پرور اور بدامنی پھیلانے والے عناصر کی حیثیت سے متعارف تھے۔ اہل شام میں سے بہت سے لوگوں کے دل بغضِ اہلبیت علیہم السلام سے معمور تھے۔

مجھے اس وقت یاد نہیں کہ میں نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ بنو امیہ کے زوال اور بنی عباس کے برسرِ اقتدار آنے پر اہل شام میں سے متعدد لوگوں نے عباسی خلیفہ کے سامنے قسم کھائی اور کہا: ہم اب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خویش و اقربا میں بنی امیہ کے علاوہ اور کسی کو نہ شمار کرتے تھے نہ سمجھتے تھے۔

کسی انسان یا گروہ کے خلاف تہمتیں اور ناروا منسوب باتیں سالوں بلکہ صدیوں تک



کسی قوم کو بے خبری میں رکھ سکتی ہیں۔ آج تیرہ صدیاں گزرنے بعد بھی دیکھا گیا ہے کہ جامعہ الازہر کے مفتیوں کی کانگریس نے متفقہ فتویٰ دیا ہے کہ ابوذر غفاریؓ مال و دولت سے متعلق اشتراکی نظریات رکھتے تھے۔

لجنہ الازہر کو یہ اشتباہ اس لیے ہوا کہ ابوذر غفاری رحمہ اللہ نے خلافتِ سوم کی معاشی پالیسیوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ انھوں نے خلافتِ سوم اور بنی امیہ کی ان کے ساتھ غیر انسانی روش اور جلا وطنی کو جائز قرار دینے اور انھیں حق پر ثابت کرنے کے لیے ابوذر پر یہ تہمت لگائی ہے۔

آل ابی سفیان نے مقدور بھر کوشش کی کہ علی علیہ السلام اور ان کے افراد خانوادہ کو فتنہ انگیز، گڑبڑ پھیلانے والے اور امت کی عقیدت کا مرکز بننے کی اہلیت سے محروم افراد کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔

معاویہ سے لے کر عمر بن عبدالعزیز کے دور تک حضرت علی علیہ السلام پر سب و شتم و مہم و مہم کی طرح جاری رہا۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا جنگ صفین میں ایک شخص نے اہل کوفہ سے کہا کہ میں معاویہ کی ہمراہی میں تم سے جنگ کرنے اس لیے آیا ہوں کہ میں نے سن رکھا ہے کہ تمہارا امام علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) نماز نہیں پڑھتا اور نہ ہی تم لوگ نماز پڑھتے ہو۔

ان حالات کی روشنی میں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جناب سید سجاد علیہ السلام اور زینب بنت علیؓ کا اہل شام کے اذہان کو حقائق سے روشناس کروانے کا فریضہ کس قدر دشوار اور نازک نوعیت کا تھا۔ کوفہ کے حالات ایک ادنیٰ سی کوشش سے متغیر ہو گئے اور لوگوں کے خیالات میں انقلاب آ گیا کیونکہ علیؓ اور ان کے افراد خاندان وہاں مشہور و معروف تھے۔

دمشق بنی امیہ کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا، لیکن اس کے باوجود بھی اسیران کر بلائے کمال

۱۔ امینی نے کتاب الغدير جلد ۸ ص ۳۶۱ پر الازہر کے اس فتویٰ کو درج کرنے کے بعد اس کا جواب لکھا ہے

۲۔ کتاب صفین ص ۳۵۴ بیض بنقل بررسی تاریخ عاشوراء ص ۳۲



بصیرت سے کام لے کر خلافت اموی کا پر وہ چاک کر دیا اور انھیں ذلیل و رسوا کر دیا۔ یہاں تک کہ مروان بن حکم نے یزید سے کہا کہ اب ان کا شام میں رہنا تمہارے لیے بہتری کا باعث نہیں ہے۔ اس وقت جھوٹ کے سیاہ بادل چھٹ گئے اور آفتاب حقیقت اپنی آس و تاب سے صوفشاں تھا۔

## امام سید سجاد علیہ السلام اور ایک مرد شامی کی گفتگو

جن ایام میں اسیران اہلبیت علیہم السلام کو مسجد دمشق کے پہلو میں رکھا گیا تھا۔ اہل شام میں سے ایک بوڑھا آدمی جو غلط فہمیوں کا شکار تھا، سید سجاد کے پاس آیا اور کہا: خدا کا شکر ہے کہ جس نے تم لوگوں کو قتل اور نابود کر دیا۔ اور فتنہ و فساد کی شاخیں قطع کر دیں۔ اس کے بعد اس نے بہت کچھ ناروا و ناسزا کہا اور جے ادبی کی۔ امام چہارم اس وقت تک صبر فرماتے رہے جب تک اس کی بات مکمل ہو گئی۔ پھر ارشاد فرمایا: تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا کیوں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی، قل لا اسئلكم علیہ اجرا الا المودة فی القربیٰ اس نے کہا کیوں؟ فرمایا: پیغمبر اسلام کے قرابت دار ہم ہیں۔ پھر فرمایا: یہ آیت پڑھی ہے: ذال القربیٰ حقہ۔ کہا: ہاں پڑھ رکھی ہے۔ پس ارشاد فرمایا: اس آیت سے ہم ہی مراد ہیں۔ پھر استفسار فرمایا: یہ آیت پڑھ رکھی ہے؟ انہما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیرا؟

۱۰۰ کاہل بہائی جلد ۲ ص ۲۹۹ طبع جدید

۱۰۱ اسرار آیت ۲۶

۱۰۲ احزاب آیت ۳۲

۱۰۳ شوری آیت ۲۲



اس نے کہا یہ سوال کیوں فرمایا ؟  
 آپ نے ارشاد فرمایا : ہم وہ اہل بیت ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کی عصمت و طہارت  
 کی گواہی دی ہے۔

اس مروضعیف نے یہ باتیں سن کر خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا  
 اور کمال ندامت و شرمندگی سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا : خدایا میں توبہ کرتا ہوں  
 میں دشمنان آل محمد اور قاتلین اہل بیت سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ میں قرآن کو اب تک  
 پڑھتا رہا، لیکن ان کو ابھی تک نہیں پہچانتا تھا۔ یہ بات اس نے ہمیں بارگاہی۔

جب وہ شامی امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کا کیا حال تھا ؟ اور  
 جب اس نے آپ کے ارشاد ایت گرامی کو سنا تو اس کے دل میں پہچان بپا ہو گیا۔ اور اس نے  
 کھلم کھلا بنی امیہ اور سید الشہداء علیہ السلام کے قاتلوں سے بیزاری کا اظہار کیا۔ سید بن  
 طاؤس کے مطابق یزید نے اس واقعہ کو سن کر اس مروضعیف کے قتل کا حکم دے دیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں : جب علی بن الحسین (علیہما السلام) دمشق میں  
 داخل ہوئے تو ابراہیم ابن طلحہ سامنے آگیا اور (طنز یہ لہجہ) میں کہا : اے علی بن الحسین اس معرکہ میں  
 فتح کس کو ہوئی ؟ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا : اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو تو نماز کے وقت  
 اذان دو اور اقامت کہو۔ اس منکر اور بدطینت انسان نے طعنہ زنی کے لیے مذکورہ بات کہی  
 تھی وہ امام حسین علیہ السلام کی ظاہری شکست سے خوش تھا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ سید الشہداء  
 کی شہادت شکست نہیں بلکہ وجہ افتخار ہے۔ حق و عدل کی راہ میں جدوجہد کو شکست کہاں ؟  
 بلکہ شکست اور جاودانی دولت مروسیا ہی تو یزید کے حصے میں آئی تھی۔

۱۰ نفس المہوم ص ۲۳۳

۱۰۶ ص ۱۰۶

۱۰ نفس المہوم ص ۲۳۳



امام زین العابدین علیہ السلام نے اس شخص کو یہ احساس دلایا کہ ہم آل محمد علیہم السلام کو عزت و شرف اور عصمت و طہارت کا وہ مقام حاصل ہے جہاں شکست اور تنزل کا گزر نہیں۔ اس پر نظر نہ کرو کہ آج یہ خاندان اسیر و گرفتار ہے بلکہ یہ سوچو کہ اگر تم مسلمان ہو تو ہر نماز کے وقت "اشہدان محمد رسول اللہ" ضرور کہو گے۔ ہم اسی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور وارث ہیں۔ کیا یہ قرین عقل ہے کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلیٰ کلمہ حق اور راہِ خدا و دین اسلام میں جاں نثار کرنا شکست سمجھا جائے؟ مجلس یزیدی کی حالت ابن زیاد کی محفل سے ملتی جلتی نقل کی گئی ہے۔ مصری مصنف محمود عقاد لکھتا ہے:

قصر یزید میں ابن زیاد کا دربار اپنے لوازمات کے ساتھ پھر موجود تھا۔ اگر کچھ لوگ ان دونوں درباروں کے واقعات کو باہم مخلوط سمجھیں تو تعجب انگیز بات نہیں کیونکہ دونوں درباروں کا طرز عمل اور احوال و اوضاع اس کے مقتضی تھے کہ ان دونوں مقامات پر ایک ہی قسم کا عمل ہو اور سوالات ایک ہی طرح سے کیے جائیں۔ پھر ان کے جوابات بھی اسی قسم کے اور اسی انداز میں دیے جائیں۔

بہر کیف یہ ضروری تھا کہ اسیران اہل بیت علیہم السلام اس منحوس مجلس سے بھی دربار زیاد کی طرح سر بلند و کامران لڑیں اور یزید اور اس کے تابعین کو معلوم ہو جائے کہ مکافات عمل سے بچنا محال ہے۔ اسیران کو بلا داخل دربار ہوتے۔ ظاہر ہے پہلے یزید کی باری تھی کہ وہ نامناسب و ناروا اور فضول باتیں کر کے اپنے لیے مضرت بہم پہنچاتے۔

درحقیقت ظالم و ستم گار اس کے علاوہ کیا کرتے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں کہ لاف زنی کریں، طعنہ زنی کریں اور انسانیت سے گریے ہوئے کام کریں۔ یزید کو اپنی فتح کے نشے جہالت اور تعصب نے اندھا کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے دربار میں لوگوں کی موجودگی میں

۱۰ ابوالشہداء تالیف عقاد ترجمہ معزی



سر مبارک سید الشہداء علیہ السلام پر اپنی چھٹری سے ضرب لگائی اور بے ادبی و گستاخی کا مرتکب ہوا۔ مشہور مورخین اور بزرگان اہل سنت مثلاً طبری، ابن اثیر، ابن حجر مکی، سبط ابن جوزی، ابن صباغ مالکی، شبلی نجی اور صبان وغیرہ، ان سب نے یزید کی اس سیہ کاری اور گستاخی کا قصریٰ ذکر کیا ہے۔ کیا یزید نے اپنے اس بدترین عمل سے اپنی ذلت و رسوائی اور بے دینی کی دستاویز پر مہر تصدیق ثبت نہیں کی۔ ایک ایسے شخص کا یہ عمل کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ جو اسلام کے نام پر لوگوں کا حاکم بنا ہوا ہو۔ اپنے آپ کو پیغمبر اسلام کا جانشین اور ان کی شریعت کا اجرا کرنے والا تصور کرتا ہو اور پھر اپنی چھٹری سے فرزند رسولؐ کے دندان مبارک سے بے ادبی کرتا ہو؛ جب تک یہ دنیا باقی ہے اور اس میں عدل و انصاف کا وجود قائم ہے۔ یزید ہر انصاف پسند منصف کے نزدیک رو سیاہ و ذلیل شمار ہوگا۔

قدرت نے اس عمل سیاہ اور انسانیت سے گرنے ہوئے فعل کو لوگوں سے اوجھل نہیں رہنے دیا۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکرؓ اس منظر کی تاب نہ لاسکے اور یزید کو امیر المؤمنین کہہ کر خطاب کرنے کی بجائے کہا: اے یزید! اپنی چھٹری کو حسین علیہ السلام کے سر مبارک سے اٹھا لو، خدا کی قسم، میں نے بارہا ان آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول خدا ان مبارک دانتوں کو بوسہ دیتے تھے۔

یزید نے نتائج سے چشم پوشی کرتے ہوئے اور اس مجلس کی ناپائنداری کا تصور نہ کرتے ہوئے مستی و غرور کے عالم میں یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیے:

لیت اشیانہ بیدر شہدا و	جزع الخزیج من وقع الاصل
لاہلوا و استہلو فرحاً	ثروالوا یا یزید لا تشل
قد قلنا القدم من ساداتہم	وعدلناہ بیدر فاعتدل

۱۔ تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۳۵، کمال ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۹۹



لعبت ہا شعر بالملک فلا      خبر جاء ولا وحى نزل  
لست من خندق ان لم انتقم      من بنى احمد ما كان فعله

کہتا ہے:

”کاش آج میرے وہ بزرگ موجود ہوتے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو آل محمد (علیہم السلام) کی اس وضع کو دیکھتے اور عجب پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتے ہوئے کہتے تم ہمیشہ سلامت رہو۔ ہم نے ان کے بزرگوں کو قتل کر کے بدر کی شکست کا بدلہ لے لیا ہے۔ بنی ہاشم اقدار سے کھیلتے رہے ہیں۔ ان کا مقصد صرف حکمرانی و جہاں بانی تھا ورنہ ان پر آسمان سے وحی نازل نہ ہوتی تھی۔ میں اپنی ماں (خندق) کا بیٹا نہیں اگر احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے کاموں کا بدلہ اس کی آل و اولاد سے نہ لے لوں“

یزید نے یادہ گوئی کی۔ اس نے سید الشہداء علیہ السلام اور جو انان بنی ہاشم کے قتل کو ہاشم کے قتل کو مبنی امیہ کے مقتولین بدر کا انتقام قرار دیا حالانکہ ان کو حکم رسول خدا سے حاصل جہنم کیا گیا تھا۔ وہ کھلم کھلا کہ رہا تھا کہ میں احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے کاموں کا انتقام اس کی اولاد سے لے رہا ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے سب درباریوں اور اسیران کر بلا کے رو برو وحی الہی سے انکار کر دیا۔

مقام حیرت ہے کہ اب تک تو یزید یا امام حسین علیہ السلام کا دشمن تھا اور انھیں اپنی سلطنت کا مخالف سمجھتا تھا۔ لیکن اب اس نے رسول خدا کی مخالفت بھی اختیار کر لی اور اسلام کے مقدسات کا تمسخر اڑانے لگا۔ وہ اپنے آپ کو خلیفہ رسول سمجھتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ان سے ان کے کاموں کا بدلہ بھی لینا چاہتا تھا اور مکہ کے بت پرستوں

۱۰۸ صفحہ ۱۰۸ تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۳۸ باب ۹ - شعر نمبر ۱ و ۲ و ۳ احمد بن ابی طاہر بغدادی نے بلاغات النساء صفحہ ۲۱ طبع نجف ، شعر نمبر ۱ اور ۳ کو ابوالفرج نے مقال الطالبین ۱۲۰ طبع مصر۔



یعنی اپنے کافر آباؤ اجداد کا انتقام بہترین خدا شناسوں اور انسانیت کے ڈرہائے قیم کو قتل کر کے رہا تھا۔ قدرت کی مرضی یہی تھی کہ سیہ کار ظالم اپنے اور دوسروں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوں۔ یہ کتنی سچ بات ہے: ”لیہلک من ہلک عن بینہ و یحییٰ من حی عن بینہ“۔

یزید نے جب اپنے کفر آمیز اشعار پڑھے تو صلی علیہ السلام کی حق گو اور حریت پسند بیٹی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا اٹھ کھڑی ہوئیں اور زبان مبارک پر وہ جرات مندانہ اور بنیاد ظلم کو متزلزل کرنے والے کلمات جاری ہوئے کہ قصر یزید میں لرزہ پیدا ہوا۔ آپ نے اپنے اس آتشیں خطبے میں یزید کو کافر و ستمگر کہا اُسے کئی بار امیر المؤمنین کے بغیر اسے یزید! کہہ کر مخاطب کیا۔ اسے دشمن خدا اور سپردشمن خدا کا نام دیا۔ اس کے معاونین اور متابعت کرنے والوں کو حزب شیطان سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے بنی امیہ کی بد اعمالیوں اور پستیوں کو ایک ایک کر کے شمار فرمایا۔ یہاں ہم ابتدا میں اس استعجاب آور خطبے کی اصل عربی عبارت ”بلاغات النساء“ تالیف احمد بن حنبلہ سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ فارسی کرام کے لیے درج کیا جائے گا۔

### ترجمہ

اے یزید! خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔ بالآخر گناہگاروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ آیاتِ خدا کو جھٹلاتے ہیں اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ (تو نے اتنے زیادہ گناہ کیے ہیں کہ اس کے نتیجے میں آیاتِ خدا کو جھٹلاتا اور ان کا تمسخر اڑاتا ہے) اے یزید! کیا تیرا خیال ہے کہ اب چونکہ ہم پر زمین و آسمان کی وسعتیں تنگ ہو گئیں ہیں۔ ہم قیدی ہو کر شہر بہ شہر پھرتے جا رہے ہیں۔ تو ہم خدا کے نزدیک بے عزت و بے آبرو ہو گئے ہیں اور تو اس کے نزدیک محترم ہو گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ خدا کے نزدیک تیری عظمت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ کیا تو نے اس خیال سے اپنا



سیر غرور بلند کر لیا ہے۔ کیا تیرے عجب و غرور اور تکبر کی یہی وجہ ہے؟

تو دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق دیکھ کر شاداں ہے۔ تو خوش ہے کہ تیرے کام تیری خواہش کے مطابق ہو رہے ہیں۔ جان لے کہ تیری یہ سلطنت، طاقت اور شان و شوکت چند روزہ ہے تجھے چند دنوں کی مہلت دی گئی ہے۔ اس کے بعد تیرے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ اور یہ وہ عذاب ہے کہ خدا فرماتا ہے "کافر یہ گمان نہ کریں کہ اگر ہم انھیں مہلت دیتے ہیں تو یہ ان کی بھلائی و بہتری ہے۔ ہم انھیں صرف اس لیے موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کر لیں اور ان کے لیے ایسا عذاب ہے جو انھیں ذلیل و خوار کر دے گا۔"

اے ہمارے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے! اے کہ تو ان کا فرزند ہے جن کو میرے جد رسول خدا نے روز فتح مکہ آزاد کر دیا اور کہا: فاذهبوا فانتم اطلاقا۔ کیا یہ انصاف ہے؟ کیا یہ عدل ہے؟ تاکہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردے میں جگہ دی ہے۔ لیکن رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹیوں کو قیدی بنا رکھا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تو نے ان کو بے کسی، مجبور ہی اور انتہائی غم و رنج میں جبکہ ان کے گلے کثرت گریہ سے رندھے ہوتے ہیں۔ تیز رفتار اونٹوں پر سوار کر کے دشمنوں کے ذریعے بستی بستی پھرایا ہے؟ اپنے اور پرانے سب ہی ان کا تاشادیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ جبکہ ان کے اپنے مردوں اور حامیوں میں سے کوئی ان کے ساتھ نہیں ہے۔

اے یزید! وہ انسان ہم سے کیوں کر دشمنی و عداوت نہ کرے گا جو ہمیشہ سے ہی ہمارے ساتھ بغض و کینہ اور پر خاش رکھتا ہو۔ اے یزید! تو نے انتہائی لاپرواہی سے اور اپنے آپ کو گناہگار سمجھے بغیر ہی کہہ دیا ہے۔ کاش میرے بدر میں مارے جانے والے بزرگ آج موجود ہوتے اور پھر ابا عبد اللہ کے دندان مبارک پر چھڑی ماری، ہاں! ہاں! ایسا تم کیوں نہ کرو گے، کیوں ایسے شعر نہ پڑھو گے اور اب جبکہ تو نے



حسب منشا سب کچھ کر لیا ہے اور اپنے دل کو اس سے سکون دے لیا ہے۔ تو نے تقویٰ و فضیلت کی جڑیں اکھاڑ دی ہیں تو نے اولاد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خون بہایا ہے۔ آل عبدالمطلب کے درخشاں ستاروں کو جن سے روئے زمین فروزاں تھی۔ تو نے ظلم و ستم کے سیاہ بادلوں میں چھپا دیا ہے۔

لیکن تو بہت جلد خدا کے حضور حاضر ہو گا اور تیرا مقام وہ ہو گا جو تیرے بدر میں مارے جانے والے آبا کا ہے۔ اس وقت تو کہے گا کہ کاش میں گونگا و بہرہ ہو جاتا اور یہ نہ کہتا: "اے کاش میرے آبا آل محمد کی تباہ حالی کو دیکھتے تو باواز بلند مجھے شاباش دیتے ہوئے کہتے: "یٰ زید تو ہمیشہ سلامت رہے۔"

اس مقام پر نبی علیہ السلام نے دعا فرمائی: "خدا یا ہمارا حق ان سے دلا دے اور جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے ان سے انتقام لے۔" اس کے بعد پھر زید کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا: "خدا کی قسم، تم نے اپنا گوشت ہی کاٹا ہے اور اپنی کھال ہی نہ چھی ہے۔ تو عنقریب ہی رسول پاک کے روبرو ہو گا اور دیکھے گا کہ تیرے خیال کے برعکس ان کی تمام آل و اولاد بہشت بریں میں مقیم ہو گی۔ جس روز خداوند عالم فریت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مجتمع فرمائے گا تو ان سب کو خلد بریں میں مقام عطا فرمائے گا۔ اور یہ خدا کے اس فرمان کے مطابق ہے۔ "یہ گمان نہ کرو کہ شہدائے راہِ حق مردہ ہیں، بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور وہ اپنے خدا سے رزق پاتے ہیں۔"

تیرا باپ معاویہ جس نے تجھے مسلمانوں پر مسلط کر دیا ہے۔ جلد جان لے گا کہ سنگروں کا بُرا انجام ہوتا ہے اور کس کے لیے بدترین مقام ہے۔ کس کی قوت و طاقت کمتر درجے کی ہے۔ اس دن انصاف خدا کے ہاتھ میں ہو گا۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و اولادِ طلبی فرمائیں گے۔ پھر تیرے اعضا و جوارح ہی تیرے خلاف گواہی دیں گے۔

اے دشمنِ خدا اور دشمنِ خدا کے فرزند! اگرچہ قسم ہے خدا نے بزرگ بوتر کی کہ میں تم



کو انتہائی ناچیز و کم تر سمجھتی ہوں اور اپنی لعنت و ملامت کے قابل بھی نہیں گردانتی، لیکن کیا کروں کہ آنکھیں اشکبار اور دل غم زدہ ہیں۔ (شدت غم اور قلبی اندوہ نے مجھے ان باتوں کے کہنے پر مجبور کیا ہے۔) تجھے ملامت و سرزنش کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ ہمارے شہید تو اس سے زندہ نہ ہوں گے۔ میرے بھائی حسین علیہ السلام شہید ہو چکے اور شیطان کی فریب میں دنیا کے نااہل و نالایق ترین افراد کے پاس لے آئی ہے۔ تاکہ وہ محارم الہی کی بے حرمتی کا خدائے بزرگ کے مال سے معاوضہ لیں۔ ہمارا خون ان کے ہاتھوں سے ٹپک رہا ہے۔ ان کے دہنوں سے ہمارے گوشت کی بو آ رہی ہے۔ شہیدانِ کربلا علیہم السلام کے اجسامِ مطہرہ جنگل میں بے گور و کفن و زندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔

اگر تو نے آج ہم اہل بیت کے قتل کو غنیمت سمجھ رکھا ہے تو بہت جلد ہی تجھے معلوم ہو جائیگا کہ تجھے اپنی سیاہ کاریوں اور بد اعمالیوں کی مکافات ضرور ملے گی۔ اس دن تیرے پاس ان سیاہ کاریوں کے سوا اور کوئی عمل نہ ہوگا۔ پھر تو ابن زیاد پسرِ مرجانہ کو چیخ چیخ کر بلائے گا اور وہ تجھے بہ آواز بلند پکارے گا اور تم ایک دوسرے سے مدد چاہو گے۔ یہ وہ دن ہوگا۔ جب اللہ کی میزان کے قریب تم اور تمہارا باپ تکرار کرتے ہوئے باہم دست و گریبان ہو جاؤ گے۔ اس دن جان لو گے کہ تمہارے باپ نے تمہارے لیے بہترین توشہ آخرت یہ تیار کیا تھا کہ تم ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ رنگ لو۔

قسم ہے خدائے قادر و توانا کی، میں اس کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتی۔ اس کے علاوہ کسی اور کے سامنے شکایت نہیں کرتی۔ پس تو اپنی بد طبیعتی کو بروئے کار لا کر جو چاہتا ہے کر لے۔ خدا کی قسم تو ہم سے جو پست اور گھٹیا سلوک کر رہا ہے یہ پستی و ذلت تیرے لیے ابدی ہے۔ خداوندِ عالم کالاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے سردارِ جوآنانِ بہشت سید الشہداء کے مشن کو سعادت و خوش بختی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اور باغِ جنان کو ان کے لیے مخصوص کر دیا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور ان کو اپنی مزید نعمات و



عنایات سے نوازے۔ ان پر اپنے الطاف و اکرام کو اور نہ یادہ کرے۔ کیونکہ وہ صاحب اختیار و قوی ہے۔

مؤلف اپنی اس بے بضاعتی اور قلم نارسا و ناتواں کے ساتھ کس طرح شیر خدا علی مرتضیٰ علیہ السلام کی حریت پسندی کی عظیم شخصیت اور ان کے قومی و مستحکم قلب و روح کی تعریف کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کرے؟ خدایا، اس ستم رسیدہ، داغ دیدہ اور اسیر ظلم مخدرہ عصمت کی جرات و مردانگی اور ایمان و ایقانِ کامل و مستحکم کا کیسے اندازہ کروں کہ وہ ظالم اور خونخوار درباریوں اور تماشاویوں کے روبرو یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں، تو نے سر غرور بلند کر رکھا ہے؟ اے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد، دشمن خدا اور سپر دشمن خدا، خدا کی قسم میں تمہیں اپنی لعنت و ملامت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔ تیرا باپ معاویہ کہ جس نے تجھ کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا ہے جلد کیفر کردار کو پہنچے گا

اسے امیر المومنین کہنے کی بجائے "یا یزید" یا صرف اس کا نام لیتی ہیں جو اس کے لیے انتہائی ذلت تھی۔ آپ نے واضح کر دیا کہ ہم اہل بیت رسالت علیہم السلام زنجیر ستم میں جکڑے ہونے کے باوجود بھی یزید کو امیر المومنین نہیں کہہ سکتے اور اس کو رسول پاک کا جانشین نہیں سمجھتے۔

کوئی خطیب یا ادیب اپنے سامعین یا قارئین کے لیے اس عظمت و جرات اور حریت کو بطور احسن کیسے بیان کر سکتا ہے۔ اس حریت و آزادی پسندی پر آفرین ہو۔ قوت ایمان سے معمور قلب اور عظیم و بزرگ رُوح پر صد آفرین ہو۔ مسلمان کی حالت تو یہ ہے:

مسلمان اگر پامی یزیدی زرخش  
امید و ہراس نباشد زکس  
و گریغ ہندی نہیں بر سرکش  
براین است بنیاد توجید و بس

بنتِ علی (علیہ السلام) کے ان کلمات نے یزید کے سر پر مثل گرز کا کام کیا اور اس کو درباریوں کے سامنے لرزہ بر اندام اور سرانگندہ کر دیا۔ اس نے مجبور ہو کر اپنی روسیاسی اور



ذلت کو کچھ کم کرنے اور دختر فاطمہ سلام اللہ علیہا کی باتوں کا کچھ نہ کچھ جواب دینے کے لیے تمسخرانہ انداز میں کہا:

يا صبيحة تحمد من صواحح ما اھون الموت علی التواھح

اس کا مقصود یہ تھا کہ نوسہ کنناں خواتین غم و اندوہ میں ایسی ہی بات کہتی ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں ستم دیدہ لوگوں سے بعید نہیں۔ اس نے جناب زینب کبریٰ کی باتوں کو شدتِ غم سے کھی ہوئی باتیں قرار دیا۔ لیکن سب جانتے تھے کہ معاملہ برعکس ہے۔

ابھی اہلبیت اطہار علیہم السلام دربارِ یزید سے باہر نہ لے جائے گئے تھے کہ اہل شام میں سے ایک شخص کی نظر فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام پر پڑ گئی۔ اس نے یزید سے درخواست کی کہ اس کو بطور کنیز یہ بچی دے دی جائے۔ یہ معصومہ اس بات کو سن کر خوفزدہ ہوئی۔ پس وہ اپنی پھوپھی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی گود میں گر پڑیں اور ان سے لپٹ گئیں۔

بنت علی نے جس طرح دربار کو فہم میں سید سجاد علیہ السلام کی حفاظت فرمائی تھی اور انہیں قتل ہونے سے بچایا تھا۔ یہاں بھی انہوں نے یہی روش اختیار کی۔ آپ نے جو نہی اس شامی کی یہ گستاخانہ بات سنی، بلا خوف و خطر با آواز بلند اس سے کہا:

اے ذلیل دروغ گو، خدا کی قسم، نہ تجھے اور نہ اس کو (یزید) یہ جرأت ہو سکتی ہے۔ یزید اس بات سے برہم ہوا اور کہا: تم نے جھوٹ کہا، اگر میں چاہوں تو یہ کام کر سکتا ہوں۔ مخدرہ نے فرمایا: بخدا۔ اللہ نے تمہیں ایسی اجازت نہیں دی۔ لیکن یہ کہ تو ہمارے دین سے خارج ہو کر دوسرا دین اختیار کر لے۔

اس پر یزید کا پارہ اور چڑھ گیا۔ وہ چلا آیا: تم مجھے اس قسم کے جواب دیتی ہو تمہارے باپ دادا اور بھائی دین سے خارج ہو گئے ہیں۔ زینب والا جاہ علیہا السلام جو اس کا



پورا مقابلہ کر رہی تھیں، جواب میں گویا ہوئیں:

”اگر تو مسلمان ہوتا تو تجھے معلوم ہوتا کہ خدا کے دین اور میرے والد و بھائی

کے دین سے ہی تیرے باپ دادا نے راہ پائی ہے“

یزید کے پاس اس بات کو جھٹلانے کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا۔

بولا: تم جھوٹ کہتی ہو۔

آپ نے فرمایا: تم ظلم و ستم اور اپنی حکومت و طاقت کے بل بوتے پر ایسی نامناسب

ناروا باتیں کرتے ہو۔

یزید شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ اس شامی نے اپنی بات پھر دہرائی۔ یزید نے جو اس

بات سے پہلے ہی جلا بیٹھا تھا پینچ کر کہا: دفع ہو جاؤ، خدا تمہیں موت دے لے۔

اس واقعے نے بھی یزید کو مزید رسوا کیا اور خواہر امام علیہ السلام نے اپنے دلائل اور

جرات مندی سے اس کو شرمندہ کر دیا۔ خدا پر مکمل ایمان اور صحیح خطوط پر تربیت انسان کو

ایسی طاقت دیتی ہے کہ وہ شکست کو کبھی قبول نہیں کرتا۔ اس قضیے سے ہمیں علامہ اقبالؒ

و ہوری کے یہ شعر یاد آتے ہیں:

میارا بزم برسا حل کہ آں جا  
نوامی زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط و باموش در آدیز  
حیات جاودان اندر ستیز است

## مسجد دمشق میں جناب سید سجاد علیہ السلام کا خطبہ

شام میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بہترین موقع اس وقت ملیس آیا جب  
آپ دمشق کی مسجد میں منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ قصہ



یوں ہوا کہ روز جمعہ جب سرکاری خطیب یزید کے حکم سے منبر پر چڑھ گیا تو اس نے حضرت علی اور جناب حسین علیہما السلام کی شان میں گستاخی کی اور معاویہ و یزید کی تعریف و توصیف کی۔ یہ سجاد جو اس اجتماع میں موجود تھے، فوراً گویا ہوئے:

افسوس ہے تم پر اے خطیب کہ تم مخلوق کی خوشنودی کے لیے خدا کو ناراض کر رہے ہو، جان لو کہ تمہارا مقام آتشِ جہنم میں ہے۔

اس امر کا ذکر یہاں لازمی معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں دنیا کی خاطر دینِ فروخت کرنے والے خافلوں کا گروہ خطیب و مبلغ کا مقدس رُوپ دھار کر ظالموں اور سیہ کاروں کا پورا پورا ساتھ دیتا رہا ہے۔ ان لوگوں نے جاہ و منصب اور مال و دولت کے لیے ہمیشہ ظلم اور ظالموں کی حمایت کی ہے۔ اور مجالس و محافل میں ان کے ناجائز اور غیر انسانی افعال کو غلط بیانی اور جھوٹ کا سہارا لے کر اسلام سے مطابق کرتے رہے ہیں اور آج کل بھی کر رہے ہیں۔

مثلاً ابو ہریرہ زرو مال اور مقام و مرتبہ کے لیے بنی اُمیہ کی حمایت میں کمر بستہ ہو گئے اور حضرت علی علیہ السلام کی مذمت میں احادیث وضع کیں اور معاویہ کی شان اس قدر بڑھائی کہ کہا: میں نے رسول پاک کو کہتے سنا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تین افراد کو امین وحی بنایا ہے۔ میں، جبرئیل اور معاویہ۔ ابو ہریرہ رسول پاک کے زمانے میں گدائی کرتے تھے۔ اور رقمہ نان کے حصول کے لیے راستے میں بیٹھ جاتے تھے اور کہتے تھے: میری قرأت سنو، وہ اسی طرح اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ لیکن عہد معاویہ میں وہ محل میں رہنے لگے ان کا قصر عقیق میں تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو معاویہ نے حاکم مدینہ کو ان کے بیٹوں کی حمایت اور ان سے ہمدردانہ سلوک کا حکم بھیجا۔

۱۱۲ لہوٹ

۱۱۲ لہوٹ کتاب شیخ المفسر ابو ہریرہ تالیف ابو ریدہ ص ۸۸، ترجمہ محمد وحید  
۱۱۳ صحیح بخاری جز ۶، کتاب الاطعمہ باب ۳۱ حدیث ۲ شیخ المفسرہ ص ۴۱  
۱۱۴ احوال ابو ہریرہ کے لیے "ابو ہریرہ" تالیف شرف الدین عالمی سے رجوع فرمائیں۔



ہر دور میں ایسے افراد موجود رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو سچی و انصاف کو پس پشت ڈال کر ظالموں کی حمایت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ شام کا سرکار ہی خطیب اور بنی امیہ کا نمک خوار سید سجاد علیہ السلام کے سامنے یزید اور معاویہ کی ثنا خوانی کرے اور مخلوق میں سے بہترین افراد کی شان میں گستاخی کرے اور برائیوں کو ان سے منسوب کرے۔

ڈاکٹر وردی نے ابن جبیر سے روایت بیان کی ہے کہ جس وقت بغداد میں خطیب نے خلیفہ اور اس کی ماں کی موجودگی میں وعظ شروع کیا تو ابتدا میں خلیفہ کی مدح کی پھر اس کی ماں کی اور اس کے لیے سلامتی کی دعا مانگی اور اس کی ماں کو "السوا لا شرف والجناب الاراف" کا لقب دیا۔ اس کے بعد وعظ شروع کیا..... یہاں تک کہ آنکھیں اشکیا رہ گئیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر مذکورہ لکھتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ جب خطیب خلیفہ کا نام لیتا تو اس کے لیے دعا کرتا اور تمنا کرتا کہ اس کا بابرکت اور عظیم وجود سایہ عاطفت بن کر دسے زمین پر باقی رہے۔ لیکن جس وقت وہ خلیفہ کی رعایا کی طرف متوجہ ہوتا تو ان کی مذمت کرتا اور انہیں ڈراتا دھمکاتا، گویا رعایا ظالم ہے اور مظلوم خلیفہ کی ذات ہے۔

جس زمانے میں حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام ہارون الرشید عباسی کے حکم سے مقید تھے۔ خوشامدی اور ابن الوقت مبلغوں اور خطیبوں نے خلیفہ کے گرد حلقہ باندھ رکھا تھا۔ اور وہ سونے چاندی کی تھیلیوں کی خاطر آیت "اولوا الامر منکم" کا مصداق انہیں ٹھہرا رہے تھے۔

وہ واقعات جن کے سننے سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اہل سنت کے مشہور عالم "دمیری" نے "حیاة الحیوان" میں نقل کیا ہے، مختصر ایوں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد جب یزید بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس نے عمر بن



عبدالغزیز کی طرح عدل و انصاف سے کام لیا۔ چالیس دن تک وہ حکومت کرتا رہا۔  
اسی اثنا میں اہل شام میں سے چالیس علماء اس کی خدمت میں آئے اور قسمیں کھا کھا کر  
اسے یقین دلایا کہ قیامت میں خلفا کے لیے جزا و سزا اور باز پرس نہیں ہے۔ خلیفہ نے ان  
کی باتوں پر یقین کر لیا اور دھوکا کھایا۔ اس نے عیاشی شروع کر دی۔ پھر اس کی بد اعمالیوں اور  
سیہ کاریوں کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ کوئی مسلمان انہیں نہ سنے اور کوئی کافر انہیں نہ دیکھے تو  
تو بہتر ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کو دنیا کی خاطر قربان کرنے والے انسانوں کو کس طرح  
بد عملی اور سیہ کاری سکھاتے رہے ہیں۔ خداوند عالم قرآن پاک میں فخر انبیاء سے فرماتا ہے:  
لان اشركت لی جطن عملك و لتكونن من الخاسرینؑ۔ اگر تم مشرک ہو جاؤ تو تمہارے  
اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے: ولا تجعل مع الله الها اخر فتلقى في جہنم ملوما ممد  
حوراؑ۔ خدا کے ساتھ کسی اور کو مہر و نہ بناؤ۔ ورنہ ملامت زدہ اور راندہ ہو کر جہنم میں چھونک  
دیے جاؤ گے۔ لیکن یہ ذلیل اور پست انسان کہتے ہیں: خلفا کے لیے احتساب اور عذاب  
نہیں ہے۔

مؤلف نے بعض اوقات کئی افراد سے سُن رکھا تھا کہ امراء و سلاطین نماز، روزہ اور احکام  
دینی کی بجا آوری کے مکلف نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان سے اس کا تقاضا نہیں کیا۔ لیکن جب  
مذکورہ واقعات نظر سے گزرے تو معلوم ہوا کہ حوام کے ان خیالات کی بنیاد تاریخی ہے۔  
ہمیں بھولنا نہ چاہیے کہ اس گروہ کے برعکس خطیبوں اور مبلغوں کی ایک جماعت وہ  
بھی تھی اور ہے جو ہمیشہ لوگوں کی اصلاح اور ہدایت، معاشرے کی بیداری اور ظلم و بیداد و

۱۵ حیاة الحیران میری جلد ۱ ص ۷۱، احوال یزید بن عبدالملک۔

۱۶ سورۃ زمر آیت ۶۵

۱۷ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۹



نا انصافی کے خاتمے کے لیے کوشش کرتی تھی اور کرتی ہے۔ یہ لوگ ائمہ اطہار علیہم السلام کی طرح کبھی آزادی اور کبھی پابندیوں کے تحت زندگی گزارتے ہیں اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی رضا برائی اور لوگوں کی اصلاح احوال کو مد نظر رکھتے ہیں۔ وہ دنیا پرستی، جاہ طلبی اور مادی و نفسانی اغراض سے مبرا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ اور ان کو ان کے مقاصد میں کامیابی سے ہمکنار فرماتا ہے۔

ہم اصل مطلب سے دور نکل آئے، بات یہ ہو رہی تھی کہ خطیب شام نے جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور سید الشہداء علیہ السلام کی شان میں بی بی امین کی توثیق و تہجد علیہ السلام نے اس کو فوراً ٹوکا اور اس کے بعد یزید سے کہا: اے یزید! اجازت دے کہ میں اس منبر چوبی پر جا کر چند باتیں کروں۔ جن سے خدائے لایزال راضی ہو اور اہل مجلس کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہوں۔

یزید اجازت نہ دیتا تھا۔ حاضرین نے اس سے درخواست کی کہ اجازت دی جائے۔ یزید نے کہا: اگر یہ بلائے منبر چلنے گا۔ تو مجھے اور آل ابی سفیان کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ وہ بولے یہ کیا بات کر سکتے ہیں؟ یزید نے کہا: یہ اس خاندان کے فرد ہیں کہ جنہیں علم و دانش بچپن میں شیر مادر میں ملا کر پلایا گیا ہے۔ آخر کار لوگوں کے اصرار پر یزید کو مجبوراً اجازت دینا پڑی۔ اور امام علیہ السلام منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ سامعین کے دل بل گئے۔ ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ مجلس دہم برہم ہو گئی اور ہر طرف سے شور و غل کی آواز بلند ہونے لگی۔ آپ نے سب سے پہلے اسلام میں اہل بیت علیہم السلام کی اہمیت اور مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالی۔ پھر واقعہ کربلا کی تفصیل بیان کرتے ہوئے شکر کوفہ کی حیوانیت اور ظلم و ستم کا تذکرہ فرمایا۔ اپنے خطبے میں خدا تعالیٰ کی تعریف و توصیف کے بعد یوں فرماتے ہیں۔



## ترجمہ

یعنی خداوند عالم نے ہمیں علم، حلم، شجاعت اور سخاوت عطا فرمائی۔ مومنین کے دلوں میں ہماری محبت جاگزیں کر دی۔ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہم میں سے منتخب فرمایا۔ ان کے وصی اور نائب علی مرتضیٰ (علیہ السلام) بھی ہم میں سے ہیں۔ شہداءِ حرمہ اور جعفر طیار جو باغ جناں میں محروم و اندہیں ہم سے ہیں۔ اس امت کے دو فرزند ان رشید حسن و حسین اور مہدی موعود جو دجال کو قتل کریں گے ہم اہل بیت رسالت ہی میں سے ہیں۔

لوگو! جو کوئی مجھے جانتا ہے کم جانتا ہے اور جو کوئی نہیں جانتا اس کو میں اپنے حسب نسب سے روشناس کرواتا ہوں۔ میں مکہ و منیٰ کا بیٹا ہوں، میں چشمہ زمزم اور کوہ صفا کا فرزند ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رکن (حجر الاسود) کو چادر سے اٹھا کر دیوار کعبہ میں رکھ دیا تھا۔ میں ان کا پسر ہوں جنہوں نے سب سے بہتر احرام باندھا اور طواف وسعی (مناسک حج) کو بجائے اور فریضہ حج ادا کیا۔ میں ان کا نور نظر ہوں جو حکم خدا سے مسجد اقصیٰ لے جائے گئے وہ میرے جد ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ تک گئے، میں ان کا فرزند ہوں جن کے حق میں ارشاد باری ہے: دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

میں ان کا نور بصر ہوں کہ جب خدائے عزوجل نے وحی نازل کرنا چاہی تو ان پر نازل فرمائی۔ میں اس حسین (علیہ السلام) کا بیٹا ہوں جس کو کربلا میں شہید کروا گیا۔ میں علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کا فرزند ہوں، میں محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا

۱۔ حجر الاسود کو نصب کرنے کی داستان کی طرف اشارہ ہے۔ قبائل مکہ تعمیر کعبہ کے بعد حجر اسود کی تنصیب باہم دست و گریباں تھے۔ پیغمبر اسلام کی تجویز پر حجر اسود کو چادر میں رکھ کر سب نے اٹھا لیا۔ اور آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرمادیا۔



نورِ نطفہ، میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی راحتِ جان، میں خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا سکونِ قلب ہوں۔ میں سدرۃ منہا کا فرزند اور شجرِ طوبیٰ کا پسر ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو خون میں نہا گیا جس پر جن تاریخ کی میں اور پرندے ہوا میں نوحہ خرابی کرتے اور آنسو بہاتے تھے۔

امام زین العابدین کا خطبہ ابھی یہاں تک پہنچا تھا کہ مجلس درہم برہم ہو گئی۔ اور حاضرین کی آہ وزاری کا شور ساری مسجد میں بلند ہو گیا۔ امام نے اس خطبے میں واضح کیا کہ ہمارا خاندان افتخار کا حامل ہے، علم و دانش جو بنیادِ فضیلت ہے، حلم و بردباری، سخاوت و بخشش اور طاقتِ نطق جو انسان کی عظمت اور زینت کا سبب ہیں۔ شجاعت و دلیری جو راہنمائی اور راہبری کی بنیاد ہیں اور مومنین کی قلبی محبت کا مرکز ہونا جو حقیقی اقتدار و حکومت کا نشان ہے۔ یہ سب ہمیں عطا کیا گیا ہے اور خدا کی رضایابی تھی۔ اسلام کی بڑی بڑی شخصیتیں ہمارے خاندان میں پروان چڑھی ہیں۔ علی مرتضیٰ وصی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سید الشہداء حمزہؓ، قتیلِ احدؓ، جعفر طیار شہیدؓ، امتِ مسلمہ کے فرزندانِ عظیم حسن و حسینؓ جو سردارِ جوانانِ بہشت ہیں اور مہدی موعودؑ جو عالم اسلام کی از سر نو تشکیل فرمائیں گے۔ سب کے سب ہمارے خاندان میں سے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر اسلام اور قرآن مجید کے لانے والے بھی بنی ہاشم ہی سے ہیں۔“

کیا نیریدان تمام افتخارات کو ہم سے چھین سکتا ہے اور ان کو اپنے یا اپنے خاندانِ نبو امیہ کے نام منسوب کر سکتا ہے۔ کیا وہ ان تمام فضائل و مناقب کے باوصف ہمیں تاریخِ عالم سے محو کر سکتا ہے۔ کیا وہ اپنے آپ کو دینِ خدا کے مخلص ترین افرادِ علیؓ، حمزہؓ، جعفر، حسین علیہم السلام کے رُودپ میں ظاہر کر سکتا ہے؟ کیا وہ ہمارے اس تعلق سے انکار کر سکتا ہے جو ہمیں مکہ، منیٰ، زمزم، صفا، سعی، طواف، مسجدِ اقصیٰ، سدرۃ المنہی، قبابِ قوسین، شجرۃ طوبیٰ اور وحیِ آسمانی سے ہے۔ کیا اس پاک و پاکیزہ شریعت اور ان شہانِ نبویؐ کا



بنیان گزار میرے سوا اور کوئی بھی ہو سکتا ہے؟

سجود کا وضع خراب تو ہو رہی تھی۔ یزید انجام سے بے حد خائف ہوا۔ اور اس نے آپ کا سلسلہ کلام قطع کرنے کے لیے مؤذن کو اذان کا حکم دیا۔ آپ نے مجبوراً احترام کلام خدا کے لیے خاموشی اختیار فرمائی۔

مؤذن نے کہا: اللہ اکبر اللہ،

امام علیہ السلام نے بالائے منبر سے فرمایا: خداوند قدوس سے بزرگ تر اور عظیم تر ہستی کوئی نہیں۔

مؤذن نے کہا: اشہد ان لا الہ الا اللہ۔

آپ گویا ہوئے: میرا گوشت پوست، میرا خون اور میرے جسم کا رواں رواں خدا کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے۔

مؤذن نے پھر کہا: اشہد ان محمد رسول اللہ۔

آپ اس موقع کے منتظر تھے۔ آپ نے عمامہ سر سے اتارا اور فرمایا: تجھے انہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم کہ جن کی رسالت کی تو نے گواہی دی۔ تھوڑی دیر خاموش ہو جا۔ اس وقت آپ نے یزید کی طرف اپنا رخ مبارک موڑا اور کہا: اسے یزید، یہ پیغمبر اکرم تمہارے جد ہیں یا ہمارے جد؟ اگر تو کہے کہ میرے جد ہیں تو سب جانتے ہیں کہ تو جھوٹ بولتا ہے اور اگر تو کہے کہ ہمارے دادا ہیں تو تو نے میرے والد کو کیوں قتل کروایا ہے۔ ان کا مال و اسباب کیوں لوٹا ہے اور ان کی عورتوں، بچوں کو کیوں قیدی بنایا ہے یہ کہہ کر آپ نے اپنا گریبان چاک کر لیا۔ اور فرمایا: خدا کی قسم میرے سوا دنیا میں کوئی بھی رسول خدا کو اپنا جد نہیں کہہ سکتا۔ پھر کیوں اس شخص نے میرے والد امام حسین علیہ السلام کو خنجر ستم سے شہید کر دیا اور ہمیں روم کے غیر مسلموں کی طرح قیدی بنا لیا۔ پھر یزید کو مخاطب کر کے کہا: اے یزید! تو اس ظلم عظیم کا مرتکب ہوا ہے۔ یہ اندر ہناک حادثہ



تیری وجہ سے ہوا ہے۔ تو کس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول اللہ کہتا ہے اور  
 رو بہ قبلہ کھڑا ہوتا ہے؟ افسوس ہے تم پر، جب روز قیامت میرے جدا اور والد تیرے  
 خلاف دادخواہی کریں گے۔

یزید نے حکم دیا کہ اقامت کہی جائے، لیکن مسجد کا اجتماع درہم برہم ہو گیا۔ متعدد  
 لوگوں نے نماز نہ پڑھی اور عالم پریشانی میں ادھر ادھر چلے گئے۔ یہ  
 اس واقعے کے بعد یزید نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ جناب  
 سید سجاد علیہ السلام کو ایک مخصوص باغ میں لے جا کر قتل کر دیا جائے اور میت کو خفیہ  
 طور پر دفن کر دیا جائے۔ لیکن آپ کی کرامت سے اللہ تعالیٰ نے اس جلاؤ کو ہلاک کر دیا  
 اور آپ کے لیے کھودی ہوئی قبر میں وہ خود دفن ہو گیا۔

آپ کی موقع شناسی، اس خطبے سے جھلکنے والا آپ کا صریح لہجہ، اور روحانی عظمت  
 و جرات تعجب انگیز ہے۔ اس قسم کے خطبات نے ہی واقعہ کربلا کو بار آور کیا اور لوگوں کے  
 دلوں میں بنی امیہ کے ظالموں کے خلاف نفرت بھردی۔

اسیران کربلا نے بڑی محنت سے تیار کردہ طریق کار کے مطابق اپنے اوپر عائد ہونے  
 والے فرائض کو کوئٹہ و شام اور دوسرے مقامات پر بحسن و خوبی انجام دیا۔ جہاں کہیں  
 انہیں لوگوں کو خطاب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے مصائبِ آلام  
 کو فراموش کر کے حقائق کو اس طرح کھلم کھلا بغیر کسی خوف کے بیان کیا کہ دشمن کے لیے  
 ان سے انکار اور ان کو چھپانا ممکن نہ رہا۔

فہم کے حالات جناب سید سجاد علیہ السلام اور حضرت زینب علیا کی شعلہ بیانیوں  
 اور خطباتِ بلیغ کی وجہ سے مکمل طور پر تبدیل ہو گئے۔ لوگوں نے یزید کو اس ظالمِ عظیم کے

۱۔ کمال بہائی ج ۲ ص ۳۱۰۔ نفس المہوم ص ۲۴۲۔ بجا ر ج ۲۵ ص ۱۳۸

۲۔ نفس المہوم ص ۲۴۲



ارتکاب پر گالیاں دینا شروع کر دیں اور اس بد عملی پر مورد تنقید بنایا۔<sup>۱</sup>

عباس محمود عقاد لکھتے ہیں: یزید کو سب سے زیادہ سرزنش اس کے افراد خاندان نے کی اور اس کو سخت سست کہا۔<sup>۲</sup>

معاملہ یہاں تک پہنچا کہ عماد الدین طبری کے مطابق اہل دمشق اس کوشش میں تھے کہ وہ یزید کے محل پر دھاوا بول کر اسے قتل کر دیں۔ چنانچہ مروان بن حکم نے جو ان گھڑے ہوئے حالات پر نظر رکھتا تھا، یزید کو کہا کہ اب ان (اہل بیت علیہم السلام) کا شام میں مزید رہنا تیرے لیے سود مند نہیں۔<sup>۳</sup>

اگر اسیران اہل بیت علیہم السلام اس قسم کے جرات مندانہ خطبے ارشاد نہ فرماتے تو حالات اس طرح دگرگوں نہ ہوتے۔ قاتلان شہدائے کربلا اس قدر ذلیل و خوار نہ ہوتے اور حسین مشن جو بنی امیہ کی بیخ کنی اور انسانیت کو درس ابدی دینے کے لیے تھا۔ ان شاندار نتائج سے ہرگز ہم کنار نہ ہوتا۔<sup>۴</sup>

جلال الدین عبدالرحمن سیوطی "الجامع الصغیر" میں رسول خدا سے روایت کرتے ہیں: اذا اراد الله انفاذ قضاة و قدره سلب ذوی العقول عقولهم حتی ینفذ فیہم قضاة و قدره فاذا مضى امره مراد الیہم عقولہم و وقعت الندامة۔<sup>۵</sup>  
یعنی جب خداوند عالم قضا و قدر کو انجام دینا چاہتا ہے تو خرد مندوں کی عقل ان سے سلب فرمالتا ہے تاکہ ان سے متعلق قضا و قدر انجام پالے۔ پھر عقل ان کو واپس دے دیتا ہے تو اس وقت وہ اپنے کیے پر ناوم ہوتے ہیں۔

خداوند عالم نے یزید اور دوسرے قاتلان امام حسین علیہ السلام سے ان کی عقل لے

<sup>۱</sup> کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۰۰

<sup>۲</sup> ابراہیم شہدائے ص ۱۹۷ ترجمہ معزی

<sup>۳</sup> کامل بہائی جلد ۲ ص ۳۰۲ ط جدید

<sup>۴</sup> الجامع الصغیر ص ۱۸ باب الف طبع مصر



لی تھی تاکہ ان زبردست و قوی مبلغوں کو شہر بہ شہر لیجائیں اور اپنے ہاتھوں اپنی رو سیاہی اور زوال و بربادی کے سامان مہیا کر لیں۔

## مدینہ منورہ کو اسیروں کی واپسی!

بالآخر یزید مجبور ہو گیا کہ وہ ابن زیاد کو کربلا کے خونیں معرکے کا اصل ذمہ دار قرار دے کر بظاہر اس سے بیزاری کا اظہار کرے اور اس پر لعنت بھیجے۔ شیخ مفید لکھتے ہیں یزید نے جناب سجاد علیہ السلام کو بلایا اور کہا: خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت بھیجے، خدا کی قسم اگر میں آپ کے والد کے روبرو ہوتا تو وہ جو کہتے اسے مان لیتا اور جہاں تک ممکن ہوتا ان کے قتل سے باز رہتا، لیکن تقدیر یہی تھی کہ ایسی صورت حال پیش آئے۔ آپ مدینہ جا کر اپنی ہر ضرورت مجھے لکھ سکتے ہیں۔ اور پھر نعمان بن بشیر صحابی کو کہا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو اہل بیت کے ہمراہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھی جائزہ لیا جائے کہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے یہ بزرگ کس حالت میں وارد مدینہ ہوئے۔ مدینہ سے باہر امام علیہ السلام اہل مدینہ کے روبرو کس طرح ہوئے اور ان سے کیا گفتگو فرمائی۔

جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے داخل مدینہ ہونے سے قبل ایک شخص بشیر بن جندلم کو شہر میں بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو شہادت امام حسین علیہ السلام اور روید سجاد علیہ السلام سے باخبر کر دے۔ اس شخص کی نوحہ خوانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہادت امام علیہ السلام کے اعلان سے اسناد واقعہ کربلا میں ایک سند کا اضافہ اور کر دے اور شہر مدینہ کو جو کہ ان اسیروں کی واپسی کا ہمیشہ سے منتظر تھا۔ نالہ و فریاد اور جوش و خروش سے پُر کر دے۔ اور تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کر دے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر داخل مدینہ ہوا اور باواز

لے ارشاد ص ۲۳۱ کیا ابن زیاد ہی واقعہ کربلا کا اصل ذمہ دار تھا اور یزید کو اس معاملہ سے آگاہی تھی یا نہیں؟ اس پر آئندہ باب میں بحث ہوگی۔



بلند روتے ہوتے ہوئے کھنے لگا۔

یا اهل یثرب لا مقام لکم بہا قتل الحسین فادعی مدراہ

الجسم منہ بکر بلاء مضر ج والواؤس منہ علی القناتہ یدار

اسے اہل مدینہ تم اس شہر میں کس امید پر رہ رہے ہو، حسین علیہ السلام قتل کر دیے گئے ہیں۔ میری آنکھیں اشکبار ہیں۔ ان کا جسم کربلا میں خون میں لت پت ہے اور ان کا سر مبارک نیزے پر شہروں میں پھرا گیا ہے۔ اس کے بعد کہا میں علی بن الحسین کا پیغامبر ہوں۔ وہ اہل بیت رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ شہر کے باہر مقیم ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی مرد اور عورتیں بیرون شہر روانہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ راستے مسدود ہو گئے۔ اور مدینہ کے حالات غیر معمولی طور پر دوگر گون ہو گئے۔ لوگوں نے جب امام عالی مقام علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر حزن و ملال اور ان کو گمراہ کنان دیکھا تو اس قدر نالہ و شہیون کیا کہ زبان و قلم سے اس کو بیان کرنا دشوار ہے۔ آپ نے ان کو اشارے سے خاموش کر لیا اور ارشاد فرمایا:

حمد بے پایاں ہے اُس خدا کے لیے جو مخلوق کا پروردگار، روز جزا کا مالک اور

خلیق کا آفریدگار ہے۔ وہ خدا جس کے ادراک سے عقل عاری ہے جس کی عظمت

و بلندی کے سامنے آسمان پست ہیں۔ وہ اللہ جو سینوں کے رازوں کا امین ہے۔

میں پروردگار عالم کا ان شدید حوادث، سخت مصائب الم انگیز نامساعد حالات

اور دردناک آلام پر بے حد و حساب تشکر بجا لاتا ہوں۔

اے لوگو! میں جس خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں۔ اس نے ہمیں شدید مصائب

و مشکلات سے دوچار کر دیا۔ اسلام کی عمارت میں بہت بڑا شکان پیدا ہو گیا ہے

میرے والد ابابعد اللہ اور ان کے ساتھی شہید کر دیے گئے۔ ان کی خواتین اور بچوں

کو قیدی بنا لیا گیا۔ ان کے سر اقدس کو نیزے پر بلند کر دیا گیا۔ ان کو شہر بہ شہر پھرایا



گیا۔ یہ وہ مصیبت عظیم ہے جس کی کوئی نظیر نہیں، تم میں سے کون لوگ ہیں جہان کی شہادت پر خوش ہوں گے اور وہ کون سے دل ہیں جہان کے غم میں ملول نہ ہوں گے اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہوگی۔

اے گروہ مردم، ہمیں منتشر و پریشان کر دیا گیا۔ وطن سے دور ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا گویا ہم کافر اور دین سے خارج ہیں۔ اگرچہ ہم نے کوئی گناہ نہ کیا تھا۔ ہم محرمات تو کیا، مکروہات کے مرتکب بھی نہ ہوئے تھے۔ ہم نے دین کی بنیادوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا۔ ہمارے آبانے بھی ایسی مشکلات برداشت نہیں کیں اور یہ سب کچھ (دشمنوں کے لیے) دھوکہ تھا۔ خدا کی قسم، اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان (دشمنوں) کو ہم سے جنگ کا حکم دیتے تو وہ اس کے علاوہ اور کوئی کام نہ کرتے۔ فان الله وانا اليه راجعون۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر یہ مصیبت کتنی عظیم، دردناک، طاقت سوز، تلخ اور دشوار تھی۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان شدید مشکلات و مصائب برداشت کرنے پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ وہ ذات قادر و توانا ہے وہی ظالموں سے مظلوموں کا انتقام لینے والی ہستی ہے۔

جناب سید سجاد علیہ السلام نے اس خطبے میں واقعہ کربلا کی تفصیل اور قاتلانِ امام حسین علیہ السلام کے وحشی پن اور ظلم و ستم سے مسلمانانِ مدینہ کو آگاہ فرمایا۔ آپ نے دشمن کی ذلت و پستی اور خاندانِ نبوت کی سر بلندی و سرفرازی کو اظہر من الشمس بنا دیا۔ تاکہ یہ مقدس مشن کائنات کے بجز ناپیدا کنار ہیں اپنا مقام بنالے۔ شہیدانِ راہِ حق اور شعلہ بیانِ خطبہ گوؤں کی شخصیتیں صفحاتِ تاریخ پر ہمیشہ ہی درخشاں و تابندہ رہیں۔

امام چہارم کا کلام تکمیل کو پہنچا اور اہل بیت رسالت علیہم السلام اپنے اپنے گھروں میں



داخل ہوئے۔ راہِ حق میں اپنا پدہ نہ جان پیش کرنے کا اعزاز امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی شہدا کے لیے صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہو گیا اور دشمن کے حصے میں ابدی ذلت و سوائی آئی۔

## کیا زید قتلِ امام حسین علیہ السلام سے بخیر اور ناخوش تھا؟

اربابِ تاریخ اور مقاتل نویسوں نے لکھا ہے: جب خانوادہ نبوت کے اسیروں کو شام لے جایا گیا اور حادثہ کربلا کو زید کے گوش گزار کیا گیا تو اس نے گردن جھکا کر سوچنا شروع کر دیا اور پھر کہا: اگر تم حسین علیہ السلام کو قتل نہ کرتے تو بھی میں تمہاری اطاعت گزار می سے خوش ہو جاتا، اگر میں تمہاری جگہ وہاں ان کے روبرو ہوتا تو میں انہیں قتل نہ کرتا اور ان سے چشم پوشی کرتا۔ یہ بھی مذکور ہوا ہے کہ زید نے واقعہ کربلا جب سنا تو کہا: مجھے نہ تو اباعبداللہ علیہ السلام کے خروج کا علم ہے نہ ان کے مارے جانے کی اطلاع۔

اس قسم کی روایات شیعہ اور سنی دونوں قسم کے مؤرخین نے نقل کی ہیں۔ اسی بنا پر بعض لوگ زید کو اس سلسلہ میں ذمہ دار نہیں سمجھتے اور اس کو اس گناہ کبیرہ سے مبرا گردانتے ہیں۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو اس سے بری اور ابنِ مرجانہ کو گناہ گار سمجھتا تھا۔

اس کے برعکس دوسرا گروہ ابنِ زیاد کی ان تمام بد اعمالیوں کو زید کے احکام کے مطابق سمجھتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ حقیقت کس طرف ہے؟ کیا زید کو کیے کرانے گناہ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور اس کی تمام تہ ذمہ داری ابنِ مرجانہ پر ہے، یا ان تمام مظالم کا ارتکاب حکمِ زید سے کیا گیا ہے؟ اور ابنِ زیاد نے صرف اس کے احکام پر عمل کروایا ہے؟ ہم معتبر ناخندوں



سے دستیاب روایات کا ذکر یہاں کریں گے تاکہ اصل حقیقت واضح ہو اور ان دنوں مکاتیب فکر میں سے حق پر کون ہے۔

۱۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم یعقوبی اپنی مشہور اور مستند تاریخ میں لکھتے ہیں: جب حسین ابن علی علیہما السلام مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے تو یزید نے اپنے حاکم ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حسین علیہ السلام اہل کوفہ کی دعوت پر مکہ سے کوفہ کی طرف محو سفر ہیں۔ تیرے اور تیرے شہر کے لیے یہ بڑی آزمائش ہے۔ اگر تو حسین (علیہ السلام) کو قتل کر دے تو کیا ہی اچھا ہو، ورنہ جان لے کہ میں تجھے تیرے دادا عبید کے نسب کی طرف لوثا دوں گا۔

۲۔ عزالدین ابن اثیر نے تاریخ کامل میں مسافرین شریح سے روایت دینج کی ہے کہ یزید کی ہلاکت اور بصرہ میں بغاوت کے بعد میں ابن زیاد کو شام لے گیا۔ راہ میں میرے سوال کے جواب میں اس نے کہا: میں نے حسین (علیہ السلام) کو اس لیے شہید کیا کہ یزید نے مجھ کو اپنی یا حسین (علیہ السلام) کی ہلاکت میں سے ایک کو انتخاب کرنے کا حق دیا تھا۔ میں نے ان کے قتل کو منتخب کر لیا۔

۳۔ ابن صباغ مالکی، ابن طلحہ شامی اور سید مومن شبلنجی اور دوسرے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ ابن زیاد نے جب امام حسین علیہ السلام کے ورور کو ہلاکی اطلاع پائی تو مندرجہ ذیل مضمون کا خط انھیں ارسال کیا:

امیر المؤمنین یزید نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس وقت تک نہ آرام سے سوؤں اور نہ ہی سیر ہو کر کھانا کھاؤں جب تک آپ یزید کی حکومت کو تسلیم نہ کر لیں ورنہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ والسلام

۱۔ تاریخ کامل ج ۲ ص ۳۲۳ واقعات سال ۶۲ ہجری۔ تاریخ طبری میں اس واقعہ میں رد و بدل کیا گیا کیا گیا ہے۔ عبدالوہاب بخاری نے حاشیہ کامل میں اس پر اعتراض کیا ہے۔

۲۔ انفسول المہمہ ۲۰۱۔ مطالب السؤل ص ۷۵۔ نور الابصار ص ۱۲۹

۳۔ عقد الفرید ص ۲۱۸



۴۔ ابن عبد زبہ اندلسی عقد الفرید میں لکھتا ہے: امام حسین علیہ السلام حکومت یزید سے ناخوش اور ناراض عازم کوفہ ہوئے۔ یزید نے اس کی اطلاع موصول ہونے پر ابن زیاد کو لکھا مجھے خبر ملی ہے کہ حسین علیہ السلام کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ اب تم دونوں میں سے ایک راہ اختیار کر لو یا توسعی و کوشش کرو اور اپنی حکومت کو باقی رکھو، نہیں تو غلاموں کی سی صورت اختیار کر لو۔ ابن زیاد نے اس خط کو پانے کے بعد امام علیہ السلام کو شہید کر کے ان کا سر مبارک یزید کے پاس بھیج دیا۔

۵۔ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں: واقعہ کربلا کے بعد یزید نے ابن زیاد کو شام بلایا اور اسے بہت سامان و دولت اور بے بہا و بیش قیمت تحایف سے نوازا۔ اور اس کو اتنا قرب بخشا کہ اپنے حرم میں اسے داخلے کی اجازت دی۔ ایک رات وہ حالت نشہ میں جبکہ ابن زیاد اس کی دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا، ساتی مجلس کو مخاطب کر کے کہ رہا تھا:۔

اسقنی شربہ تروی مشاشی	ثم مل فاسق مثلها بن زیاد
صاحب السر والامانة عندي	ولتسديد مغنمي وجهادي
قاتل الخاسر جى اعنى حسينا	ومبيد الاعداء والحساد

یعنی مجھے وہ جام شراب پلا کہ جو میری نرم ہڈیوں کو سیراب کرے۔ ابن زیاد کو بھی ایسا ہی جام دے۔ یہ میرا راز دار اور با اعتماد ساتھی ہے۔ میری خلافت کی بنیاد اس کے ہاتھوں استوار ہوتی ہے۔ یہی ہے جس نے باغی حسین (علیہ السلام) کو قتل کیا اور میرے دشمنوں اور بدخواہوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

قارئین کرام خود ہی انصاف سے کام لیں کہ کیا ان تمام شواہد مذکورہ کے بعد بھی یزید کا دعویٰ صحیح گردانا جاسکتا ہے؟ کہ اسے امام حسین علیہ السلام کے علم بغاوت بلند کرنے اور



ان کی شہادت کی کوئی اطلاع نہیں اور حادثہ کربلا اس کی آگاہی کے بغیر ہی وقوع پذیر ہوا ہے۔ اگر وہ ابن زیاد کی جگہ ہوتا تو امام علیہ السلام کو شہید نہ کرتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یزید کی یہ باتیں سچ ہیں تو اس نے ابن زیاد کو معزول کیوں نہ کر دیا؟ اور اس کو سزا کیوں نہ دی؟ اس کو اپنا ہمراز و امین کیوں کہا اور اس قدر مال و دولت اور تحائف سے اُسے کیوں نوازا؟ اگر وہ واقعہ کربلا سے بے خبر تھا اور اس سے ناراض و ناخوش تھا تو اس نے امام علیہ السلام کے سر مبارک کو دفن کیوں نہ کر دیا؟ اور آپ کی شہادت پر فخر و مباہات کا اظہار کیوں کیا؟ اس نے آپ کی شہادت کو اپنے بدر کے قاتلوں کا انتقام شمار کیا اور اپنی چھڑی کو آپ کے دندان مبارک پر کیوں مارا؟ آخر یہ سب اس نے کیوں کیا؟

یزید نے ابن زیاد پر لعنت کی اور اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔ پھر امام زین العابدین علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے کہا: مجھے سانحہ کربلا کی مطلق خبر نہیں ہوئی۔ ظالم حکمرانوں کی صدیوں سے یہی عادت اور سیاست ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو دوسروں کے نامہ عمل میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بے گناہ ظاہر کرتے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ ایک طرف ظالم دستگیر حکمران اپنے غیر انسانی اعمال کو اپنے عمال کے ذمے لگا دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ مطیع و فرماں بردار عمال بھی المأمور معذور کے مصداق اپنے آپ کے بے جرم و بے خطا اور ظلم و ستم سے مبرا ظاہر کرتے ہیں۔ یزید نے اپنے حکم سے شہدائے کربلا کو شہید کروانے کے بعد مناسب یہی سمجھا کہ اپنے آپ کو بے گناہ ظاہر کرے اور کہے: مجھے تو اس واقعے کی کوئی خبر نہیں، مرجانہ کے بیٹے نے میرے حکم کے بغیر ہی یہ سب کچھ کیا ہے۔

طلحہ حسین لکھتے ہیں: راویوں نے لکھا ہے کہ یزید اپنے آپ کو ان حالات میں حسین علیہ السلام کے قتل سے بری سمجھتا تھا اور اس کا ذمہ دار ابن زیاد کو کہتا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں اس کو کوئی سزا نہ دی گئی۔ اس کے اختیارات میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ اس



سے قبل معاویہ نے بھی حجر بن عدی کو بے جرم و بے خطا قتل کروانے کے بعد اس کی ذمہ داری زیادہ پر ڈالتے ہوئے کہا تھا: سمیہ کے بیٹے (زیاد) نے مجھے اس کام پر مائل کیا تھا۔

عباس محمود عقاد لکھتے ہیں: حسین علیہ السلام کے تمام خاندان کو ختم کرنے کا پروگرام اس طرح وضع کیا گیا تھا کہ یزید عملی طور پر اس میں کوئی حصہ نہ لے، بلکہ اپنے عمال و حکام کے وسیلے سے اس میں ہاتھ ڈالے تاکہ جب چاہے اس بدنامی کے داغ سے خود کو بچا سکے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ تمام مورخین کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخ کا دامن ایسے کسی واقعے سے خالی ہے کہ یزید نے اپنے عمال یا امرا اور سپہ سالاروں یا لشکریوں میں کسی کو کر بلا میں توڑے جانے والے مظالم کی بنا پر سرزنش کی ہو یا سزا دی ہو۔ بلکہ اس کی حکومت کا نظام امرا اور لشکریوں کے انہی ظالمانہ طور طریقوں پر چلتا رہا جو کر بلا میں اختیار کیے گئے تھے۔

## اس دور کے لوگوں پر مقدس حسینی مشن کے اثرات

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اعزا و اقارب اور اصحاب با وفا کے ساتھ روز عاشورا جام شہادت نوش کیا اور اہل بیت علیہم السلام قید و بند کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ یہ سب کچھ ایک ہی دن میں ہو گیا۔ مسلمان شہروں میں اپنی زندگی کے معمولات پورے کر رہے تھے۔ خلافت نے اس کی اطلاع گرد و نواح میں لوگوں کو اس لیے دی کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور حکومت کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں نہ لائیں اور یہ جان لیں کہ حکومت کے خلاف تحریک چلانیوالے خواہ ان کا قائد حسین ابن فاطمہ (علیہا السلام) ہی ہو، فتنہ پرور اور مفسد سمجھے جائیں گے۔ ان لوگوں سے امن عامہ کو خطرہ لاحق ہوگا۔ حکومت کا فرض ان کی سرکوبی ہے اور وہ اس فتنہ



کے خاتمے کی کوشش میں حق بجانب ہے۔

اس حساب سے تو امام حسین بن علی علیہما السلام مغلوب و شکست خوردہ اور ان کے بالمقابل یزید کامیاب و فاتح شمار ہوگا۔ لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ اس نے تاریخ کا ایک نیا باب لکھ دیا۔ اس کے اثرات بڑی تیزی اور سرعت سے دور دور تک پھیل گئے جیسے ایک موج طوفانی سمندر میں دور تک پھیل جاتی ہے۔ ان حیران کن تیز رفتار اثرات نے ان تصورات اور غلط اندازوں کو درہم برہم کر دیا۔ اور بالآخر مکمل و قطعی کامیابی امام حسین علیہ السلام کے لیے اور ابدی ذلت و رسوائی اور شکست یزید کے لیے محسوب ہو گئی۔ اور یہ حقیقت اس قدر واضح و روشن ہوئی کہ کسی کے لیے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

قرآن پاک میں ارشاد باری ہے :

وَلِيَنْصُرِنَا اللَّهُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ الَّذِينَ أَنْ مَكْنُفُو

فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا

عَنِ الْمُنْكَرِ۔ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔ (سورہ حج آیت ۳۰، ۳۱)

جو لوگ خدا کی مدد کرتے ہیں تو خداوند تعالیٰ ان کی مدد ضرور کرتا ہے اور وہ تو ان کو قوی

ہے۔ خدا کے مددگار وہ لوگ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں قدرت اور شان و شوکت دے

دی جائے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ لوگوں کو اچھے کاموں کی

دعوت دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور تمام کام خدا کے حکم سے انجام

پاتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سید الشہداء علیہ السلام ترویج دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فروغ کے

لیے سر بکھن میدان کر بلا میں آئے اور شہید ہو کر دین الہی کی مدد کی۔ ظاہر ہے اپنے وعدے کے مطابق

خدا نے بھی ان کی مدد فرمائی اور ساقی حق میں ان کی اس قربانی کو بار آور کیا۔ امام عالی مقام کی کامیابی

و کامرانی اس احترام کا نتیجہ ہے جو انسانی فطرت کو حق اور حقیقت کے سلسلے میں ودیعت کیا



کیا گیا ہے۔ خدا پرستی، عدل و انصاف، عمل، عظمت، عزت نفس، غیرت مندی اور انسان دوستی وہ حقائق ہیں جن کا احترام انسان کا ضمیر ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اور کرتا رہے گا۔

آج تک دنیا کی کسی قوم کو کسی سب سے زیادہ اور ظالم و جابر انسان کی قدر دانی اور اس سے محبت اور کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا! اور اگر لوگوں کے سامنے کسی ایسے انسان کی جھوٹی تعریف کی جائے اور وہ بھی اس سے محبت اور اس کا احترام کرنے لگیں تو یہ اس سبب سے ہوتا ہے کہ لوگ اس جھوٹے پراپیگنڈے کے زیر اثر اس (ظالم و جابر) کو اچھائیوں اور خوبیوں کا حامل سمجھنے لگتے ہیں۔ حقیقت میں یہ احترام اور توصیف ان اچھی عادات کے لیے ہوتی ہے جن کا لوگوں کو اس شخص کی نسبت گمان ہوتا ہے۔ انسان کو اس معاملے میں تمیز کرنے یا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، بلکہ انسان کی فطرت اور وجدان کا تقاضا ہوتا ہے جو قدرت کی طرف سے اسے ودیعت کی گئی ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی فتح و کامرانی باطل پران کے غلبے اور یزید کی حقیقی شکست نے اسی سبب سے لیا۔ کیونکہ آپ ایمان و عدل اور اعلیٰ انسانی صفات کے مقام بلند پر فائز تھے جہاں زوال کا گزرنہ یزید ذلت و فرومانگی اور ظلم و ستم کی وجہ سے اس پست ترین مقام پر تھا کہ انسانی ضمیر کسی صورت بھی اس کی فتح کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

یہاں ہم سید الشہداء کے مشن کے اثرات کا جائزہ لیں گے۔ اور عالم بشریت کے لیے جو درس اس میں مضمحل ہے اس کی وضاحت کریں گے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب ہم پانی کو آگ پر رکھتے ہیں تو کھولنے سے پہلے اس کی تہ میں سے بلبلیے اوپر کی طرف آتے ہیں اور سطح پر آتے آتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس طرح پانی آہستہ آہستہ جوش کھانے لگتا ہے۔

کسی معاشرے کی ظالم حکومت کے خلاف بغاوت اسی کی مثال ہے۔ اول اول حکومت کے اقدامات پر تنقید، ناپسندیدگی کا اظہار، عدل و انصاف کا مطالبہ اور خواہی تو دیگر میں اٹھنے والے بلبلیوں کی مانند ہیں۔ اطراف سلطنت سے ہونے والے یہ مطالبات آہستہ آہستہ شدید ہوتے جاتے ہیں اور بالآخر معاشرے کی دیگر اُبلنے لگتی ہے۔ اور ظلم کی طاقتور



س قدر ہنچھوڑا جاتا ہے کہ وہ معاشرے سے یوں نکل جاتے ہیں جیسے اُبلتی ہوئی دیگ سے بے مصرف جھاگ باہر گر جاتی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد فوراً ہی احتجاج کی صدا میں بلند ہونے لگیں۔ ورنہ بنی امیہ کی منحوس سلطنت کے اراکین کو ان کے مقام و مرتبے سے گرانے کا پیش خمیہ نہیں۔ شان بن انس ابھی قتل گاہ امام عالی مقام سے باہر نہ نکلا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا: تو نے حسین ابن علی، رسول خدا کی بیٹی فاطمہ علیہا السلام کے فرزند کو قتل کیا ہے۔ تو نے اس ہستی کا رشتہ جسم و جاں منقطع کیا ہے کہ جو تمام عرب میں افضل ترین ہے۔ جو یہاں بنی امیہ کو اس کے اقتدار سے محروم کرنے آیا تھا۔ اب تو اپنے آقاؤں کے پاس جا اور اپنا انعام لے۔ جان لے کہ اگر وہ اپنے تمام تر خزانوں کو قتل حسین (علیہ السلام) کے انعام میں تجھے دے دیں تو بھی بہت کم ہو گا۔

اس قسم کی باتوں سے ان کی مذمت اور پریشانی کا اظہار ہوتا ہے ورنہ انھیں امام علیہ السلام کی توصیف کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی ان کے لیے عرب کی عظیما ہستی درنواسہ رسول کے الفاظ استعمال کرنے کی احتیاج۔

جس وقت اہل لشکر تاراجی خیم اہلبیت علیہم السلام کے لیے بڑھے تو بنی بکر بن اہل کی ایک عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ لشکر ابن سعد میں موجود تھی، اس دلخراش منظر کی تاب نہ لاسکی اور تلوار اٹھا کر خیم کی طرف دوڑ پڑی۔ وہ چلا رہی تھی۔ اسے اہل بنی بکر بن وائل کیا تمھارے لیے جائز ہے کہ تم دیکھتے رہو اور بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کے نیچے لوٹ لیے جاتیں۔ حکومت صرف خدا کے لیے ہے۔ کوئی ہے؟ جو فرزند رسول کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ اس کے شوہر نے اس کو پکڑ لیا اس کو اس کے نیچے میں پہنچا دیا۔



خولی بن یزید روز عاشورا وقت عصر ہی امام عالی مقام علیہ السلام کا سر مبارک لے کر  
 کوٹنے روانہ ہو گیا۔ تاکہ ابن زیاد کے پاس لے جائے۔ لیکن وہ تاخیر سے پہنچا۔ رات  
 ہو جانے کی وجہ سے محل کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور  
 ایک جگہ رکھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ اس کی بیوی نے پوچھا: آج کے حالات کیسے رہے؟  
 اس نے کہا: حسین (علیہ السلام) کا سر لے آیا ہوں۔ اتنا انعام اور معاوضہ لوں گا کہ ہمیں  
 زندگی بھر کے لیے کسی قسم کی احتیاج نہ رہے گی۔ اس عورت کا دل لرز اٹھا اور اس  
 نے کہا افسوس ہے تجھ پر..... فرزند پیغمبر (علیہما السلام) کا سر لے آیا ہے؟ خدا کی  
 قسم میں کبھی اس تکبے پر تیرے سانس نہ رکھوں گی۔ یہ کہا اور بستر سے اٹھ گئی۔

زید بن ارقم صحابی نے جب ابن زیاد کو سر مبارک امام علیہ السلام کے ساتھ بلاوی  
 کرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے فریاد کرتے ہوئے کہا: حسین علیہ السلام کے دندان  
 مبارک سے اپنی چھتری ہٹالے۔ بخدا میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر  
 بوسے دیتے دیکھا ہے۔ جب وہ دربار زیاد سے باہر نکل رہے تھے تو انھوں نے کہا:  
 اے قوم عرب! آج کے بعد تم اپنی آزادی کھو بیٹھو گے اور غلاموں کی طرح رہو گے۔  
 تم نے فرزند فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کو قتل کر دیا ہے اور ابن مرجانہ کو اپنا امیر بنا لیا  
 ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ وہ تمہارے اشراف کو کیسے قتل کرے گا اور مفسدوں اور شرپو  
 کو اپنی خدمت پر مامور کر کے انھیں بد اعمالیوں کا موقع دے گا۔

کربلا کے خونچکان واقعے پر لوگوں کے ابتدائی رد عمل کے یہ مختلف نمونے تھے۔  
 اس کی ابتدا امام علیہ السلام کے دشمنوں سے ہوئی اور پھر اس میں رفتہ رفتہ وسعت  
 ہوتی گئی۔



ابن زیاد واقعہ کربلا سے لوگوں کو مطلع کرنے کے لیے کوفے کی جامع مسجد میں گیا اور  
 منبر پر بیٹھ کے لوگوں سے کہا: الحمد لله الذی اظهر الحق واهله ونصر  
 امیر المؤمنین یزید وحبزبه وقتل الکذاب ابن الکذاب وشیعته۔  
 خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے حق اور اہل حق کو فتح دی۔ امیر المؤمنین یزید اور اس  
 کی جماعت کی مدد کی اور کاذب ابن کاذب کو اس کے ساتھیوں اور پیروں کے ہمراہ  
 ہلاک کر دیا۔

ایک محقق کے مطابق اگر اس موقع پر تاریخ ابن زیاد کا تھوڑا سا بھی ساتھ دے دیتی  
 اور اسی مجلس میں اس کو جواب نہ دیا جاتا تو ممکن ہے یہ تقریر جو مسلمانوں کے امیر نے  
 مسلمانوں کی مسجد میں مسلمانوں کی موجودگی میں کی تھی ایک مدت تک لوگوں کو شک و شبہ  
 میں مبتلا رکھتی..... کہ شاید حقیقت ایسے ہی تھی..... اور حق اس شخص کے ساتھ ہی  
 تھا جس نے خانہ خدا میں بالائے منبر سے اس واقعہ پر اس شد و مد سے خدا کا شکر ادا کیا  
 لوگ سوچتے کہ حسین ابن علی (علیہما السلام) کو قتل کر کے اچھا کام کیا گیا ہے۔ لیکن تاریخ  
 نے یہاں بھی اپنا فرض ادا کیا۔ اور اس سے پیشتر کہ ایک شخص بھی مسجد سے باہر جاتا  
 ایک جاں نثار اور سر بکف مسلمان سے اس کا جواب دلوادیا۔

ابن زیاد اپنی بات جاری رکھنا چاہتا تھا کہ عبداللہ بن عقیف ازومی جو شیعیان  
 امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام میں سے تھے، اٹھ کھڑے ہوئے اور با آواز  
 بلند کہا: یا ابن مرجانہ ان الکذاب من الکذاب انت و ابوک والذی و  
 لاک و ابوه یا ابن مرجانہ اتقتلوت ابناء النبیین وتکلمون بکلام الصدیقین<sup>ؑ</sup>

۱۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۲۹۔ ارشاد مفید ص ۳۵۱۔ عربی متن ارشاد مفید سے نقل کیا گیا۔

۲۔ بررسی تاریخ عاشورا ص ۱۳۴

۳۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۱۔ ارشاد مفید ص ۲۲۹







نے کیا کارگزاری دکھائی ہے؟ بولے، ان کے اٹھارہ فرد ہمارے شہر کے قریب آئے ہوتے تھے ان سب کو ہم نے قتل کر دیا۔ یہ ان کے سر ہیں اور یہ ان کی عورتیں۔ بچائی نے کہا: تم روز قیامت میں میدانِ مال محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم ہو گئے ہو۔ آج کے بعد میں کسی کام میں تمہاری مدد نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے چلا گیا۔

یزید کی بیوی ہند بنت عبد اللہ عامر نے جب سنا کہ امام علیہ السلام کا سر مقدس یزید کے سامنے آیا گیا ہے تو وہ شدتِ غم سے ہراساں ہو کر مجلس یزید میں آئی اور کہا: اے امیر المؤمنین! کیا یہ ظلمتِ رسول کے فرزند حسین (علیہ السلام) کا سر ہے؟ کہا۔ ہاں۔ اس پر گریہ کر۔

مصری مصنف عباس محمود عقاد لکھتا ہے:

سناٹہ کر بلا کو ابھی زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ یزید کو اس کے خاندان کے افراد نے ہی سب سے زیادہ بُرا بھلا کہا۔ اس نے دیکھا کہ بچی برادر مروان بن حکم بھری مجلس میں اٹھ کھڑا ہوا اور نوحہ خوانی شروع کر دی۔ پھر اس نے اس کے فرما بردار اور جاں نثار غلام ابن زیاد پر سب کے سامنے زبانا طعن دراندگی۔ یزید نے دیکھا کہ اس کی عورتوں اور فرزندوں نے اس الم ناک واقعے کو سننے کے بعد رونا دھونا شروع کر دیا ہے اور ان کی آہ و زاری نے اس کو سکون و آرام سے محروم کر دیا ہے۔ سب سے بُری حالت میں اس نے اپنے فرزند و لبنا اور جانشین معاویہ کو دیکھا جس کی آنکھیں اس وقت سے خشک نہ ہوئی تھیں جب سے اس نے کربلا کا دلخراش واقعہ سنا تھا۔ اگر اس سے اس کے نالہ و شیون کا سبب پوچھا جاتا تو وہ یہ بہانا بنا دیتا کہ وہ کربلا کے شہیدوں کے لیے نہیں بلکہ اپنے اموی آبا کے لیے روتا ہے۔

شیخ مفید اور طبری نے نقل کیا ہے کہ جب ابن زیاد نے سید الشہداء علیہ السلام کا سر مبارک یزید کے پاس بھیجا تو عبد الملک بن حارث کو حکم دیا کہ وہ مدینہ روانہ ہو جائے اور حاکم مدینہ عمرو بن سعید عاص کو حسین (علیہ السلام) کے قتل کا مژدہ سناتے۔ عبد الملک نے معذرت کی اور کہا بہتر ہے اسے



اس سے معاف رکھا جائے۔ لیکن ابن زیاد نے اسے ڈرا دھمکا کر راضی کر لیا اور اس کی جوتی میں چند درہم رکھ کر کہا، بہانہ سازی نہ کرو۔ جلد روانہ ہو جاؤ۔ تاکہ تم سے قبل یہ خبر مدینہ نہ پہنچ سکے۔

عبدالملک کہتا ہے: جب میں مدینہ میں داخل ہوا تو قریش میں سے ایک شخص نے مجھے دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ میں عراق سے آ رہا ہوں۔ اس نے پوچھا: عراق سے کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا۔ خبر حاکم مدینہ کے لیے ہے اسی سے کہی جائے گی۔ (اس قریشی نے جان لیا کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے) وہ بولا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حسین ابن علی علیہ السلام شہید کر دیے گئے۔

جب میں عمرو بن سعید کے پاس گیا تو اس نے کہا: عراق سے کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا وہ خبر لایا ہوں جو امیر کو خوش حال کر دے گی۔ حسین ابن علی (علیہما السلام) قتل ہو گئے۔ اس نے کہا۔ جاؤ اور لوگوں کو اس کی اطلاع دے دو۔ میں باہر آیا اور لوگوں سے باوا ز بلند کہا: حسین ابن علی (علیہما السلام) عراق میں قتل کر دیے گئے۔ خدا کی قسم! اس خبر سے زنانہ بنی ہاشم کے گھروں سے اس قدر زور کی آواز گریہ بلند ہوئی کہ میں نے تمام عمر نہ سنی تھی۔۔۔۔۔ پس میں حاکم کے پاس آیا تو اس نے مجھے دیکھ کر اور زنانہ ہاشمی کے نالہ و فریاد کو سُن کر ہنستے ہوئے کہا:

عجت نساء بنی زیاد عجة

كعجج نسوتنا غداة الامان

زنانہ بنی زیاد نے آہ و فغاں کی جیسے ہماری عورتوں نے جنگ ارنب میں صبحِ حرب کی تھی۔ پھر کہا: ہذہ واعیة بواعیة عثمان۔ آج ہاشمی عورتوں کی گریہ و زاری اس نالہ و فریاد کا بدلہ ہے جو بنی امیہ کی عورتوں نے عثمان کی شہادت پر کیا تھا۔

۱۵ یہ شعر عمرو بن معدیکرب کا ہے۔ ارنب کی جنگ بنی زبیر اور بنی زیاد کے درمیان ہوئی تھی۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۵۶  
۱۶ تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۵۶ - ارشاد ص ۲۳۱ - ۲۳۲



عمر بن سعید حاکم مدینہ نے یہ بات طنز اور تشنیع سے کہی تھی۔ وہ خوشی سے پھولانہ سماتا تھا۔ اس کے بعد وہ منبر پر چڑھ گیا اور لوگوں کو سرکاری طور پر شہادت امام علیہ السلام کی خبر دی اور زید کے لیے دعائے خیر کی۔ اس اموی حکمران نے طنز سے قطع نظر، شہادت عثمان کو بھی خاندان علی بن ابیطالب کے ذمے لگایا۔ بہتر ہے اس کا جواب عباس محمود عقاد مصری مصنف سے سنیں :

وہ اپنی کتاب ابوالشہداء میں حاکم مدینہ کی اس طنز کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے : اس طنز کا اطلاق حسین علیہ السلام پر کسی صورت میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے عثمان اور ان کے افراد خانہ کو پانی پہنچانے اور دشمنوں سے ان کے دفاع کے لیے سعی و کوشش کی اور اس میں کئی ایک شدید ضربات آپ کو لگیں۔ حاکم مدینہ کی یہ باتیں احمقانہ طنز کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے طرز عمل اور اس کی طنز میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

ابن زیاد نے عبدالملک کو بہت اصرار کے بعد مدینہ بھیجا تھا۔ حاکم مدینہ نے اس سانحہ کا اعلان انتہائی خوشی سے لوگوں کے سامنے کیا۔ اور زنان ہاشمی کے نالہ و شیون کا مذاق اڑایا۔ لیکن ابن زیاد کو معلوم تھا کہ حاکم مدینہ کو کہ وہ لوگوں کے دل میں کیسے بیج بوری ہے ہیں اور کس انتشار و افتراق کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں ؟

اس طرح اہل مدینہ شہادت امام علیہ السلام سے واقف ہوئے۔ ہاشمی خواتین نے نوحہ خوانی شروع کر دی۔ دل اس صدمے سے پھٹ پڑے۔ ام لقمان بنت عقیل اپنی بہنوں کے جھرمٹ میں گھر سے باہر نکلیں وہ رو رو کر کہہ رہی تھیں :

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ تم جو کہ اُمتِ آخر الزماں ہو، میری موت کے بعد تم نے میرے خاندان سے کیا سلوک کیا ؟ تم نے ان کی خواتین کو اسیر کر لیا۔ ان کے مردوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور ان کو ان کے پاکیزہ خون میں نہلا دیا ہے۔ میری خیر خواہی کا کیا یہی بدلہ تھا کہ تم نے



میرے خاندان کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا۔ شہر کی صورت حال بتدریج بدلتی گئی۔ مجالس عزا برپا ہوئیں۔ مرد بھی بنی ہاشم کی عورتوں اور مردوں کے ساتھ آہ و زاری میں شریک ہو گئے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ امام سجاد علیہ السلام اسیران کربلا کے ساتھ شام سے واپس آ گئے۔  
 طہ احسین لکھتے ہیں:

جب حسین علیہ السلام پر ٹوٹنے والے مصائب کی خبر حجاز پہنچی تو لوگوں پر خصوصاً صالح اور نیکو کاروں پر بہت گراں گزری۔ لوگ بیک دل اور بیک زباں ہو کر کہہ رہے تھے: یزید خدا تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت میں بہت آگے نکل گیا ہے۔ اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ جب بھی ممکن ہو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دینا چاہیے۔ چنانچہ حجاز میں ابن زبیر کو مقبولیت حاصل ہوئی..... یزید اس کوشش میں تھا کہ جس طرح اس نے حسین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے نجات حاصل کی ہے اسی طرح ابن زبیر سے بھی چھٹکارا پالے۔ اسی اثنا میں اسے مدینے کے حالات خراب ہونے کی خبر موصول ہوئی کہ لوگ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں اور وہ کھلم کھلا اس کے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔ یزید نے اپنے متعین کردہ حاکم کو لکھا کہ اہل مدینہ کا ایک نمائندہ وفد شام بھیجا جائے۔ جب یہ گروہ اس کے پاس آیا۔ اس نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ ہر فرد کو پچاس ہزار دینار بخشے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جس کام کو ایک ہاتھ سے خراب کر چکا ہے دوسرے ہاتھ سے درست کر لے گا۔ لیکن اہل مدینہ کے یہ نمائندے جب واپس آئے تو انہوں نے لوگوں کو صاف صاف بتایا کہ ہم ایک فاسق و فاجر کے پاس سے آئے ہیں جو شراب پیتا ہے کبھی نماز نہیں پڑھتا۔ نفسانی اور شہوانی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔ اس کی محفل میں ساز

۱۵ ارشاد مفید ص ۲۳۲

ماذا فعلتم وانتم احرا لامر

منہم اساری وقتلی ضر جو ابدم

ان تخلفونی بسوعنی ذوی رحمی

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم

بمسترتی ویاہلی بعد مفتقدی

ماکان ہذا جزائی اذ نصحت لکم



بجائے جاتے ہیں اور کینز میں گانا گاتی ہیں۔

یہ باتیں بکے پہنچیں تو ابن زبیر نے اس کی برائیوں میں اور اضافہ کر کے لوگوں کو بتائیں۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے شورش کر دی اور یزید کے مقرر کردہ حاکم شہر کو باہر نکال دیا۔ یزید کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا رہنما عبد اللہ بن حنظلہ تھا۔ جس کو کثرت زہد و تقویٰ کی وجہ سے "راہبِ اُمت" کا لقب دیا گیا تھا۔ اس نے لوگوں سے کہا:

اے گروہِ مردم! خدائے واحد سے ڈرتے رہو، خدا کی قسم، ہم یزید کے خلاف بغاوت نہ کرتے، اگر ہم اس بات سے نہ ڈرتے کہ ہم پر آسمان سے سنگ باری ہوگی۔ یزید وہ شخص ہے جس کی دست بردِ شہوت سے اس کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں بھی محفوظ نہیں۔ وہ شراب پیتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا بخدا، اگر ایک فرد بھی میرا ساتھ نہ دے تو میں اکیلا ہی علمِ بغاوت کو بلند رکھوں گا اور خوشنودی خدا کے لیے اس سے دست کش نہ ہوں گا۔

یزید نے جو کہ ابھی حادثہ کر بلا سے بھی نہ سنبھل سکا تھا، ایک ذلیل اور قتل و غارت کرنے والے شخص کو مدینے کی بغاوت فرد کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس کا نام مسلم بن عقبہ تھا۔ اسے حکم تھا کہ وہ انقلابیوں کو سرے سے ہی ختم کر دے۔ اور لوگوں کو یزید کی بیعت کی تجدید پر مجبور کرے۔ اور اگر وہ اس کے جواب میں حیل و حجت سے کام لیں تو تین دن کے لیے ان کا قتل عام کیا جائے۔ ان کا مال و دولت لوٹ لیا جائے۔ اور ان کی عزت و ناموس کو سپاہیوں کے لیے مباح سمجھا جائے۔ یزید کا حکم تھا کہ اہل مدینہ سے کہا جائے کہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ وہ امیر المومنین یزید کی بیعت کرتے ہیں اور اس کی بندگی و غلامی کا وعدہ کرتے ہیں تاکہ اُسے ان کی جان و مال اور ناموس پر حق تصرف حاصل رہے۔ اہل مدینہ



نے استقامت اختیار کی لیکن زیادہ دیر تک خونریز جنگ کی تاب نہ لاسکے۔ موسمِ برقیعہ نے ان کی شکست کے بعد شہر مدینہ پر حملہ کر دیا۔ ابنِ قتیبہ کے ہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق جانی نقصان کی تفصیل یہ ہے :

انصار و مہاجرین اور رؤسائے شہر میں سے (۱۷۰۰) ایک ہزار سات سو اور باقی اہالیانِ شہر میں سے (۱۰۰۰۰) دس ہزار نفوس مارے گئے۔ اس ہنگامے میں مارے جانے والے بچوں اور عورتوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔

اس لشکر کے سپاہیوں نے جس سیہ کاری اور وحشیانہ پن کا مظاہرہ کیا اس میں سے ایک واقعہ بطور نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک سپاہی ایک انصاری کے گھر میں داخل ہوا۔ جس میں ایک عورت اور اس کے نوزائیدہ بچے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اس نے عورت سے پوچھا۔ کوئی مال و زر تمہارے پاس ہے؟ کہا۔ نہیں۔ خدا کی قسم ہمارے لیے کوئی چیز لشکریوں نے باقی نہیں چھوڑی۔ سپاہی بولا۔ بخدا! تمہیں میرے لیے کوئی نہ کوئی چیز لانا ہوگی ورنہ میں یہاں ابھی ابھی تمہیں اور تمہارے بچے کو قتل کر دوں گا۔ خوفزدہ عورت نے کہا۔ ہائے افسوس! یہ بچہ تو ابنِ ابی کبشہ انصاری کا ہے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ابھی عورت کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ اس ظالم نے ماں کی آغوش سے دودھ پیتے بچے کو چھین کر دیوار پر دے مارا اور اس کا ننھا سا سر ٹکڑے سے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گیا۔

اموی حکمران چاہتے تھے کہ شہروں میں ہونے والی شورشوں، کہہ قیمت پر انتہائی سختی سے دبا دیا جائے۔ لیکن بتدریج قوتِ مدافعت ان میں کم ہوتی گئی اور بنی امیہ کی شان و شوکت زوال پذیر ہو گئی۔ ان کے ظلم و ستم اور وحشیانہ پن نے اتر حالات کو اور دگرگون کر دیا۔

۱۷ ابراہیم الشہداء ص ۲۰۱، ۲۰۳ تھوڑے سے روو بدل کے ساتھ یہ واقعہ تاریخ طبری، یعقوبی، کامل اور الامامہ والیاستہ میں نقل ہے۔



## آتشِ انتقام

۶۳ھ میں کہ ابھی واقعہ کربلا کو چار سال بھی نہ ہوئے تھے، یزید ہلاک ہو گیا اور وارو  
جنم ہوا۔ بنی امیہ کی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ تو ابین کی جماعت نے، جو کافی عرصے پہلے  
خفیہ طور پر تشکیل ہوئی تھی اور جس کا مقصد ظالموں کے خلاف بغاوت تھی، اپنی سرگرمیاں شروع  
کر دیں۔ ابن زیاد جو ان دنوں بصرہ کا حاکم تھا، شرمناک طریقے سے فرار ہو کر شام کی طرف  
روانہ ہو گیا۔

بہت جلد مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کی سربراہی میں ایک جماعت قائم ہوئی جس کا  
مقصد قاتلانہ شہدائے کربلا سے انتقام لینا تھا۔ لوگ اپنے گناہوں کی تکفیر اور امام حسین علیہ السلام  
کی معاونت میں ان سے جو کوتاہی ہوئی تھی اس کی تلافی کے لیے مختار کی حمایت پر آمادہ ہو گئے۔  
کربلا میں ظلم و ستم کرنے والوں سے انتقام کی ابتدا ہو چکی تھی۔ خدا تعالیٰ نے دستِ انتقام کو ان پر  
مسلط کر دیا۔ ان کو شکنجے میں کئے اور ان کے قتل کو ان کے اعمال کا بدلہ شمار کیا گیا۔ مختار ثقفی  
نے عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص کا سر قلم کر دیا اور کہا میں نے امام حسین علیہ السلام  
کا انتقام عمر بن سعد سے اور علی بن الحسین علیہما السلام کا انتقام اس کے بیٹے سے لیا ہے۔  
لیکن ان شہیدانِ باصفانے جو مصائب و آلام برداشت کیے وہ ان ملاء عنہ کے قتل کے  
مساوی نہیں ہو سکتے۔

مختار نے امام علیہ السلام کے شیر خوار بچے کے قاتل حرملہ کو پکڑ لیا اور کہا: خدا کا  
شکر ہے کہ میں نے تجھے پکڑ لیا ہے۔ اس کے بعد اس کے حکم سے اس کے دونوں ہاتھ اور  
پیر کاٹ دیے گئے۔ اور پھر اس کو آگ میں جلا ڈالا۔

۱۔ بحار ج ۴۵ ص ۳۲۶، الامامہ والسیاستہ ج ۲ ص ۲۴

۲۔ بحار ج ۴۵ ص ۳۲۶



جو آتش انتقام مختار کے ہاتھوں بھڑکی تھی اس نے معرکہ کربلا کے تمام ظالموں کو اپنا  
لقمہ بنا لیا نہ صرف ابن مرجانہ، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن، خولی بن یزید بلکہ ان کے تمام  
ساتھی بھی کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

عقاد مصری کے بقول: جس کسی نے بھی دست تعدی دراز کیا ہو، طعن و تشنیع کی ہو،  
مال و اسباب لوٹا ہو یا ایسا کام کیا ہو جس سے سانحہ کربلا میں شرکت کا ثبوت ملتا ہو۔ تو  
اس کو وہ اس کی بد اعمالیوں اور سیہ کاریوں کا دوگنا بلکہ چوگنا بدلہ دیتے تھے۔

وہ مزید لکھتے ہیں مختار اور ان کے ساتھی ان ظالموں کو سزا دینے میں اس قدر کوشش کرتے  
تھے کہ معاملہ قتل و غارت سے گزر کر گھروں کو دیران کرنے، جلانے اور جسموں کو نذر آتش کرنے تک پہنچ  
گیا۔ وہ فرار ہونے والوں کا تعاقب کرتے اور وہ جب بھی ہتھے چڑھتے تو انہیں گرفتار کر کے ان کے جرائم  
کی پاداش میں قتل کر دیتے۔ مختار اور ان کے ساتھیوں کے ذریعے ان ظالموں پر جو ایذا ہیں اور  
مشکلات اور گونا گوں مصائب روار کھے گئے ان کو داد گری اور عدالت کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا  
جاسکتا۔

مختار نے ابن زیاد کا سر امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں مدینے بھجوا دیا۔ روایت  
ہے کہ سید الشہدہ کی شہادت کے بعد سے آپ کے چہرہ مبارک پر کبھی تبسم نہ آیا تھا، لیکن اس روز  
ابن زیاد ملعون کے سر کو دیکھ کر فرمایا: "خدا تعالیٰ اسے آتش جہنم میں مقام دے" اس کے بعد یہ طور  
شکرانہ اہل مدینہ میں پھیل تقسیم کیا اور خانوادہ عصمت و طہارت نے اس دن سوگ بڑھا دیا۔

## مختار کے بارے میں تحقیق

شیخ ابو عمر و کشی نے اپنی کتاب "رجال" میں سدید صیرفی کی امام محمد باقر علیہ السلام سے

اٹھ تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۴ ط بیروت  
۱۱۵، احوال مختار



مردی یہ روایت درج کی ہے۔ مختار پر دشنام طرازی نہ کرو کہ اس نے ہمارے شہیدوں کے قاتلوں کو قتل کیا ہے اور ہمارے انتقام کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ انھوں نے ہماری بیوگان کا نکاح کر دیا۔ بیت المال میں سے وہ ہمارے خاندان میں تنگدستی و عسرت میں روپیہ تقسیم کرتا تھا۔ اسی مصنف نے حبیب ختمی سے روایت کی ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے میں نے سنا ہے کہ "مختار امام چہارم پر بہتان باندھتا تھا"

مسعودی نے لکھا ہے: "مختار نے جناب علی بن الحسین السجاد کو لکھا کہ وہ ان کی بیعت کرنا چاہتا ہے اور لوگوں کو انھیں امام تسلیم کرنے کی دعوت دینے کی خواہش رکھتا ہے۔" اس کے ساتھ اس نے خطیر رقم بھی امام علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کی، لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور اس کے خط کا جواب بھی تحریر نہ فرمایا۔ مسجد نبوی میں اسے لوگوں کے سامنے دروغ اور فاجر کہا۔ اور فرمایا: یہ اس طریقہ سے حالات اپنے لیے سازگار بناتا ہے۔ مختار جب ان سے مایوس ہوا تو محمد حنفیہ کو خط لکھا اور اس سے بھی یہی مطالبہ کیا۔ لیکن جناب سید سجاد علیہ السلام نے محمد حنفیہ کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ اور فرمایا: اس کے ظاہر اور باطن میں تضاد ہے۔ مختار کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور علمائے شیعہ میں اس کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ علامہ امینی نے کتاب الغدير میں ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: "علمائے بزرگ میں سے سید بن طاووس، علامہ حلی، ابن داؤد، ابن نما، محقق اردبیلی، صاحب معالم، اور قاضی نور اللہ نے اس کو سراہا ہے۔ مفتی المقال میں ابو علی نے ان پر اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے اس کے متعلق تالیف ہونے والی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ضمنی طور پر وہ لکھتے ہیں: شہید اول نے جو زیارات اس کے متعلق درج کی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ دور گزشتہ میں مختار کی قبر زیارت گاہوں میں شمار ہوتی تھی۔"

۱۔ رجال کشی صفحہ ۱۱۵ احوال مختار۔

۲۔ الغدير ج ۲ ص ۲۲۳ بعد۔

۳۔ مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۹۸



جامع الرواة میں مرحوم اردوبیلی نے مختار کی مدح اور مذمت میں روایات درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ اُسے دشنام طرازی کا نشانہ نہ بنانا چاہیے لیکن اس کی روایات پر بھی یقین نہ کرنا چاہئے۔ علامہ مجلسی نے بخاری میں لکھا ہے: مختار ایمان و ایقان میں درجہ کمال پر فائز نہ تھا اور اس نے جو کچھ کیا وہ ائمہ دین کی اجازت سے نہ کیا تھا۔ لیکن چونکہ بہت سے نیک کام اس کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئے جن سے مومنین کی تالیفِ قلوب ہوئی لہذا بالآخر اس کے اعمال نجات پر منتج ہوئے اور اس آیت شریفہ کے دائرے میں آگئے کہ وَاٰخِرُونَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا مَالًا وَاٰخِرًا مِّمَّا عَسَىٰ اَللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: میں ان کے بارے میں مذہب ہوں۔ اگرچہ شیعہ عمائدین عموماً ان کی تعریف کرتے ہیں۔

لبنانی عالم محمد جواد مغنیہ الشیعہ والتشیع میں بہت سی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان سب باتوں کے باوجود بھی علامہ مجلسی سے اتفاق کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ اگرچہ مختار ایمان و ایقان میں درجہ کمال پر فائز نہ تھا..... الخ

مصنف کہتا ہے: شہدائے کربلا کے قاتلوں سے انتقام لینے کے عمل میں ہم مختار کی نیت کا علم نہیں رکھتے۔ بہتر ہے ہم اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ اپنے بندوں کا حال وہی جانتا ہے۔ اور ان کے درمیان انصاف فرماتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ مختار کا عمل بہر صورت انتقام خدا تھا۔ خداوند قدوس نے ہی اس کو ان ظالموں پر مسلط کر دیا تھا۔ اگر وہ اس جدوجہد میں اخلاص نیت رکھتا تھا اور خداوند عالم کی رضا کا طالب تھا تو بہت بہتر اور اگر وہ اپنی خلافت کے قیام کے لیے حالات کو سازگار بنانا چاہتا تھا۔ تو

۱۰ جامع الرواة - مختار

۱۱ کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے گناہوں کا اقرار کر لیا، مگر انہوں نے کچھ اچھے اور کچھ برے کاموں کو بوجھ لگا کر کیا کہ

خدا ان کی توبہ قبول فرمائے۔ (سورہ توبہ آیت ۱۰۲)

۱۲ بخاری ج ۲۵ ص ۳۲۸ ط جدید ۱۳ الشیعة والتشیع ص ۶۲ ترجمہ کسان



ہمراہ بیان عبد اللہ بن زبیر اور آل ابی سفیان کی زبردست مخالفت اور عداوت کا سامنا کرتے ہوئے لوگوں کی حمایت اور امداد کے حصول کے لیے یہی کچھ کر سکتا تھا جو اس نے کیا۔ پھر بھی ہم اس کی بغاوت اور ظالموں سے بدلہ لینے کو خدائی انتقام قرار دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بد عملوں کو نجات نصر کے ہاتھوں سزا دی۔ اور قرآن پاک میں اس عمل کو اپنا عمل قرار دیا اور فرمایا: بعثنا علیکم عبادنا اولی باس شدید ہم نے تم پر اپنے کچھ بندوں (نجات نصر اور اس کی فوج کو) مسلط کر دیا۔

## کربلا کے عظیم مشن سے اخذ نتائج میں ائمہ علیہم السلام کا کردار

کربلا میں جس انقلاب عظیم کی بنیاد رکھی گئی اس سے ائمہ علیہم السلام نے جو نتائج اخذ کیے اور جس انداز میں بہرہ اندوزی کی وہ قابل غور و فکر ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک نئے باب کا آغاز کیا اور لوگوں کے لیے اس کی تبلیغ زندگی کے غروری درس کی حیثیت سے کی۔ زیارت کربلا، عزاداری، مصائب سید الشہداء پر گریہ اور ان مصائب کے تذکرے سے متعلق اپنے پیروکاروں کو مفصل احکامات دیے۔ زیارت عاشورا و اربعین، قاتلان امام عالی مقام پر لعنت اور پانی پیتے وقت آپ کی پیاس کو یاد کرنے سے متعلق وصیتیں فرمائیں۔ ان شعراء سے رحمت و مغفرت کا وعدہ فرمایا جو خانوادہ اہل بیت علیہم السلام کے مکتب فکر اور سانچہ کربلا کو اپنے اشعار میں بیان کرتے تھے۔ وہ ان کی سرپرستی بھی فرماتے تھے۔

محققین میں سے ایک کا کہنا ہے:

ائمہ اطہار علیہم السلام شہادت سید الشہداء کے بعد لوگوں کو آپ کی شہادت گاہ کی زیارت کی تلقین فرماتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ روایات سے ایسا

۱۰ سورة بنی اسرائیل آیت ۵



معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام زیارت امام حسین علیہ السلام کو اسلام کی رگ حیات تصور کرتے تھے۔ سفر حج میں جان کی سلامتی کی ضمانت کو شرط و جوہ قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ تمام فقہانے ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس کربلا کے سفر زیارت کو اس وقت زیادہ باعث ثواب قرار دیا۔ جب وہ زیادہ خطرناک ہو اور دشمن کی مخالفت و ممانعت شدید تر ہو۔ ایسے پرخطر سفر عراق کی زیادہ سے زیادہ رغبت دلائی اور اجر عظیم کا سبب قرار دیا۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ حج جیسا عظیم مذہبی فریضہ تو خطرات میں باعث اجر و ثواب نہ ہو اور زیارت کربلا کی اس وقت بھی تاکید کی گئی ہے جب موت اور قتل ہونے کا امکان نوے فیصد ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حالات میں اس دور میں ائمہ علیہم السلام فریضہ کی ادائیگی اور زیارت بیت اللہ کی بقا کو حائر حسینی کی زیارت میں مضمر سمجھتے تھے وگرنہ اس کی اور کوئی وجہ نہ تھی۔

امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو کوئی ہم اہل بیت علیہم السلام کے مصائب تک تذکر کرتا ہے اور ان پر گریہ کرتا ہے۔ وہ روز قیامت ہمارے ساتھ ہوگا۔ جو کوئی بھی ہمارے مصائب کو یاد کر کے روتا ہے یا رلاتا ہے تو روز قیامت جب لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہوں گی۔ اس آنکھ اشک ریز نہ ہوگی۔ جو ہمارے مجلس ذکر میں قدم رکھے گا تو اس کا دل اس دن فنا نہ ہوگا۔ جو دن افراد کے دل مرجائیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مسموع نامی شخص سے فرمایا۔ اے مسموع تو اہل عراق سے ہے کیا تو قبر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں بصرہ مشہور و معروف ہوں اور لوگ وہاں خلیفہ وقت کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہمارے دشمنوں



ناصبیوں اور دوسروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ سلیمان کے بیٹوں کے سامنے میری غیبت کریں گے۔ اور عرصہ حیات کو عجب پر تنگ کر دیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا تم مصائب کو بلا کو یاد کرتے ہو۔ کہا: جی ہاں۔ فرمایا: ان پر گریہ کرتے ہو؟ اس نے کہا: خدا کی قسم، میری آنکھیں اتنی اشک نشانی کرتی ہیں کہ گھر کے افراد اس کا اثر میری صورت پر محسوس کرتے ہیں۔ ان آلام کی یاد مجھے کھانے سے روک دیتی ہے۔ ارشاد فرمایا: خدا تعالیٰ تیرے اشکوں کو باعث رحمت قرار دے۔ جان لے کہ تو ان تمام شیعوں میں سے ہے جو ہمارے لیے آہ و فغاں کرتے ہیں۔ ہماری خوشی میں خوش اور غم میں غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ جب ہم حالت خوف میں ہوں تو وہ بھی خوف محسوس کرتے ہیں اور ہمارے امن و سکون میں انھیں ایک گونہ سکون ملتا ہے۔ تم وقت نزع میرے بزرگوں کو دیکھو گے کہ وہ تشریف لا کر تمہارے لیے ملک الموت کو وصیت کریں گے۔

اس سلسلے میں جو کچھ بیان ہوا اس کے بغور جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ کرام علیہم السلام نے واقعہ کربلا کی اس انداز سے تبلیغ کی اور اس کو ایسا مقام عطا کیا کہ اس کی تاثیر آج بھی ویسی ہی جیسے صدیوں پہلے تھی اور آئندہ بھی اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ بلا کے قاتلوں کو مختار بن ابی عمیر نے کیفر کردار تک پہنچایا۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس کشت و خون اور قصاص سے بھی مقصد پورا نہ ہوا۔ امام حسین علیہ السلام کا مقدس خون اسی طرح اُبل رہا تھا۔ وہ موج کی طرح ہر کہ دمہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا اور بنی اُمیہ کے ارکان حکومت کو لرزہ بر اندام کر رہا تھا۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے علاوہ تمام خلفائے اموی



کی حکومت بے حد ناپائیدار رہی اور وہ یکے بعد دیگرے رو بہ زوال ہو گئے۔  
 عبدالملک کے زمانے میں حالات ظاہری طور پر پرسکون ہو گئے۔ لیکن اس  
 کے نمائندے حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر کی گرفتاری کے بہانے خانہ کعبہ  
 کو منہدم کر دیا اور اس عمل نے مسلمانوں اور اہل حجاز کی امویوں سے نفرت میں اور  
 اضافہ کر دیا۔

عوام کا طرز فکر بنی امیہ کے حق میں نہ تھا۔ عبدالملک کے بعد یہ حکومت فنانوں  
 ڈول ہو گئی۔ عباسی سلطنت کی تشکیل خفیہ طور پر ہو گئی اور بالآخر مروان حمار آخری  
 خلیفہ اموی کے قتل سے یہ گھٹیا اور پست قسم کا خاندان دائرہ خلافت اسلامی سے  
 نکال دیا گیا۔ احمد سفاح نے امویوں کے قتل کو اپنے مذمورہ معمولات میں شامل کر لیا۔ ان دنوں بنی امیہ میں سے  
 اسی فرد احمد سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کے پاس آئے۔ عبداللہ نے انہیں واقعہ کربلا کی  
 یاد دہانی کروائی اور ان کے اسلاف کی شہید کاریوں کا تذکرہ کیا اور پھر ان کے قتل کا حکم دے  
 دیا۔ ان میں سے ایک نے فریاد کی۔ ہم قرابت دار اور افراد قوم ہیں۔ اپنوں سے یہ  
 ظالمانہ سلوک کسی طرح بھی جائز و مناسب نہیں۔ عبداللہ نے جواب دیا: افسوس!!  
 حسین ابن علی علیہما السلام کو شہید کرتے وقت قرابت داری کیا ہوتی تھی؟ اس کے  
 بعد ان کے بے جان جسموں پر فرش بچھا دیا گیا۔ اور عباسی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان  
 پر بیٹھ گیا۔ اور کھانا کھانے لگا۔ جبکہ ان کی لاشیں فرش کے نیچے تڑپ رہی تھیں۔ اس  
 موقع پر عبداللہ نے حاضرین سے کہا: بنی امیہ پر یہ بُرا وقت حسین بن علی (علیہما السلام)  
 کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے آیا ہے۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام  
 کی شہادت ہر جگہ درد زبان تھی۔ اور اراکینِ ظلم کی بنیادوں کو متزلزل کر رہی تھی۔ سفاح

۱۔ البتہ خلفتے بنی امیہ کی اولاد میں سے کچھ اُنڈلس بھاگ گئے اور وہاں حکومت قائم کرنی۔  
 ۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۷۸۔ بیروت



نے اپنے چچا عبداللہ کو لکھا تھا: بنو امیہ سے اپنے خاندان کا انتقام لے لیجئے۔ وہ بنو امیہ کی قبریں کھود کر ان کی ہڈیوں کو نذر آتش کر دیا تھا۔ ہشام بن عبدالملک کے خطوط شدہ جسم کو قبر سے باہر نکال کر اس پر ایک سو پتلیں کوڑے لگوائے۔ پھر گرز سے اس کو ریزہ ریزہ کر کے آگ لگا دی گئی۔

اس کے بعد اس نے کہا: میرا باپ علی ایک دن نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کے کندھے پر سے چادر اتر گئی تو میں نے ان کی پشت پر تازیانوں کے نشان دیکھے۔ جب وہ نماز تمام کر چکے تو میں نے کہا: ابا جان! آپ کے جسم پر اتنے نیل کیوں پڑے ہیں؟ کہا: بیٹے، ہشام بن عبدالملک نے مجھے ساٹھ ڈڑے مارے ہیں۔ یہ نشانات ان ہی کے ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے بعد میں نے خدا کی قسم کھا کر یہ عہد کیا تھا کہ اگر میں کبھی بنو امیہ پر غالب آ گیا تو ہر کوڑے کے بدلے ہشام کو دو کوڑے لگاؤں گا۔

اگرچہ قبریں کھودنا اور مردوں کو جلانا شرعی طور پر ناجائز ہے لیکن جب دست انتقام دراز ہوتا ہے تو وہ ان امور کو پیش نظر نہیں رکھتا۔ لیکن یہ کہ بدلہ لینے والا عدل اور دیندار کا دامن نہ چھوڑ دے۔

آخری اموی خلیفہ مروان حمار کے قتل کے بعد، عباسی نمائندے حامر نے اس کی عورتوں، بیٹیوں اور کنیزوں کو صالح بن علی کے پاس بھیج دیا جو احمد سفاح کا چچا تھا جب صالح کے پاس پہنچیں تو مروان کی بڑی لڑکی نے کہا: اے امیر المومنین کے چچا، خدا تعالیٰ دین و دنیا میں آپ کا حامی و ناصر ہو، ہم آپ کی بھتیجیاں اور بیٹیاں ہیں ہمیں آزاد کر دیجئے۔ صالح نے جواب دیا۔ تم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

کیا تمہارے باپ نے میرے بھتیجے ابراہیم کو قتل نہیں کیا؟ کیا ہشام عبدالملک نے زید بن علی کو شہید نہ کیا تھا؟ اور ان کو کوفے کے قریب کناسہ میں دار پر نہیں لٹکایا تھا؟ کیا زید بن زید نے یحییٰ بن زید کو خراسان میں قتل کر کے نہیں لٹکایا۔ کیا بداحول بن زیاد



نے مسلم بن عقیل کو شہید نہیں کیا؟ کیا یزید ابن معاویہ نے حسین ابن علی علیہ السلام کو ان کے ہمراہیوں سمیت شہید نہیں کروایا؟ اور اہلبیت رسول خدا کو قیدی بنا کر ان سے روم اور فرنگ کے غیر مسلم قیدیوں جیسا سلوک روا نہیں رکھا؟ اور کون سی مصیبت باقی رہ گئی ہے جو تم نے ہم بنی ہاشم پر نہیں توڑی۔

اس کتاب میں ہمارا مقصد تاریخی واقعات کا بیان نہیں۔ لیکن واقعہ کربلا کے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ہم مجبوراً تاریخ کی تیزی سے ورق گردانی کرتے ہیں۔

دنیا میں دنیا طلب اور خود غرض گروہوں میں جب بھی تصادم ہوا تو اس کا نتیجہ اکثر یہی نکلا کہ ظالموں کا ایک گروہ ختم ہوا اور دوسری جماعت نے اس کی جگہ لے لی۔ عباسی وہ گروہ ستمگار تھا جنھوں نے ظالم امویوں کی جگہ سنبھال لی تھی۔ اور اس عمل میں بنی امیہ نے خدا تعالیٰ کی کبھی نہ بدلتے والی سنت کے مطابق ہر اس تلخی کا مزا چکھا جس سے انھوں نے دوسروں کو دوچار کیا تھا۔ اور ہر اس مصیبت و مشکل سے ان کا سابقہ پڑا جو ان کے ہاتھوں دوسروں پر نازل ہوئی تھی۔ ان کی وسیع و عریض سلطنت ایک انسان کی طبعی عمر سے بھی کم ناپائدار ثابت ہوئی اور ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔

امویوں کے زوال کے بعد سانحہ کربلا عباسیوں کے خرمین کی آگ بن گیا۔ وہ جنھوں نے کہ بنی امیہ کی سرکوبی کے لیے مقدس حسینی مشن سے استفادہ کیا تھا خود اس کی وسعت پذیری اور اثر و نفوذ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی سوچتے لگے۔ بنی امیہ کی طرح عباسیوں نے بھی لوگوں کو زیارت امام حسین علیہ السلام سے باز رکھنے کی سعی کی۔ انھوں نے کربلا کی راہ میں متعدد چوکیاں بنا دی تھیں۔ مشہد حسینی کی نگرانی کے لیے ہر وقت مسلح آدمی موجود رہتے تھے۔ وہ زائرین کو گرفتار کر کے انھیں شکنجوں میں کس دیتے اور یہ پاک دل مومن بہت کم ہی اس مصیبت سے زندہ بچتے۔ بہت کم ہاتھ ایسے تھے جو قطع نہ ہوئے اور بہت



کم سرا ایسے تھے جو قلم نہ کیے گئے۔

متوکل عباسی نے ویزج نامی شخص کو حکم دیا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کا نشان  
شاگرد سر زمین کر بلا میں بل چلا کر اس میں پانی چھوڑ دے۔

متوکل عباسی کو امام حسین علیہ السلام سے کیا دشمنی تھی؟ وہ لوگوں کو آپ کے مرقد  
مبارک کی زیارت سے کیوں منع کرتا تھا؟ کہا جاتا ہے کہ اس کی گانے والیوں میں سے کوئی  
زیارت کر بلا کے لیے چلی گئی جو اسے سخت ناگوار معلوم ہوا اور اس نے ممانعت کا حکم جاری  
کر دیا۔ لیکن معاملہ اتنا سادہ نہیں جتنا بیان کیا گیا۔ جیسا کہ بعض دانشمندیوں کا خیال ہے:

عباسی دیکھ رہے تھے کہ زیارت کر بلا لوگوں کو ظلم کے خلاف جدوجہد پر مائل کرتی ہے۔  
شہید ظلم حسین علیہ السلام بھی زندہ حسین کے برابر ہیں اور یہ ظلم اور ظالم کے قصر امارت  
کی بنیادوں کو لرزہ برانداز کر رہے ہیں۔ وہ زیارت شہادت گاہ امام پر پابندیاں لگا کر  
چاہتے تھے کہ امام عالی مقام کے مقاصد یعنی ظلم و ستم کے خلاف مبارزت کو از سر نو زندہ  
ہونے سے روک سکیں اور لوگوں کو مصائب و آلام کر بلا سے ناواقف ہی رکھیں۔

عباس محمود العقاد کہتے ہیں: سانچہ کر بلا میں حسین علیہ السلام اپنے اعزاء و اقارب  
اور احباب و اصحاب کے ساتھ منصب شہادت پر فائز ہو گئے لیکن وہ ابدی پیغام پیچھے  
چھوڑ گئے جس پر عباسیوں اور فاطمیوں کی سلطنت کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ ایوبیوں  
اور عثمانیوں نے اس کی حصول اقتدار کا ذریعہ بنایا۔ عرب، ایران اور ہند کے حکمرانوں نے  
بھی اس کو وجہ سکون بنایا۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ امام حسین علیہ السلام انسانوں کے  
سامنے اس نوری پوشاک میں جلوہ افروز ہوئے کہ آج تک نگاہیں ان کی ضیاء پاشیوں کی تاب  
نہیں لاسکتیں اور اس عظمت و بلندی پر نائز ہوئے کہ تاریخ بشریت میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔  
امام حسین علیہ السلام کے لیے یہی کیا کم ہے کہ صدیاں گزرنے پر بھی تاریخ عالم انہیں شہید



سیدالشہدا اور شاہ شہیدان کہتی ہے۔

سلاطین آل بویہ جو کہ شیعانِ مخلص اور محبانِ اہل بیت علیہم السلام میں سے تھے ابتدا میں عباسیوں کے زیرِ فرمان رہے۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ابو شجاع پھلیوں کے شکار سے گزر اوقات کرتا تھا۔ اس کی آل و اولاد نے بہت زیادہ کشمکش کے بعد حکومت حاصل کی اور ان کی قدرت و طاقت میں اضافہ ہوتا گیا۔

ابو شجاع کا پوتا عضد الدولہ ویلی سا مانیوں کے زوال کے بعد جب برسرِ حکومت آیا تو اسے ایران میں پہلی بار بادشاہ کہا گیا۔ اس کا چچا معز الدولہ ویلی کہ جس کا بایاں ہاتھ اور دائیں ہاتھ کی کچھ انگلیاں سیستان کے گردوں نے کاٹ دی تھیں۔ اتنی ترقی کر گیا اور اس نے ایسی قوت و طاقت حاصل کی کہ وہ بغداد گیا تو مکتفی عباسی کو معزول کر کے اس کی جگہ مطیع عباسی کو تخت نشین کر دیا۔

اسی معز الدولہ نے ۳۵۲ھ میں اہل بغداد کو حکم دیا کہ وہ عشرۃ محرم میں دکانیں اور بازار بند رکھیں اور عزاداری امام حسین علیہ السلام میں حصہ لیں۔ ذی الحجہ کی ۱۸، اٹھارہ تاریخ کو عید غدیر کی مناسبت سے جشن کا اہتمام کریں۔ اپنے گھروں، کوچوں اور بازاروں کو آراستہ کریں۔ علمائے اہل سنت نے اس حکم کی مخالفت کی۔ لیکن اطاعت کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

امراء آل بویہ نے حسین بنی انقلاب سے سبق لے کر دربار بغداد کی طاقت و قوت کا خاتمہ کر دیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ عباسی خاندانِ اعلیٰ اسلامی تعلیمات پر عمل کی بجائے زبردستی اپنی حکومت کو قائم رکھے ہوئے ہے اور یہ اس مقصد کے لیے مظلوم و ستم رسیدہ طبقے کو مزید مشکلات و مصائب میں مبتلا کیے ہوئے ہیں جو زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں: ہم نے دین اسلام اس لیے اختیار کیا تھا کہ دنیا و آخرت کی سعادت و خوش بختی حاصل کریں گے

۱۔ نقش و عاظر در اسلام ص ۲۷۱۔ بنقل از ابوالشہداء تالیف عقاد۔  
۲۔ الکنی واللقاب عضد الدولہ



نہ اس لیے کہ عوام کا خون چوسنے اور ان کا مال و دولت چھین لینے والے بنی عباس کا جو اگردن میں پختہ رہیں اور قبول اسلام سے ہمارا مقصد اگر حکومت و سلطنت تھا تو پھر ہم بنی عباس سے بھی اس کام میں بختہ کار ہیں۔

## عزت کی موت یا ذلت کی زندگی

اب موقع آ گیا ہے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ مقدس حسین مشن سے کونسا سبق سیکھا جاسکتا ہے۔ اس مرد خدا نے ذلت کی زندگی کو اختیار نہیں کیا۔ ان سے سب سے پہلا جو سبق سیکھا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ آزاد رہ کر آزادانہ طریقے سے زندگی گزارنا چاہیے نہ کہ ظالم بننا یا پھر ظلم کو سہہ کر جینا، جو رستم کے بارگراں تلے زندگی گزارتے ہوئے شرف انسانی کو پائمال کر دینا اور ذلت و خواری کی اتھاہ پستیوں میں اپنے آپ کو گرا دینا آدمیت کے فایاں نہیں۔ ایمان اور عقیدے کی راہ میں اپنی جان بچھا کر دینا ہی حقیقی زندگی ہے۔ یہی حسین مشن کا منتہی ہے اور یہی منطق دینِ مبین ہے۔

علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا ہے: ”ظلم و ستم اور جو رو بیدا د کے زیر سایہ زندہ رہنا بجائے خود موت ہے اور وہ موت جو کامیابی و کامرانی اور فتح و سر بلندی کا سبب ہو، موت نہیں زندگی ہے۔“ خدا کے نیک اور راہ راست پر گامزن بندے جرات و استقامت کے زیر سایہ عزت و آبرو اور سر بلندی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور دشمن بڑول شکاری کی طرح جو بھاڑ کھانی والے شیر کے شکار سے گریزاں رہتے ہیں۔ ان کو شکست دینے اور انہیں اپنے زیر اثر کرنے کا خیال بھی ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ حسین ابن علی علیہم السلام بھی



ایسے ہی انسان تھے وہ دنیا کے مردانِ حُر کو ایسی ہی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے برعکس کمزور اور تن پرور ہمیشہ احساسِ کم تری میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ اپنے ضمیر کے سامنے بے بس اور نتیجتاً غیر مطمئن اور افسردہ رہتے ہیں۔ ان کی زندگی حقیقتاً موت ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ اسے زندگی قرار دیتے ہیں۔

ان دو واقعات پر نظر کرنے سے یہ حقیقت مزید واضح ہو جائے گی۔ یعقوب بن اسحاق جو ابن سکیت کے نام سے معروف ہیں اور شیعہ علما میں سے ہیں۔ متوکل عباسی کے ہم عصر تھے۔ ایک دن متوکل نے اُن سے کہا: کیا تمہیں میرے بیٹے زیادہ محبوب ہیں۔ یاحسین و حسن (علیہما السلام)۔ انہوں نے متوکل کے سامنے اس کی ہمنوائی کرنا یا خوشامد و چاہوسی کی بجائے کمالِ جرات و مردانگی سے جواب دیا۔ قنبر جو کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خادم تھے، میرے نزدیک تم اور تمہارے بیٹوں سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں۔ حسین و حسن (علیہما السلام) کا کیا مذکور ہے؟

متوکل اس جواب سے بہت برہم ہوا اور حکم دیا اس کی زبان کو گدھی سے کھینچ دیا جاوے چنانچہ آپ کی زبان گدھی سے کھینچ دی گئی۔ اور آپ اس شکنجے میں ہی شہید ہو گئے۔ آپ شہید ہو گئے۔ لیکن حق کا دامن نہ چھوڑا اور یہ نہ کہا کہ جی ہاں امیر المومنین آپ کے صاحبزادے فرزندِ ان رسولِ حسن و حسین علیہما السلام سے زیادہ محبوب و محترم ہیں۔ آپ نے عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو کر بتا دیا کہ قوی و مستحکم رُوح اور نفس غیر تمند و ذلت و خواری کو کس قیمت پر قبول نہیں کرتا۔

عرب کے مشہور و معروف ظالم حجاج بن یوسف کی بیوی ہند بنت نعمان بن بشیر اپنے اشعار میں اس کو اونٹ سے تشبیہ دی اور اس ضمن میں کہا: اگر میں نے نالایق بنے جنم دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا باپ حجاج نالایق ترین آدمی ہے۔ ناہل اولاد



ان پر نہیں ان کے بدترین باپ پر ہے۔ جب حجاج نے اس کے یہ شعر سنے تو سخت ناراض ہوا اور اس کو طلاق دے دی۔

خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان نے ہند کو شادی کا پیغام بھجوا یا تو اس نے جواب دیا میں اس برتن کی طرح ہوں جسے کتے نے چاٹ لیا ہو۔ اب خلیفہ کے شایان شان نہیں رہی۔ لیکن عبدالملک نے بہت اصرار کیا تو ہند نے کہا تمہارے ساتھ شادی اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ تم حجاج کو یہ حکم دو کہ وہ میری ناقہ کی لگام تھام کر پاپا وہ مجھے معرہ سے دمشق تک لے جائے۔

اس غیر تمند عورت نے حجاج کو اونٹ اور گتے سے تشبیہ دی تھی۔ وہ اُسے کم تر اور ذلیل و خوار سمجھتی تھی۔ لیکن اس نے اپنی ذلیل حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے غلاموں کی طرح اس کے اونٹ کی لگام پکڑ کر اسے معرہ سے دمشق تک پہنچایا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ ہند نے اُسے ذلیل کرنے کے لیے عبدالملک سے یہ شرط منوائی ہے۔ افسوس ہے ان بے خبروں پر جنہوں نے انسانی شرف و فضیلت کو پیروں تلے روند کر مال و دولت اور جاہ و منصب کے لیے ذلت و خواری کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ انسان اس طرح زندگی گزارے اور اس دنیاوی زندگی کو باقی رکھنے کے لیے یہ قیمت ادا کرے؟ کیا یہ انسان سعادتمند و خوش بخت ہے کیا اس کی زندگی کو حقیقی زندگی کہا جاسکتا ہے؟

مروان نے دنیا میں وہ مقام پایا ہے کہ دشمن بھی ان کی عظمت کا اعتراف کرنے اور ان کی ستائش پر مجبور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک صحیحیہ محمد خاں قاجار کو خبر دی گئی کہ آج تمہارا بھتیجے بابا نامان رفیع علی شاہ کے ہاں کئی بیٹے متولد ہوئے ہیں۔ اس نے کہا کاش ان سب کی بجائے ایک لطف علی زند پیدا ہو جاتا۔

۱۔ منتخب التواریخ ص ۵۴۱ با ۱۱۱

۲۔ سلسلہ زند کا آخری بادشاہ جو بقول مؤلف فارس نامہ دل گرگ، زور شیر اور چالاکی کا حامل تھا۔ بیرجم خاں قاجار نے اس کو انتہائی میدرومی سے قتل کر دیا۔ فرہنگ امیر کبیر۔



الجزائر کی تحریک آزادی میں محمد بن عربی فرزند مہدی کے سر کی کھال استعماریوں نے  
 کھینچ دی۔ لیکن انھوں نے پھر بھی حریت پسندوں کی اپنی جماعت کے راز فاش نہ کیے۔ اس  
 لوہے کی سلاح کو آگ میں اس قدر گرم کیا گیا کہ وہ سفید ہو گئی۔ تب ان کے حلق اور منہ میں  
 اُس کو اتار دیا گیا اور اس طرح انھیں شہید کر دیا گیا۔ ان کی اس دردناک و الم ناک موت نے  
 استعماری جلاوطن کو بھی شرمندہ کر دیا۔ سر ہنگ بزار نے کہا: اگر میرے زیر فرمان عربی بن  
 مہدی جیسے لوگوں کا گروہ ہوتا تو میں تمام دنیا کو فتح کر لیتا۔

ایک شاعر کائنات کے اس جاودانی نظام اور خدا تعالیٰ کی سنت لایتغیر کو مد نظر  
 رکھ کر کہتا ہے:

النوامیس حیرت ان لا یعیس الضعفاء کل من کان ضعیفاً اکلته الاقویام  
 دنیا کی عزت و ناموس کا اصول اور دستور ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ کمزور انسان  
 سعادت و کامیابی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ جو بھی کمزور و ناتواں ہیں وہ بالآخر  
 طاقتوروں کا لقمہ بن جائیں گے۔ ایک فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

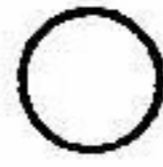
بسیا قوی شو اگر راحت جہاں طلبی  
 کہ در نظام طبیعت ضعیف پامال است۔

انسان کو قوت و طاقت اور ثبات قدم سے زندگی گزارنی چاہیے۔ بصورت دیگر  
 طاقتوروں کے پنجہ قوت میں چور چور ہو جانا یقینی ہے۔ جس طرح بھیڑیے خود بخود اپنی فطرت  
 کے تحت بھیڑوں کو پھاڑ کھانے سے باز نہیں آتے۔ اسی طرح یزید بھی اپنی بد طبیعتی کی وجہ  
 سے ضعیفوں اور کمزوروں سے دست کش نہیں ہوتے۔

آج جب کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقت ور قومیں ضعیف اقوام خصوصاً ممالک اسلامی  
 کے درپے ہیں۔ وہ ان اقوام کے عقل و شعور سے لے کر ان کی معدنیات تک پر حاوی



ہیں اور ان وسائل کو تباہ و برباد کر رہی ہیں۔ وہ آزادی اور امداد کے نام پر ان ممالک میں  
 وارد ہوتی ہیں اور پھر وہاں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ چھوٹی قوموں  
 کی زبوں حالی اور ضعف و ناتوانی کا نتیجہ ہے۔ اس باب کے خاتمے پر ہم خوش دل تہرانی  
 کے چند اشعار درج کرتے ہیں:



بزرگ فلسفہ قتل شاہِ دین این است  
 کہ مرگِ سُرخ بہ از زندگی ننگیں است  
 حسینِ مظہرِ آزادی و آزادی مست  
 خوشاک یکہ جنیں اش مرام و آئین است  
 نہ ظلم کن بکسی، نی بنیہ ظلم برو  
 ہمیں مرام حسین است و منطلق دین است  
 ہمیں نہ گریہ بر آں شاہِ تشنہ لب کافی است  
 اگرچہ گریہ بر آلام قلب تسکین است  
 ہمیں کہ وقتِ عالی او، چہ بداید دست  
 کہ درک آں سبب عز و جاہ و تکین است  
 ز خاکِ مردم آزاده بوی خون آید  
 نشانِ شیعہ و آثارِ پیروی این است





## حق ہر حال میں غالب و پائیدار ہے

حسینی انقلاب سے دوسرا سبق جو سیکھا جاسکتا ہے وہ یہ کہ: حق ہر حال میں غالب و پائیدار اور باطل مغلوب و مضمحل ہے۔ سادہ لوح اور کوتاہ نظر لوگ باطل کا ظاہر دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور دنیا کو چند روزہ زندگی سمجھتے ہیں۔ لیکن مردان حق اس دنیا کو وسیع و عمیق نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو شمار کرتے ہیں اور انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ صاحبان ایمان ہمیشہ غالب اور دونوں جہانوں میں سرفراز ہوتے ہیں۔

خداوند عالم قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: **وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ**۔ مومنوں کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے۔ اور مزید ارشاد باری ہے: **اگر تم راہ خدا میں مارے جاو یا مرجاؤ، تو خدا تعالیٰ کی رحمت و مغفرت پر دنیاوی فائدے سے بدرجہا بہتر ہے اور اس کی راہ میں شہادت یا موت پانے والے اس کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر حاضر ہوتے ہیں۔** یعنی راہ خدا میں شہادت سے خوفزدہ نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ موت سے نہ تم فنا ہو گے اور نہ تمہارا حیثیت میں کوئی کمی آئے گی۔ بلکہ خداوند عالم اس کا اجر بہترین انداز میں عطا فرمائے گا۔ یہ اجر دنیا کے مال و دولت سے بدرجہا بہتر اور شاندار ہوتا ہے۔ جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہے: **اور جو کوئی راہ خدا میں مارے جائیں تو انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں اور خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا کیا ہے۔ وہ اس پر راضی اور بے حد خوش ہیں۔**

۱۴۴

۱۵۸-۱۵۷۔ **وَلَمَّا قَتَلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَاتُمْ لِعَفْوَةٍ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ وَلَمَّا قَتَلْتُمْ لَوْلَى اللَّهِ تَحْشُرُونَ**  
 ۱۶۸-۱۶۹۔ **وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا أُسْلِمُوا مِنْ فَضْلِهِمْ**



امام حسین علیہ السلام روز عاشورا لشکر عمر بن سعد پر حملہ کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ کیا تم میری مخالفت میں مجتمع ہو۔ خدا کی قسم، میرے بعد تم کسی شخص کو قتل نہ کرو گے جس کی ہلاکت پر خدا اس قدر غضب ناک ہو جتنا میری ہلاکت پر ہوگا۔ بخدا مجھے امید ہے کہ تم نے مجھ سے جو تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا ہے اس کے بدلے میں خداوند عالم مجھے شرف و عظمت عطا فرمائے گا۔ اور اس کا انتقام تم سے اس طرح لے گا جو وہم و گمان میں نہ ہوگا۔

۱۶ جناب زینب علیا نے یزید سے کہا: تو اپنی پوری کوشش کر لے اور جو کچھ تیرے امکان میں ہے کر گزار، خدا کی قسم! ہمارا نام فانی نہیں اور ہم پر جو وحی نازل ہوتی ہے۔ اس کو فنا نہیں۔ تو ہمارے مقام و مرتبے کو نہ پاسکے گا۔ ابداً آباد تک ہیں وہ عظمت و سر بلندی حاصل رہے گی۔ کہ جو کسی کو نہ مل سکے گی۔ تو نے ہمارے ساتھ جہد سلوکی کی ہے اس کی ذلت بر سوائی کا داغ تیرے دامن سے کبھی نہ دھل سکے گا۔ تیرے نصیب میں ہمیشہ کی روسیاسی اور ابدی شکست لکھی ہوتی ہے۔ ہم افراد خانوادہ رسالت حق پر ہیں اور حق ہر حال میں غالب و جاوداں ہے۔

روایت ہے کہ مستنصر عباسی سامراء گیا اور امام دہم حضرت علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے مقدس مزاروں کی زیارت کی۔ اس کے بعد وہ خلفائے بنی عباس میں سے اپنے بزرگوں کی قبروں پر گیا جو ایک دیران جگہ پر واقع تھیں۔ بارش ان پر برستی تھی، پرندے اپنے فضلے سے انھیں گندہ کرتے تھے۔ اس کے ملازمین میں سے ایک نے کہا: حضور! آپ روئے زمین کے سلاطین اور خلفا ہیں۔ آپ کے آبار کی قبور کی یہ حالت، کہ کوئی ان کی زیارت نہیں کرتا، کوئی انھیں یاد نہیں کرتا، کوئی شخص نظر نہیں آتا جو پرندوں کی غلاظت سے ان کو صاف کر دے۔ اس کے برعکس خانوادہ نبوت کے مقابر مبارک جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا پروں، قندیلوں، تہیتی فرشوں، خادموں، فانوسوں سے مزین اور مشک و عنبر سے معطر ہیں۔ مستنصر نے جواب دیا: میں سعادتمند ہوں اور باوجود بیست و ہم کوشش و جدوجہد سے اس کو



حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر ہم لوگوں کو ان امور کی انجام دہی پر مجبور کریں تو وہ ہمارے احکام کی تعمیل نہ کریں گے۔

خلیفہ نے بالکل درست کہا۔ نیکنامی، آبرو اور لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنانا انہی لوگوں کا حق ہے جو اپنی زندگی راہِ حق میں گزارتے ہیں اور اس میں ہی اس کو قربان کر دیتے ہیں۔

## عظمت مصائب کی پیداوار ہے

معرکہ کربلا سے تیسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ عظمت و بزرگی مصائب و مشکلات کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ شعرائے یورپ میں سے ایک کا قول ہے: ایک عظیم مصیبت کے علاوہ اور کوئی چیز بھی انسان کو عظیم نہیں بنا سکتی۔

دنیا کے عظیم ترین انسان پیغمبروں سے لے کر انقلابی رہنماؤں تک نے قید و بند، ظلم و ستم، عقوبت و سزا، تلخ و شیریں حیات اور زندگی کی آسائشوں سے محرومیت برداشت کر کے ہی قدر و منزلت اور شرف کا مقام بلند حاصل کیا اور شہرت و وام پائی۔ قدرت کا یہ وہ اٹل قانون ہے جو خدا سے بزرگ و برتر کے ہاتھوں تشکیل ہوا ہے۔ ولن تجد لسنة الله تبديلاً۔

در روزگار سخت پذیر آید

قر بزرگواری و سالاری

امام حسین علیہ السلام جنھوں نے ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح عالمگیر شہرت پائی اور ایک دنیا ان کی شجاعت و دلیری اور غیرت کی معترف ہے۔ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ مصائب و مشکلات سے وہ نہ

۱۔ الانوار البہیہ ص ۱۶۹

۲۔ الجزائر و مردان مجاہد، حسن صدر ص ۸

۳۔ سورہ احزاب آیت ۶۲



گھبرائے اور راہِ خدا میں اعلائے کلمۂ حق کے لیے ثابت قدمی اختیار کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مجاہدین الجزائر میں سے ایک کو گرفتار کر کے حکمہ پولیس کے پاس لے جایا گیا تو اس کے سر براد نے کہا: تمہارا نام کیا ہے؟

میرا نام ابو معزی ہے۔

تم فرانسیسیوں سے کیوں برسرجنگ ہو؟  
کیونکہ یہ ظالم ہیں اور ہمارے حقوق غصب کر رکھے ہیں۔

تم ہم سے کیا توقع رکھتے ہو؟  
کوئی خاص نہیں۔

اگر ہم تمہیں آزاد کر دیں تو کیا کرو گے؟  
راہِ خدا میں دوبارہ جہاد پر کمر بستہ ہو جاؤں گا۔  
اگر قید کر دیں تو؟

توقید میں عبادتِ خدا میں مشغول ہو جاؤں گا اور خدا سے دعا کروں گا کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ عطا فرمائے۔

اگر تمہیں قتل کر دیں تو پھر؟

میں اپنے پروردگار سے شرفِ ملاقات پا لوں گا۔

عظمت اور حریت ان ہی مردانِ جہاد کا حصہ ہے جو اس اعلیٰ پائے کی شجاعت کے حامل ہوں۔ انسان اگر مشکلات کو خاطر میں نہ لائے اور خدا کی راہ میں مخلوق خدا کی بھلائی و نجات کی غرض سے شدید سے شدید منساب سے بھی نیچہ آزمائی کرے، ہمیشہ اپنی خُرد راک و پوشاک کی فکر میں نہ رہے۔ مردانِ راہِ حق خصوصاً شہناشاہِ مردانِ شہیدین بن علی علیہما السلام سے عبرت و استقامت اور عظمتِ نفس کا درس لے تو وہ تاریخ



کے عظیم فرزندوں میں شمار ہوگا۔ اور عقبیٰ میں وہ خدا کے سامنے سرخرو اور سر فراز ہوگا۔  
 کہتے ہیں بانی پاکستان محمد علی جناح نے کہا ہے: دنیا میں شجاعت، قربانی و ایثار  
 اور جرات و غیرت کی جو مثال امام حسین علیہ السلام نے پیش کی ہے۔ اس کی نظیر  
 نہیں ملتی۔ میرے خیال میں تمام مسلمانوں کو اس شہید اعظم کی پیروی کرنا چاہیے جس نے  
 اپنے آپ کو سرزمین عراق میں راہِ خدا میں قربان کر دیا۔

## خامس آلِ عبا امام حسین علیہ السلام کی عزاداری

مصائب امام عالی مقام کا تذکرہ اور تعزیرہ داری جس پر تمام شیعہ دنیا کا رہند  
 ہے۔ اس کی بنیادیں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام  
 کے ہاتھوں استوار ہوئی ہیں۔ رسول پاک نے شہادتِ عظمیٰ سے قبل ہی اور ائمہ اطہار  
 نے اپنے اپنے دور میں عزاداری کا اہتمام کیا اور اشکِ فشانہ کرتے رہے۔ ابوالموید  
 خوارزمی حنفی نے "السائر الدائرین" یہ حدیث نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

جب امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تو پہلی سالگرہ  
 کے موقع پر ملائکہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی کہ  
 آپ کی امت حسین علیہ السلام کو قتل کر دے گی۔ جیسے وائیں نے ہابیل کو قتل  
 کر دیا۔ ایک سال بعد دوسری سالگرہ کے موقع پر آپ حالت سفر میں تھے۔  
 آپ نے اثنائے سفر میں توقف فرمایا اور کہا: انا لله وانا الیہ راجعون۔  
 اور آپ کی مبارک آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا: ابھی  
 ابھی جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ دریائے فرات کے کنارے جو صحرا ہے اور  
 جسے کربلا کہتے ہیں، اس میں میرے بیٹے حسین بن فاطمہ کو قتل کر دیا جائے گا

۱۔ کتاب حسین پیشوای انسانہ " بہ نقل از مجلہ نور دانش و مجلہ العزیز



لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! انھیں کون قتل کرے گا؟  
 فرمایا: یزید نامی ایک شخص۔ خدا نیک بختی اور سعادت اس کے نصیب نہ  
 کرے۔ میں مدفن حسینؑ پر نظر کر رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا سر  
 یزید کے پاس لے جایا جا رہا ہے۔ خدا کی قسم! جو میرے فرزند حسینؑ کے  
 سر پریدہ کو دیکھ کر خوش ہوا تو اس کے دل و زبان نے خدا کی مخالفت کی  
 ہے۔ (یعنی وہ منافق ہے)۔

اس کے بعد جب حضور ختمی مرتبت سفر سے واپس آئے تو غزوة تھے۔ آپ منبر پر  
 پر تشریف فرما ہوئے۔ خطبہ ارشاد فرمایا اور مواعظت حسنہ سے مسلمانوں کو نوازا۔ اس  
 دوران میں حسنین شریفین علیہما السلام آپ کے سامنے موجود تھے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر  
 اپنا دایاں دست مبارک حسین علیہ السلام کے سینہ پر رکھا۔ آسمان کی طرف رخ مبارک  
 فرمایا اور عرض کیا:

”اے خدا! میں محمد تیرا بندہ اور رسول ہوں اور یہ میرے پاک و پاکیزہ  
 اہلبیت ہیں۔ میری ذریت میں سے برگزیدہ اور میرے فرزند ہیں اور اپنی  
 امت میں اپنے بعد ان کو چھوڑے جاتا ہوں۔“

خدا یا جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ شہید کیا جائے گا۔  
 اس کی شہادت کو میرے لیے باعث برکت بنا دے اور اسے شاہ شہیدان  
 قرار دے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے میرے مالک! اس کے قاتلوں  
 اور اس کی بے حرمتی کرنے والوں پر اپنی برکات نازل نہ فرما۔“

حاضرین یہ سن کر باوا ز بلند گریہ کرنے لگے۔ حضور پاک (علیہ الصلوٰۃ والسلام)  
 نے فرمایا: اب تم لوگ رو رہے ہو جیکہ اس وقت اس کی مارد کے لیے آمادہ نہ ہو گئے!

۱۔ سیرتنا و سنتنا تالیف علامہ امینی ص ۴۶-۴۷۔ ۲۔ نقل از کتاب السائر الی الدائر  
 ج ۱ ص ۱۶۳ تالیف ابوالمرید خوارزمی حنفی



حضور پاک کی حیاتِ طیبہ میں ان کے اپنے مقدس گھر، خانہ علی بن ابی طالب، ام سلمہ، عائشہؓ، زینب بنت جحش اور صحابہ کے اجتماع میں ایسی مرثیہ خوانی کی بیسیوں مثالیں معتبر روایات کے مطابق موجود ہیں۔ قارئین کرام سے ہماری گزارش ہے کہ وہ علامہ مجاہد عبدالحسین امینی صاحب الغدیر کی کتاب "سیرتنا وستنا سیرة و سنة نبینا" کا مطالعہ فرمائیں۔

اسی طرح علامہ مجلسی کی "بحار الانوار" اور محدث قمی کی "نفس المہموم" اور دوسری متعدد کتب میں اس حقیقت کو کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ امام حسینؑ کی عزاداری ائمہ اطہار علیہم السلام کے ہاتھوں قائم ہوئی اور ان ذوات مقدسہ نے مرثیہ خوانی اور عزاداری کی تلقین فرمائی ہے۔ ان کے مطالعے کے بعد اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

مؤلف کا عقیدہ ہے کہ مجالس عزاکا اہتمام روز عاشورا مومنین کا اجتماع اور معصومین علیہم السلام کے روز ہائے ولادت و وفات پر محافل کا انعقاد و نیائے تشیع کے لیے وجہ افتخار ہے۔ ان مجالس سے تہذیب اخلاق، ائمہ کرام علیہم السلام کے طرز حیات سے شناسائی، تقویت ایمان، کمزوروں اور مظلوموں کی امداد، دین کی نشر و اشاعت، شکوک و شبہات کا خاتمہ، اعمال صالحہ کی انجام دہی اور ان کی طرف رغبت دلانا جیسے فوائد بہ آسانی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ بڑی بے انصافی ہے کہ کچھ لوگ ان مجالس کو پاکیزگی اور تقدس کی نظر سے نہیں دیکھتے اور ان کو معمولی اور غیر اہم سمجھتے ہیں۔

عزاداری شہیدان کربلا علیہم السلام ان کے مصائب کا ذکر اور ان کے مقدس مشن کا تذکرہ تبلیغ دین اور تہذیب اخلاق کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس سے انسان میں مظلوموں کی حمایت اور ظالموں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو ستگروں اور ظالموں کو لرزہ برانداز کر دیتا ہے۔ مقام تاسف ہے کہ ان مجالس سے یہ مقاصد پوری طرح حاصل نہیں کیے جاتے



مذکورہ فوائد حاصل کرنے کے لیے بنیادی طور پر ضروری ہے کہ مبلغین دانش مند، صاحبِ علم، مسائلِ حاضرہ سے واقف، ماہرینِ نفسیات اور لوگوں کے افکار میں اصلاح کے طریقے سے آشنا ہوں۔ وہ دینِ اسلام کے حقائق کو محققانہ اور سادہ انداز میں بیان کریں۔ ان داستانوں اور افسانوں کا خاتمہ کریں جنہوں نے اسلام کے انوارِ تابناک میں سے کچھ کو سیاہ قبروں کی طرح اپنی آغوش میں لے کر ملتِ اسلامیہ کو ان کے نور سے محروم کر رکھا ہے۔ مبلغوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقدس تحریکِ انقلاب کا فلسفہ لوگوں پر راجع کرنا چاہیے۔ چاہیے کہ وہ مبالغہ آمیز باتیں نہ کریں اور لوگوں کو نارست اور غلط مطالب سے آشنا نہ کریں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ روز عاشورہ ایک کمنے والا بالائے منبر کہہ رہا تھا: لوگو! تمہیں مبارک ہو کہ تمہارے امام نے آج کے پر آشوب دن بھی دس ہزار کوفیوں کو جہنم کیا تھا۔ اس کا مقصد امامِ عالی مقام کی بے پناہ شجاعت کا بیان اور سامعین کی تالیفِ قلوب تھا۔ لیکن امام علیہ السلام کا ایک گھنٹہ کی جنگ میں اتنے انسانوں کو تیغ کرنا غیر حقیقی سا معلوم ہوتا ہے۔

انہی مبالغہ آمیز بیانات کی وجہ سے بعض لوگ ان مجالس کو موردِ تنقید بناتے ہیں۔ چنانچہ اگر قرآنِ پاک ائمہ اطہار علیہم السلام حیاتِ بزرگانِ دین کی روشنی میں مطالبِ تیار کیے جائیں اور لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں تو بلا تفریق تمام مسلمان ان کو پسند کریں گے اور ان سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ واعظوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحیح مطالب، اخلاقی، اجتماعی، علمی اور تاریخی مسائل کو کتبِ معتبرہ سے اخذ کر کے سامعین کے سامنے رکھ دیں۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان ہی خطیبوں کا انتخاب کریں جو صاحبِ علم اور متقی و پرہیزگار ہوں۔

انسانہ تراشیوں اور مبالغہ آرائیوں کے بارے میں ایک عرب کا قول ہے (اعزبہ



اکذبہ، شیریں ترین بات وہ ہوتی ہے جو زیادہ سے زیادہ غلط ہو۔ انتہائی بدبختی ہے کہ ناپسندیدہ اور غلط باتیں کہنے اور سننے والے دونوں کے لیے پسندیدہ ہوتی ہیں اور لوگ ایسی باتیں کہنا اور سننا ہی اپنا وظیرہ بنا لیتے ہیں۔ اور اصل مقصد معدوم ہوتا چلا جاتا ہے۔ کسی پھول کی تعریف و توصیف کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم اسے دیکھنے والے کے سامنے رکھ دیں۔ اسی طرح ترویج دین کے لیے اتنا بہت ہے کہ قرآن حکیم کے مطالب عالیہ اور ارشادات معصومین علیہم السلام کو معتبر و مستند منابع سے حاصل کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔ تاکہ وہ ان کی اصل اہمیت سے آگاہ ہو کر ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

عزاداری امام حسین علیہ السلام کے سلسلے میں ہزاروں زنانہ مجالس کا اہتمام اہل تشیع کرتے ہیں لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر میں حاضرین کو مرثیہ کے چند اشعار سنا کر مجلس ختم کر دی جاتی ہے۔ جب کہ ان مجالس میں جو امام علیہ السلام کی برکت سے برپا ہوتی ہیں۔ عورتوں کو شوہروں کی خدمت، عفت و پاکدامنی، خدا ترسی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا درس دیا جاسکتا ہے۔

علمائے باعمل اور مسلمانوں کا ایک اہم اور بنیادی فرض مبلغوں کی تربیت ہے۔ اگر ہر شہر میں صاحبان علم مسائل دینی اور روزمرہ مسائل سے آگاہی رکھنے والے چند مبلغ بھی موجود ہوں تو عوام کے اخلاق کی اصلاح کا کام آسان ہو جائے گا اور اس سے دینی مقاصد کی برآوری بھی سہل ہو جائے گی۔

مبلغین اسلامی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت خدا کو حاضر و ناظر سمجھیں۔ عوام کی ہدایت اور معاشرے کی اخلاقی اصلاح کی فکر میں رہیں۔ بدکاروں کی مدد سرائی سے پرہیز کریں، ظالموں کی منشا کے مطابق تحریف و تاویل دین سے احتراز کریں۔ مطالب حقیقی کو ہر جگہ اور ہر شخص کے سامنے بلا خوف پیش کریں۔ کہا جاتا ہے ہارون الرشید عباسی نے مشہور



واعظ ابن سماک کو بلا یا۔ وہ آیا تو اس سے کہا: مجھے نصیحت کرو۔ واعظ نے کہا: اے امیر المؤمنین خدا نے واحد سے ڈرتے رہو۔ اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو۔ جان لو کہ کل تم اپنے پروردگار کے سامنے جواب دہ ہو گے۔ اور پھر ان دو مقامات یعنی بہشت و دوزخ میں سے کسی ایک کو پاؤ گے کہ وہاں تیسری جگہ ہی نہیں۔“

ہارون الرشید اس پر اس قدر رویا کہ اس کی وارثی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس وقت فضل بن ربیع حاجب ہارون نے شکایت آمیز لہجے میں واعظ سے کہا: سبحان اللہ کیا آپ کو شک ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو امیر المؤمنین حقوق اللہ کی ادائیگی اور بندگان الہی کے درمیان عدل گستری کے بعد بھی داخل بہشت نہ ہوں گے؟ واعظ نے رشید کی طرف رخ کیا اور فضل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم، فضل اس دن تمہارے ساتھ نہ ہوگا، پس خدا سے ڈرتے رہو اور اپنی عاقبت کی فکر کرو۔

فضل بن ربیع اس خوشامد سے ہارون کا دل جینا چاہتا تھا تا کہ اس کی بارگاہ میں اور مقرب ہو جائے۔ اسے اس بات کا خوف نہ تھا کہ وہ اس خود پسند شاہ کے اس احساس کو اور بڑھا دے گا۔ اور اس کو یا خدا اور احساس فرض سے یکسر محروم کر دے گا۔ اس نے اپنی بات سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا ہارون نے کبھی حقوق خدا اور عوام کے درمیان انصاف سے کوتاہی کی ہی نہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ "اذا مدح الفاجرا هتئذ العرش وغضب الرب" یعنی جب بدکار و بد عمل کی مدح کی جاتی ہے تو عرش میں لرزہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ غضب ناک ہو جاتا ہے۔



## امام حسین علیہ السلام کے چند ارشاداتِ عالیہ

نا انصافی ہوگی اگر ہم اس کتاب کے آخر میں امام حسین علیہ السلام کے دلولہ انگیز ارشادات کو درج نہ کریں۔ یہ وہ کلام بلاغتِ نظام ہے جنہیں ان کی گوہر ذات سے جنم ملا ہے جو آپ کی عظیم شخصیت کے چشمے سے مچوٹ کر آپ کی زبانِ حقِ ترجمان پر مثلِ آبِ زلال جاری ہوتے ہیں۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ آپ نے بلا تکلف اور تصنع و بناوٹ کے بغیر ملامت کی جگہ ملامت اور درشتی کی جگہ درشتی اختیار فرمائی ہے۔

— "ان الله يهب النفوس الشريفة لعباده احتمال المكاراة واعلموا ان الدنيا حلوها و همّا حالم، والانتباه في الآخرة"۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو پاکیزہ، عظیم اور محکم و استوار ارواح عطا فرماتا ہے۔ تاکہ وہ مصائب و مشکلات سے نبرد آزما ہوں۔ جان لو کہ دنیا کی آسائشیں اور تلخیاں خواب پریشاں کی طرح ناپائیدار ہیں۔ حقیقی بیداری عاقبت میں ہوگی۔

امام عالی مقام نے یہ ارشاد کر بلا میں اپنے اصحاب سے فرمایا تھا۔ اس کی مثال حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان ہے: "الناس نيام فاذا ماتوا انتبهوا"۔

۲— من هو ان الدنيا على الله ان رأس يحيى بن زكريا اهدى الى بني من بغايا بني اسرائيل۔

خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی انتہائی ذلت و خواری کا ثبوت یہ تھا کہ یحییٰ بن زکریا کا سر زنا کاری کے لیے بنی اسرائیل کے زنا کاروں کی طرف سے ہدیہ کے طور پر بھیجا گیا۔

۱۰۹ ۱۰۹ ۱۰۹

۱۰۹ ۱۰۹ ۱۰۹

۱۰۹ ۱۰۹ ۱۰۹



امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: کوفہ و کربلا کی طرف منازل آلام کو طے کرتے ہوئے سید الشہداء یحییٰ بن زکریا کو ہر منزل پر یاد فرماتے رہے اور ایک دن فرمایا تمہیں ہوان الدنيا....." لے

۲— ان هؤلاء قوم لزموا طاعة الشيطان وتركوا طاعة الرحمن واظهروا الفساد في الارض وابطلوا الحدود وشربوا الخمر واستأثروا في اموال الفقراء والمساكين، وانا اولي من قام بنصرة دين الله واعزاز شرعه والجهاد في سبيله لتكون كلمة الله هي العليا" لے

یہ لوگ (یزید اور اس کے پیروکار) وہ ہیں جنہوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنا ڈیڑھ بنا لیا ہے اور خدا کی اطاعت سے منہ موڑ لیا ہے۔ روتے زمین پر تباہی و بربادی مچا دی ہے اور خدا کی متعین کردہ حدود کو پامال کر دیا ہے۔ یہ شراب نوشی کرتے ہیں۔ انہوں نے کمزوروں اور ناداروں کے بیت المال میں سے حصے کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ میں (حسین بن علی علیہ السلام) اس کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہوں کہ دین خدا کی حمایت اس کی عطا فرمودہ شریعت مطاہرہ کو معزز و محترم بنانے اور جہاد کو عظمت بخشنے کے لیے راہ خدا میں کمر ہمت کو کس لوں۔ تاکہ کلمہ خدا اوج و رفعت پائے۔

۳— "والله لو لم يكن في الدنيا ملجاء ولا مأوى لما بايعت يزيد بن معاوية" لے

خدا کی قسم، چاہے ساری دنیا میں میری کوئی پناہ گاہ اور سہارا نہ ہو پھر بھی میں یزید بن معاویہ کی بیعت نہ کروں گا۔

ارشاد مفید ص ۲۳۶

تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۳۸ باب ۹

نفس المملوم ص ۳۷



۵— "یا شیعة آل ابی سفیان ان لم یکن لکم دین وکنتم لا تخافون المعاد فکونوا  
احراراً فی دنیاکم" ۱۷

اے آل ابی سفیان کی جماعت اگر تمہارا کوئی دین نہیں اور تمہیں روز قیامت کا کوئی  
خوف نہیں تو کم از کم حریت پسندوں میں سے ہی ہو جاؤ۔  
گر شمار ابجہاں دینی و آئینی نیست  
لا اقل مردم آزاده بذنیا باشید

۶— "ان الله قد اذن فی قتلکم الیوم وقتلی وعلیکم بالصبر والجهاد" ۱۸  
خدا تعالیٰ نے آج کے دن مسیہی اور تمہاری شہادت کی اجازت دے رکھی ہے۔  
پائے ثبات کو مضبوط رکھو اور جہاد کرو۔

آپ نے روز عاشورا اپنے ساتھیوں سے یہ فرمایا تھا:

۷— "موت فی عز خیر من حیاة فی ذل" ۱۹

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

۸— "انی لا اری الموت الا سعادة ولا الحیاة مع الظالمین الا برما" ۲۰

میں ان حالات میں جو مجھے درپیش ہیں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے  
ساتھ زندہ رہنے کو افسردگی و دل گر قنگی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتا۔

۹— صبرا بنی الکرام فما الموت الا قنطرة تعبر بکم عن البؤس والضراء

الی الجنان الواسعة والنعیم الدائمة فایکم یکره ان ینتقل من سجن

الی قصر وما هو لاعدائکم الا کمن ینتقل من قصر الی سجن وعذاب

۱۷ نفس المهموم ص ۱۸۸

۱۸ اثبات الوصیة تالیف مسعودی ص ۱۲۶

۱۹ بحارج ۲۴ ص ۱۹۲ ط جدید

۲۰ تحت العقول ص ۲۲۵ ط جدید



ان الدنيا سبعون الموضع وجنة الكافر والموت جسر ولاء الى جناحهم  
وجسر هؤلا الى جحيم، ما كذبت ولا كذبت : ۱

روز عاشورا ناصران امامؑ ایک دوسرے سے لیتے تھے کہ موت سے بالکل خونزودہ  
نہ ہونا۔ امام عالی مقام نے ان سے کہا: اسے صاحبان عزت کی اولاد، موت صرف  
پُل ہے جو تمہیں دنیا کے مصائب سے اس طرف بہشت کی دستوں اور ہمیشہ رہنے  
والی نعمتوں سے ہم کنار کرے گا۔ تم میں سے کسے یہ ناپسند ہے کہ قید خانہ محل میں  
بدل جائے اور تمہارے دشمنوں کے لیے قصر سے قید خانہ بن جائے۔ میکہ بابا  
نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خبر مجھے بہم پہنچائی ہے کہ دنیا  
مومن کے لیے زندان اور کافر کے لیے بہشت ہے۔ موت بہشت تک میرے  
دوستوں کے لیے پُل ہے اور دشمنوں کو جہنم کی طرف لیے جاتی ہے۔ میں نے  
دروغ گوئی نہیں کی اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر دی گئی ہے۔

۱۔ "ای بنی! ایاک وظلم من لا یجد علیک ناصراً الا اللہ عزوجل" ۱  
اپنے مہاجر اور امام زین العابدین علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: اس شخص  
پر ظلم و ستم روانہ رکھنا جس کا خدا کے سوا کوئی سہارا نہ ہو۔

۱۱۔ "ارجع الیہم فان استطعت ان تؤخرہم الی غدوتہم عن العشیة  
لعلنا نسلی لربنا اللیلة ونذعوہ ونستغفرہ، فہو یعلم انی کنت  
قد احب الصلوة لہ، وتلاوة کتابہ وکثرة الدعاء والاستغفار" ۲  
نہم محرم الحرام وقت عصر آپ نے اپنے بھائی عباس سے کہا: تم اس کی طرف جاؤ۔

۱۔ بحار ج ۲۲ ص ۲۹۷ ط جدید

۲۔ مومن دنیا میں جتنا بھی خوش نصیب ہو نعمات بہشت کے مقابلے میں دنیا اس کے لیے قید خانہ ہوتی ہے  
جبکہ کاذب کے لیے عذاب آخرت کے مقابلے میں دنیا بہشت بریں ہوتی ہے۔

۳۔ تحف العقول ص ۲۳۶

۴۔ ارشاد ص ۲۱۳



اور کل صبح تک ان سے مہلت لے لو اور آج کی رات ہم کو ان کے شر سے محفوظ  
 کرو تاکہ ہم نوافل پڑھیں، دعائیں مانگیں اور گناہوں پر استغفار کریں۔ خداوند عالم  
 بخوبی واقف ہے کہ مجھے ہمیشہ سے ہی نماز و تلاوت قرآن سے دلچسپی رہی ہے۔  
 اور خدا تعالیٰ سے بہت زیادہ دعا کرنا مجھے بہت پسند ہے۔

۱۲— "لا یأمن یوم القیامة الا من خاف الله فی الدنیا" ۱۲

روز قیامت اس کے سوا اور کوئی امن و سکون میں نہ ہوگا، جس نے دنیا میں خوف  
 خدا سے دل خالی نہیں کیا۔

۱۳— "اللهم لا تستدرجنی بالاحسان ولا تؤذ بنی بالبلاء" ۱۳

اے خدا! مجھے اپنے احسانات میں بہت درتج مبتلا نہ فرما اور پھر اس پر تادیب  
 نہ کر۔ تحف العقول میں آپ سے منقول ہے کہ خداوند عالم کا بندوں کو اپنے  
 سے دور کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے کسی بندے پر زیادہ سے زیادہ نعمتیں نازل  
 فرمائے اور شکر و شکر گزاری کی توفیق اس سے چھین لے۔

۱۴— "ایاک وما تعتذر منه فان المؤمن لا یسیء ولا یعتذر والمنافق  
 کل یوم یسیء ویعتذر" ۱۴

اس عمل سے احتراز کرو کہ جس کے کرنے پر تمہیں معذرت کرنی پڑے۔ کیونکہ  
 مومن برابر وہ اختیار نہیں کرتا اور اسے معذرت خواہی نہیں کرنا پڑتی۔ لیکن  
 کافر ہر روز برائی کرتا ہے اور پھر معافی مانگتا ہے۔

۱۲ بجارج ۲۲ ص ۱۹۲ ط جدید

۱۳ المہجہ البیضاء ج ۲ ص ۲۲۴ ط جدید

۱۴ تحف العقول ص ۲۲۶

۱۵ تحف العقول ص ۲۲۸



# مکتوبات و خطبات امام علیہ السلام

آپ کے جن بعض خطبوں اور خطوں کا ترجمہ اور اوراق گزشتہ میں درج ہوئے ہیں  
چونکہ وہ بہت اہم ہیں اس لیے ان کا عربی متن حسب وعدہ آخر کتاب میں  
حاضر ہے۔

## انجمن مکہ معظمہ میں امام حسین علیہ السلام کا خطبہ

ثم انتم ايها العصابة عصابة بالعلم مشهورة وبالخير مذكورة،  
وبالنصيحة معروفة، وباللغة في انفس الناس مهابة، يهابكم الشريف  
ويكرهكم الضعيف وبوشركم من لا فضل لحكم عليه، ولا يذلكم عنده،  
تشفعون في الحوائج اذا امتنعت من طلبها وتمشون في الطريق  
بهيبة الملوك وكرامة الاكابر، اليس كل ذلك؟ انما نلتموه بما  
يرجى عندكم من القيام بحق الله، وان كنتم عن اكثر حقه تقصرون،  
فاستحفظتم بحق الائمة.

فاما حق الضعفاء فضيعتم، اما حقكم بزعيمكم فطلبتم، فلا مال  
بذلتموه ولا نفسا خاطرتم بها الذي خلفها ولا عشيرة عاد يتموها  
في ذات الله، انتم تتمنون على الله الجنة ومجاورة رسوله واماناً  
من عذابه، لقد خشيت عليكم ايها المتمنون على الله ان تحصل  
بكم نقمة من نعماته لانكم بلغت من كرامة الله منزلة فضلتتم بها  
ومن يعرف بالله لانكر من وانتم بالله في عباده تكرمون.

وقد ترون عهد الله منقوضاً، فلا تفرعون وانتم لبعض ذمم  
ابائكم تفرعون وذمة رسول الله محقورة، والعنى واليكم والزمن



في المدائن مهملات لا ترجمون ولا في منزلتكم تعملون ولا من عمل فيها تفنون  
(تعينون نخ) وبالادهان والمصانعة-

عند الظلمة تأمنون، كل ذلك مما امركم الله به من النهي والتناهي  
وانتم عند غافلون، وانتم اعظم الناس مصيبة لما غلبتم عليه من منازل  
العلماء لو كنتم تسعون، ذلك بان مجاري الامور والاحكام على ايدي العلماء  
بالله والامناء على حلولة وحرامه فانتم المسلوبون تلك المنزلة وما سلبتم  
ذلك الا بتضيقكم عن الحق واختلافكم في السنة بعد البينة الواضحة، ولا  
صبرتم على الاذى وتحملتكم، المؤنة في ذات الله كانت امور الله عليكم  
ترد وعنكم تصدروا اليكم ترجع - ولكنكم مكنتم الظلمة من منزلتكم  
واستسلمتم امور الله في ايديهم، يعملون بالشبهات ويسيروا  
في الشهوات سلطهم على ذلك فراركم من الموت واعجابكم بالحيرة  
التي هم مفارقتكم، فاسلمتم الضاع في ايديهم فمن بين  
مستبعد مقهور وبين مستضعف على معيشة مغلوب، يتقلبون  
في الملك بأرائهم ويستشعرون الخزي باهوائهم اقتداء و  
بالاشرار وجراءة على الجبار-

في كل بلد منهم على منبرة خطيب يصقع، فالارض لهم شاعرة  
وايديهم فيها مبسوطة والناس لهم خول، لا يدفعون يداهم،  
فمن بين جبار عنيد وذئ سطورة على الضعفة شديد، مطاع لا  
يعرف المبدئ المعيد فيا عجبا ومالي (لا) اعجب والارض من غاش  
غشوم، ومتصدق ظلوم، وعامل على المؤمنين بهم غير رحيم، فالله  
الحاكم فيما فيه تنازعنا والقاضي بحكمه فيما شجر بيتنا-



اللهم انك تعلم انه لم يكن ما كان منا، تنافسًا من سلطان، ولا التماسًا  
من فصول الحطام، ولكن لنرى المعالم من دينك ونظير الاصلاح في  
بلاؤك ويا من المظلومون من عبادك ويعمل بفرائضك وسنتك واحكامك  
فانكم تنصروننا وتصفوننا قوى الظلمة عليكم وعملوا في اطفاء نور بينكم،  
وحسبنا الله وعليه توكلنا واليه انبنا واليه المصير

### معاویہ کے نام امام حسین علیہ السلام کا مکتوب

اما بعد فقد جائني كتابك تذكر فيه انه قد امنت اليك  
عني امورًا لم تكن تظني بها رغبة بي عنها، وان الحسنات لا يهدى  
لها ولا يسد اليها احد الا الله تعالى واما ما ذكرت انه رقي اليك  
عني، فانما قاعا الملاقون، المشاؤون بالنميمة، المفرقون بين  
الجمع وكذب الغارون المارقون ما اردت حربا ولا خلافا واني  
لله في ترك ذلك منك ومن حزبك القاسيين المخايين حزب  
الظالم واعوان الشيطان الرجيم

الست قاتل حجر واصحابه؟ العابدین المنجبتين الذين  
كانوا يستفظحون البدع ويا مردون بالمعروف وينهون عن المنكر  
فقتلتهم ظلما وعدوانا من بعد اعدائهم المواثق الغليظة والعهود  
الموثقة، جرأة على الله واستخفافا بعهد ه اولست المدعى

انہ تحف العقول میں تنصروننا نقل ہوا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان لم تنصروننا ہے۔  
خیال ہے کہ ان لم یا تو خذت ہو گیا ہے یا اس سے یہی مراد ہے۔ (صحیح)  
ان تحت العقول ص ۲۳۴، ۲۳۹ ط جدید۔ اور ان گزشتہ میں مذکور ہوا کہ گمان تو یہ ہے کہ یہ خطبہ  
آپ نے انجمن مکہ میں ارشاد فرمایا ہے۔



زياداً في الاسلام فنعمت انه ابن ابي سنيان وقد قضى رسول  
الله صلى الله عليه وآله ان الولد "للفراش وللعاهر الحجر"  
ثم سلطته على اهل الاسلام يقتلهم ويقطع ايديهم وارجلهم  
من خلفهم ويصلبهم على جذوع النخل سبحان الله يا معاوية  
لكانك لست من هذه الامة وليسوا منك -

ارست قاتل الحضرمي؟ الذي كتب اليك فيه زياد  
انه علي دين علي كرم الله وجهه ودين علي هو دين ابن عمه  
صلى الله عليه وسلم الذي اجلسك مجلسك الذي انت فيه  
ولولا ذلك كان افضل شرفك وشرف اباك بجشم الرجلتين  
رحلة الشتاء، والصيف فوضعها الله عنكم بنا، منة عليكم  
وقلت فيما قلت: "لا تدهم هذه الامة في ننته وانى لا اعلم لها ننته اعظم من امارتك عليها  
قلت: انظر لنفسك ولدينك والامة محمد وانى والله فاعرف  
افضل من جهادك فان افعل فانه قربة الى ربي وان لم افعل  
فاستغفر الله لدينى واسئله التوفيق لما يحب ويرضى؟ وقلت  
فيما قلت: متى تكذبني احكك، فكذبني يا معاوية! فيما بدالك  
فلعمرى! لقد يهايكيد الصالحون وانى لا رجوان لا تضر الا  
نفسك ولا تحقق الا وعملك فكذبني ما بدالك -

واتق الله يا معاوية! واعلم ان الله كتابا لا يغادر صغيرة  
ولا كبيرة الا احصاها واعلم ان الله ليس بناس لك قتلك  
بالظنة، واخذك بالتهمة واما رتك صبيا يشرب الشراب  
ويلعب بالكراب، ما اراك الا وقد اوبقت نفسك واهلكت



## امام حسین علیہ السلام کا منزل ذی حسم پر

### حالات کی وضاحت میں خطبہ مبارک

ان هذه الدنيا قد تغيرت وتكررت وادبر معروفها فلم يبق  
منها الا صباية كصباية الوناء ونحسب عيش كالمرعى الربيل  
الواترون ان الحق لا يعمل به وان الباطل لا ينتهى عنه ليرغب  
المومن في لقاء الله محققا فاني لا ارى الموت الا مسعادة ولا الحياة  
مع الظالمين الا برما، ان الناس عبيد الدنيا والدين لعق على  
السننهم؟ يحوطونه مادرت معايشهم فاذا محصوا بالبلاء  
قلت الديانوتؑ

### امام حسین علیہ السلام کا روز عاشوراء ارشاد فرمایا

#### ہوا خطبہ

تبا لكم ايها الجماعة وترخا لعين استصرتهمونا والبيت  
فاصرخناكم موجفين، سلتم علينا سيفا لنا في ايمانكم وحششتم

۱۔ الامامة والسياسة ج ۱ ص ۱۸۰-۱۸۱  
۲۔ تحت العقول کے مطابق (صباية) ہے جب کہ صحیح لفظ (صباية) ہے۔  
۳۔ تحت العقول ص ۲۳۵ اور تاریخ طبری میں بھی الفاظ کے تھوڑے سے رد و بدل کے  
ساتھ منقول ہے۔



علینا ناراً فقد خناها علی عدونا وعدوکم، فاصبحتم بالاعدائکم  
 علی اولیائکم بغیر عدل افشوه فیکم ولا امل اصبح لکم فیہم ،  
 فہلا لکم الویلات ترکتمونا والسیف متیم والجاش طامن و  
 الرأی لما یتحصف ، ولكن اسرعتن الیہا کسطیرۃ الدیاب و  
 تداعیتن الیہا کتہبات الفراش فسحقا لکم یا عبید الامة و  
 شد اذلا حزاب ، ونبذ الکتاب ومحرفی الکلم وعصبة  
 الوتام ونفثة الشیطان ومطفیء السنن اهو لاء تعضدون  
 وعنا سخا ذلون۔

اجل! واللہ غدر فیکم قدیم وشجت الیہ اصولکم  
 وتأزرت علیہ فروعکم، وکنتم انخبثا ثم شجی للناظر<sup>لہ</sup> و  
 اکلۃ للفاصب، الا وان الدعی بن الدعی قدر کزبین اثنتین بین  
 السلة والذلة وھیہات منا! الذلة، یا بی اللہ ذلک لنا ورسولہ و  
 والثومنون وحجور طابت وطهرت وانوف حمیة ونفوس ابیہ  
 من تؤشر طاعة اللعالم علی مصارع الکرام الا وانی زاحف  
 بہذہ الاسرة مع قلة العدد وخذلة الناصر تم اوصل کلومہ  
 بابیات فروة بن مسیک المرادی.....

فان نھزم فہزامون قدماً وان تغلب فغیر مغلبینا  
 وما ان طبنا جبن ولكن منا یانا، ودولة آخرینا

لہ ناظر اور ناظر کے معنی باغبان کے ہیں۔ بچار، نفس المہموم اور  
 لہوف میں ناظر نقل ہوا ہے۔ لیکن درست لفظ "ناظر" ہے کہ ناظر  
 کے معنی دیکھنے والے کے ہوتے ہیں جو یہاں درست نہیں۔



اذا ما الموت رفع عن اناس      كدله اناخ باخبرينا  
 فافنى ذلكم سر و اة قوی      كما افنى القرون الاولينا  
 فلو خلا الملوك اذا اخلدنا      ولو بقى الكرام اذا بقينا  
 فقل للشامتين بنا افيقوا      سيلقى الشامون كما لقينا  
 ثم ايم الله لا تلبثون بعدها الا كريت ما يركب الفرس  
 حتى تدور بكم دور الرحى وتقلق بكم قلق المحور، عهد عهده  
 الى ابى عن جدى فاجمعوا امركم وشركاءكم ثم لا يكن امركم  
 عليكم غمّة ثم اقصوا الى ولا تنظرون انى توكلت على الله ربي  
 وربكم ما من دابة الا هو اخذ بنا صيتها ان ربي على صراط مستقيم  
 امام چهارم حضرت على بن الحسين كان خطبه مبارك كوفه میں  
 انا بن الحسين بن على بن ابى طالب، انا بن من انتهكت حرمة  
 وسببت نعمته، وانتهب ماله وسبى عياله، انا بن المذبح  
 بشط الفرات من غير دخل ولا ثوات انا بن من قتل صبّراً و  
 كفى بذلك فخراً ايها الناس! فانشد تكم بالله هل تعلمون -  
 انكم كتبتم الى ابى وخذ عتموه واعطيتموه من انفسكم  
 العهد والميثاق والبيعة وقاتلتموه فتباليما قد متم وانفسكم  
 وسوءة لرايكم باية عين تنظرون الى رسول الله (ص)  
 اذ يقول لكم قتلت عترتى وانتهكت حرمتى فلستم من امتى -  
 قال الراوى فارفعت الاصوات من كل ناحية ويقول

له لهوت ص ۵۴ - ۵۹ انہی الفاظ میں خطبہ تحف العقول میں ص ۲۲۰ پر منقول ہے۔ نفس المہموم میں لهوت سے نقل ہوا ہے۔



بعضهم لبعض هلكوا وما تعملون - فقال عليه السلام:  
 رحم الله امراً قبل نصيحتي وحفظ وصيتي في الله ورسوله  
 واهل بيته فان لنا في رسول الله (ص) اسوة حسنة  
 فقالوا يا جمعهم: نحن كلنا يا بن رسول الله سامعون مطيعون،  
 حافظون لذمامك، غير ناهدين فيك ولا راغبين عند قبرنا  
 باصرك يرحمك الله فاننا حرب لحربك وسلم لسلمك لناخذن  
 يزيد لعنة الله ونبرء ممن ظلمك فقال (ع) هيهات هيهات  
 ايها الغدرة المكرة حيل بينكم وبين شهوات انفسكم، اتريدون  
 ان تأتوا الى كما اتيتم الى ابائي من قبل وهرب الراقصات فان  
 الجرح لنا يتامل -

قتل ابي صلوات الله عليه بالامس واهل بيته معه ولم ينس  
 ثكل رسول الله وشكل ابي وبنى ابي وجده بين لهاتى وماريته  
 بين حناجرى وحلقى، وغصصه تجرى في فراش صدرى  
 ومسئلتي ان تكونوا لا لنا ولا علينا ثم قال:

لا غروان قتل الحسين وشيخه      قد كان خيراً من حسين واكرما  
 فلا تفرحوا يا اهل كوفان بالذى      اصاب حسين كان ذلك اعظما  
 قتل، بسط النهر روى فداؤه      جناء الذى اراده نار جهنما  
 ثم قال رضينا منكم رأياً براس فلا يوم لنا ولا يوم علينا

سيد علي اكبر قرشي

رضائيه

شهر يرواه ١٣٢٦ شمسي



ہم سے دوستی کا دار و مدار ہمارے مقاصد کی پیروی پر ہے۔  
(حضرت علی علیہ السلام)

## زندگانی

سید الشہداء  
علیؑ

تالیف

سید علی اکبر قریشی

ترجمہ

سیدہ گلشن بیول نقوی ایم ایے گولڈ میڈلسٹ

ریسرچ سکا لر (پنجاب یونیورسٹی)

ناشر

شیخ غلام علی ایسٹرن پبلسٹرز

لاہور — حیدرآباد — کراچی